دستورِ حیاء

(سُورۃ النسّاء)

از

حافظ احمدؐ یار ایم۔ اے

رفیق مطبوعات اُردو بازار۔ لاہور

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

Mahira JASEEN.
69385.
Student, B.A. 1st year.

دستورِ حیاء

(مطالعہ سورۃ النساء)

از

حافظ احمد یار ایم۔ اے (یونیورسٹی امتیازات)
لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

ناشر
فیوض مطبوعات۔ اردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

39400

طبع اول ۱۹۶۴ء
تعداد . . . . ایک ہزار
ہدیہ . . . . . . دس روپے
مطبع . . . . . عالمگیر پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر . . . . رفیق مطبوعات اردو بازار لاہور

Marfat.com

اھداء

مادرِ علمی جامعہ محمدی ضلع جھنگ کے نام

جس کے پاکیزہ دینی و علمی ماحول کے اثرات جس کے لیے
مشعلِ راہ بنے

(خاکپائے ابرار)
(حافظ) احمد یار

Marfat.com

Marfat.com

پڑھنے والوں سے گذارش

سورۃ النساء نہایت اہم احکام و مباحث پر مشتمل ہے۔ اس میں ایسی تعلیمات ہیں جو اسلامی نظام معاشرت و معیشت کی جان اور مسلمانوں کی اخلاقی و اجتماعی زندگی کے لیے سنگ بنیاد ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سورت کے بیشتر مضامین ایسے ہیں جو ہمارے زمانے کے اہم مسائل اور ہماری فکری مجالس کے دلپسند موضوع بحث ہیں۔ مثلاً عائلی نظام۔ احکام وراثت۔ رسول ﷺ کی دستوری حیثیت۔ عدالت و سیاست۔ جہاد و ہجرت اور منافقین وغیرہ یہی وجہ ہے کہ متعدد یونیورسٹیوں نے اس سورت کو کالج اور یونیورسٹی کے درجے میں علوم اسلامیہ کے لیے داخل نصاب کیا ہے۔ اس سورت کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ اسلامی عقائد و احکام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے بلکہ فکر و عمل سے متعلق بہت سی ایسی غلط فہمیاں بھی رفع ہو سکتی ہیں جو بعض اسباب کی بنا پر ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن میں پیدا ہو گئی ہیں —— اور یہ کتاب اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔

کتاب میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

● شروع میں سورت کا تعارف ہے جس میں سورت کا زمانۂ نزول تاریخی پس منظر اور اس کے مضامین کا اجمالی خاکہ دیا گیا ہے یہی خاکہ سورت کے مضامین کے انڈکس کا کام بھی دے سکتا ہے۔

● ترجمہ میں تمام رائج الوقت تراجم و تفاسیر سے بہترین خوبیوں کو یکجا کرنے کی کوشش اختیار کیا گیا ہے یعنی اصل متن کا ترجمہ زیادہ سے زیادہ لفظی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے متن کے ساتھ عمودی کالم میں بامحاورہ و شستہ اور رواں و مسلسل ترجمہ دیا گیا ہے اور اس میں بھی حتی الامکان ترجمہ کو آیات کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ ان دونوں ترجموں کے لیے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور آقائی معجمی ایران کے فارسی اور شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ، مولوی نذیر احمدؒ، مولانا محمود الحسنؒ، مولانا احمد رضا خانؒ اور مرزا حیرتؒ کے اردو

Marfat.com

تراجم قرآن کے علاوہ تفسیر حقانی، تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن اور مفہوم القرآن کو پیش نظر رکھا ہے۔ بعض معلومات سائنس اور تاریخ کی انگریزی کتابوں سے حاصل کی گئی ہیں۔

● ترجمے کے بعد مختلف کلمات کے متعلق ایسے لغوی ونحوی اشارات دیئے ہیں جن سے ایک متوسط فہم کے عربی دان کے ذوق کی تسکین ہو سکتی ہے، اور مبتدی بھی اس سے استفادہ اور اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے۔ "مشار الیہ" کلمات کو خط کشیدہ کر کے باقی عبارت سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔

● اس کے بعد "تفہیم وتفسیر" میں آیات کے ایک ایک جزء کو دوبارہ لکھ کر اس کے مطالب، متعلق واقعات وروایات اور ضروری تفسیر سادہ وآسان لفظوں میں بیان کر دی گئی ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ تفہیم وتفسیر کی طرف آنے سے پہلے متعلقہ آیت یا حصۂ آیت کا ترجمہ، پڑھنے والے کے ذہن نشین ہے۔ کتاب کے اس حصے کے لیے میں نے مذکورہ بالا تراجم وتفاسیر کے علاوہ تفسیر بیضاوی، تفسیر المنار، تفسیر المراغی، فی ظلال القرآن، تفسیر ابی السعود اور التفسیر القیم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ بعض جگہ مزید مطالعہ کے لیے دوسری قرآنی آیات کا حوالہ (سورت کا نام، آیت نمبر) دیا گیا ہے۔

● جن مصنفین کی کتابوں سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے، ان میں سے جو زندہ ہیں ان کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان میں سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کے لیے صدق دل سے بارگاہِ الٰہی میں مغفرت وبلندی درجات کی دعا کرتا ہوں۔ آمین!

● مطالعہ کے دوران جو فروگذاشتیں آپ کو اس کتاب میں نظر آئیں، ان سے اور کتاب کے متعلق اپنی رائے سے مجھے آگاہ فرمائیں۔ اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

لاہور
۲۶ دسمبر ۱۹۶۷ء

طالب دعا واستغفار
(حافظ) احمد یار

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ ۴

تعارف

ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ قرآن کریم کی چوتھی سورت ہے۔ اس میں کل ۱۷۶ آیات اور ۲۴ رکوع ہیں اور سورۃ البقرہ کے بعد قرآن کی سب سے لمبی سورت یہی ہے۔ تقسیم تلاوت کے لیے قرآن مجید کی جو سات منازل "فمی بشوق" مقرر کی گئی ہیں ان میں سے پہلی منزل سورۃ النساء پر ختم ہوتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے قرآن کریم کی سورتوں کے نام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منقول ہیں۔ سورتوں کے الگ الگ نام رکھنے کی اصل غرض غالباً صرف یہی ہے کہ ہر سورت دوسری سے ممیز ہو جائے۔ کیوں کہ سورتوں کی وجہ تسمیہ میں بظاہر کوئی یکساں اصول نظر نہیں آتا۔ عام طور پر تو سورت کا نام کوئی ایسا لفظ ہوتا ہے جو صرف اسی سورت میں آیا ہو اور قرآن مجید میں اور کہیں نہ ہو بلکہ بعض سورتوں کا نام کسی ایسے واقعہ یا حکم سے متعلق ہوتا ہے جو صرف اسی سورت میں مذکور ہوتا ہے۔ بعض جگہ نام کی مناسبت ہوتی ہے۔ بہرحال سورت کے نام کو بحیثیت اس سورت کے تمام مباحث کا جامع عنوان نہیں قرار دیا جا سکتا۔ سورۃ النساء کے نام اور اس کے مضامین میں بھی یہی جزوی مناسبت ہے یعنی اس سورت میں عورتوں کے حقوق و فرائض سے متعلق خاص احکام ہیں اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔

Marfat.com

عورتوں سے متعلق احکام قرآن کریم کی بعض دیگر سورتوں میں بھی ہیں مثلاً البقرہ، المائدہ، النور، الاحزاب، المجادلہ، الطلاق وغیرہ مگر سورۃ النساء میں اس موضوع کے بعض نہایت اہم بنیادی اور نزاعی پہلوؤں پر قطعی ہدایات دی گئی ہیں۔

سورت کا زمانہ نزول

سورۃ النساء بالاتفاق مدنی سورت ہے مصری مصاحف کی تصریحات کے مطابق ترتیب نزول کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر ۹۲ ہے۔ اور مدنی سورتوں میں سے یہ چھٹی سورت ہے یعنی اس سے پہلے البقرہ۔ الانفال آل عمران۔ الاحزاب اور الممتحنہ کا نزول مکمل ہو چکا تھا یا شروع تھا۔ قرآن مجید کی متعدد دوسری سورتوں کی طرح سورۃ النساء بھی پوری کی پوری ایک ہی وقت میں نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کے مختلف حصے تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف اوقات میں نازل ہوتے رہے۔ اگرچہ صحت تعین کے ساتھ یہ کہنا دشوار ہے کہ کون سی آیات کب نازل ہوئیں یا پوری سورت کا مجموعی زمانہ نزول کتنا اور کون سا ہے؟ تاہم سورت کی بعض آیتوں کے شان نزول سے اور بعض ایسے احکام و واقعات کی طرف اشاروں سے جن کے نزول یا وقوع کا ایک متعین زمانہ روایات سے معلوم ہو سکتا ہے، سرسری طور پر اتنا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سورت شوال ۳ھ سے لے کر ۶ھ کے اواخر تک بلکہ شاید ۸ھ تک کے درمیانی زمانے میں مکمل ہوئی ہے۔ مثلاً

۱۔ وراثت کی تقسیم اور یتیموں کے حقوق اور ان کی حفاظت کے متعلق احکام جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے تھے جس کی وجہ سے مدینہ (منورہ) کی نوخیز شہری اسلامی ریاست کے اندر (جس کی آبادی کچھ زیادہ نہیں تھی) کثیر تعداد میں بیواؤں

Marfat.com

اور یتیموں کی موجودگی ایک مسئلہ بن کر اُبھری اور ان کی بحالی (Rehabilitation) کی تدابیر اور ان کے مفادات کے تحفظ کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ جنگ اُحد شوال ۳ھ میں ہوئی تھی اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورت کا ابتدائی حصّہ اسی زمانے میں نازل ہوا ہوگا۔

۲۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ خوف اور تیمم کا حکم غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۴ھ میں پیش آیا تھا۔ اس طرح اس سورت کی نمازِ خوف اور تیمم سے متعلق آیات[1] (۴۳، ۱۰۱ – ۱۰۳) کا زمانۂ نزول متعین ہو جاتا ہے۔

۳۔ آیت ۴۷ میں یہودیوں کو جو آخری تنبیہ کی گئی ہے غالباً اس کا زمانۂ نزول غزوۂ بنی نضیر سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ یہ غزوہ ربیع الاول ۴ھ میں ہوا تھا جس کے نتیجے میں یہودیوں کا یہ قبیلہ (بنی نضیر) مدینے سے نکال دیا گیا تھا۔

۴۔ آیت ۵۱، ۵۲ میں یہود کی جس اندھی ضد اور متعصبانہ حق فراموشی کا ذکر ہے، اس کا مظاہرہ اس وقت ہوا تھا جب یہودیوں کا ایک وفد مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے قریش مکہ سے ملنے گیا تھا۔ اس وفد میں مدینے سے نکالے ہوئے یہودی قبیلہ بنی نضیر کا مشہور سردار حُیَیّ بن اخطب بھی شامل تھا۔ یہود و مشرکین مکہ کے اس متحدہ محاذ کا نتیجہ جنگ خندق (احزاب) کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا ان آیات کا نزول اخراجِ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ) اور جنگ احزاب (شوال ۵ھ)

[1] بعض روایات کے مطابق تیمم کا حکم غزوہ بنی المصطلق (شعبان ۶ھ) یا غزوہ سفوان (جمادی الاولیٰ ۵ھ) کے موقع پر نازل ہوا تھا۔

Marfat.com

کے درمیان ہوا ہے۔

۵۔ محرمات کے ذکر (آیات ۲۲-۲۴) میں "وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ" کا تعلق ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے ہے جو ذوالقعدہ ۵ھ میں ہوا تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم اس سے متصل پہلے یا بعد کے زمانے میں نازل ہوا ہوگا۔

۶۔ آیت ۲۵ میں منکوحہ لونڈی کے لیے زنا کی سزا آزاد عورت کی سزا سے نصف بیان ہوئی ہے۔ آزاد عورت کے لیے یہ سزا سورۃ النور میں مذکور ہے۔ سورۃ النور غزوۂ بنی المصطلق اور واقعۂ افک (شعبان ۵ھ) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس لیے سورۃ النساء کی یہ آیت یقیناً اس سے بعد کے زمانے میں نازل ہوئی ہوگی۔

۷۔ سورۃ النساء کی جہاد کی ترغیب و تاکید والی آیات میں سے بعض (مثلاً ۷۵) صاف اہل مکہ کے بارے میں ہیں اور ان کا تعلق فتح مکہ سے ہے بعض دوسری آیات (۹۷-۱۰۰) میں دار الکفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ یہ حکم فتح مکہ تک لازمی تھا۔ اسی طرح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الممتحنہ کا کچھ حصہ سورۃ النساء کی تکمیل سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ سورۃ الممتحنہ کے ابتدائی حصے میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ سفر حدیبیہ (۶ھ) یا فتح مکہ ۸ھ سے پہلے کا ہے ان امور کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالباً سورۃ النساء کی بعض آیات صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے بھی نازل ہوئی ہیں۔

سورت کے زمانۂ نزول کے اس سرسری تعین کے بعد اب اس کے مضامین پر ایک اجمالی نظر ڈالیے:-

Marfat.com

سورت کے مضامین کا پس منظر اور تجزیہ [illegible]

یوں تو اجمالی طور پر پورے قرآن مجید کو اور کم و بیش ہر سورت کے مضامین کو بلحاظ اغراض و مقاصد تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جاہلیت کے غلط اور باطل عقائد و نظریات، رسوم و رواج، عادات و قوانین کو مٹانا یا ان کی اصلاح کرنا۔

۲۔ زندگی کے متعلق حقیقتوں اور حقائق اسلامی قدروں سے روشناس کرنا اور ان کی روشنی میں نئے احکام و قوانین دینا۔

۳۔ جاہلیت کو مٹانے اور اسلام کو برپا کرنے کے لیے [illegible]
• اور اس کے برعکس طریق عمل اختیار کرنے سے روکنا۔

یہ ایک عام تقسیم ہے جو سورۃ النساء کے مضامین پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر سورت کا اپنا ایک مستقل محور یا مرکزی مضمون ہوتا ہے اور باقی مضامین اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس لحاظ سے سورۃ النساء کا محور یا مرکزی مضمون صالح عائلی نظام کی بنیاد پر صالح معاشرہ اور [illegible] دوسرے الفاظ میں اسلامی عمرانیات کے بنیادی اصول (Fundamentals of Islamic Sociology) قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ ہر سورت [illegible] ہوتا ہے۔ اگرچہ قرآن عزیز کے حصوں میں سے ہر ایک [illegible] و حالات میں نازل ہونے کے باوجود [illegible] اہمیت اور بہت گہری ہے، تاہم کسی آیت یا [illegible] رکھنے سے اس کے مضامین کو سمجھنے اور ان کے برمحل استعمال [illegible]

سورۃ النساء مدنی دور کی سورتوں میں سے ہے اور اس [illegible] صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدنی (خصوصاً جنگ احد کے بعد کی) زندگی کے مسائل کی جھلک موجود ہے ـــــ مکی زندگی میں بڑی حد تک صرف ایک ہی مسئلہ درپیش تھا یعنی اسلام کی دعوت پھیلانا اور زیادہ سے زیادہ دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنا۔ مگر ہجرت کے بعد مدینہ میں اس تبلیغی مسئلہ کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور سیاسی پہلو سے بھی کئی حل طلب مسائل پیدا ہو گئے تھے۔

معاشرتی لحاظ سے مسلمانوں کی علیحدہ اور مستقل تنظیم اب تیزی سے نشوونما کے مراحل میں داخل ہو گئی تھی۔ تطہیر و تعمیر کا ایک نیا دور شروع ہوا جس میں جاہلیت کے غلط طریقوں کو مٹا کر سوسائٹی کے اندر نئے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور معاشی اصول رائج کیے جا رہے تھے۔ اس نئے مسلم معاشرے کی یہ تشکیل و تکمیل آہستہ آہستہ اور تسہیل و تدریج کے حکیمانہ اصول کے تحت ہوئی اور مدنی دور کی متعدد سورتوں (مثلاً البقرہ، النساء، المائدہ، النور، الاحزاب، الحجرات، المجادلۃ، الممتحنہ وغیرہ) میں اس قسم کے احکام وارد ہونے کی بھی وجہ ہے۔ سورۃ النساء میں جنگ احد کے بعد پیش آنے والے معاشرتی مسائل کے بارے میں احکام ہیں۔

سیاسی لحاظ سے مدینہ میں ہی اسلامی ریاست کا آغاز ہوا۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کا اس طرح آزاد فضا میں پنپنا برداشت نہ کر سکے اور وہ فوجی قوت کے بل پر اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے۔ اس طرح مخالف اسلام طاقتوں کے ساتھ مسلح کشمکش کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جو کم و بیش ۸ سال (۲ تا ۹ ھ) تک جاری رہا۔ دشمن کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے جہاد کا حکم وقت کا تقاضا تھا۔ اکثر مدنی سورتوں (مثلاً البقرہ، آل عمران، الانفال، التوبۃ، محمد، الفتح) کی طرح سورۃ النساء میں بھی جہاد کے احکام موجود ہیں۔

کافروں کے بیرونی حملوں کے علاوہ، مدینہ میں مسلمانوں کے لیے ایک

Marfat.com

اندرونی خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ خطرہ منافقوں سے تھا۔ مدینے کے کچھ عیار لوگ، قریش مکہ اور مسلمانوں کے اس تصادم میں کھلم کھلا کسی ایک فریق کا ساتھ دینے کو ابھی اور نادانی سمجھتے تھے۔ کچھ ایسی بات نہ تھی کہ وہ غیر جانبدار ہوں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد ضرور تھا۔ بظاہر انہیں کفار مکہ کی کامیابی کے امکانات روشن نظر آتے تھے مگر مسلمانوں کے کردار کی پختگی۔ ان کی دین سے وابستگی اور جنگ [illegible] ان کی بہادری کے [illegible] یہ منافق دیکھ چکے تھے۔ بے سروسامان ہونے کے باوجود مسلمانوں کے غالب آجانے کے امکانات بالکل موہوم نہ تھے۔ اس لیے ان منافقوں نے [illegible] ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے رہنے [illegible] پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ ان لوگوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو بار بار [illegible] ہونا پڑا۔ متعدد دوسری مدنی سورتوں کی طرح سورۃ النساء کا ایک موضوع بھی "منافقوں سے انتباہ اور ان کو تنبیہ" بھی ہے۔

مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ کے ساتھ مسلمانوں کے اس "تنازع للبقاء" میں یہود مدینہ کے پاجیانہ (Villainous) کردار اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے شدید حسد و عداوت نے مختلف معاشرتی و معاشی اسباب کی بنا پر مسلمانوں کے مصائب اور پریشانیوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ یہ [illegible] محض مسلمانوں کے درپے آزار ہونے کے لیے [illegible] کرنے پر تیار ہو جاتے تھے ــــ اسلام دشمنی پر متحد اس [illegible] (Trio) یعنی کفار، منافقین اور یہود کا ذکر مدنی سورتوں میں عموماً ساتھ ساتھ [illegible] سورۃ النساء میں [illegible] آیات [illegible] یہود کے [illegible] کرتی ہیں [illegible] آدمی کے لیے سامان عبرت [illegible] ہے۔

سورۃ النساء [illegible]

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ جہاد کی ترغیب، جہاد کے مقاصد، جہاد کی اہمیت اور جہاد سے متعلق بعض خاص احکام (مثلاً صلوٰۃ خوف) بیان ہونے کا تاریخی پس منظر یہ بھی ہے کہ جنگ احد کے بعد اسلام اور کفر کی کشمکش نے زیادہ نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ احد میں مسلمانوں کے نقصانات کی وجہ سے نواح مدینہ کے غارت پیشہ مشرک قبائل، روباہ صفت یہودی ہمسایوں اور گھر کے ان آستین کے سانپ منافقوں کی ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جنگ احد کے بعد سے غزوات و سرایا کا ایک غیر منقطع سا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو جنگ احزاب بلکہ اس کے بھی کچھ عرصہ بعد تک جاری رہا۔ مثلاً واقعہ رجیع (اواخر شوال ۳ھ) واقعہ بیر معونہ (صفر ۴ھ) غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ) غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاولیٰ ۴ھ) غزوہ بدر صغریٰ (شعبان ۴ھ) سریہ سیف البحر (۴ھ) سریہ ذات القصہ (۴ھ) غزوہ دومۃ الجندل (محرم ۵ھ) غزوہ بنی لحیان (جمادی الاولیٰ ۶ھ) جنگ احزاب (شوال ۵ھ) غزوہ بنی المصطلق (شعبان ۶ھ)

اس طرح سورۃ النساء کے جہاد اور تنظیم و استحکام ملت سے متعلق احکام، ایک لحاظ سے، جنگ احد کے سیاسی نتائج سے تعلق رکھتے ہیں جس طرح عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور وراثت و وصیت سے متعلق احکام جنگ اُحد ہی کے معاشرتی و معاشی نتائج سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیاسی و معاشرتی صورت حال کے مطابق مسلمانوں کو "تازہ ترین" احکام دینے کے علاوہ، اس دور (زمانۂ نزول سورت) میں جاہلیت کے غلط نظریات کی تردید اور اسلام کے پیغام کی نئے حلقوں تک تبلیغ کا کام بھی جاری رہا۔ اب اسلام کی دعوت کا رُخ، مشرکین مکہ کے علاوہ، اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں بلکہ پوری انسانیت کی طرف تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو تبلیغ و اقامت دین کی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بلند ترین اخلاق

Marfat.com

کی تعلیم دی گئی اور عقیدے کی صحت اور ایمان کی پختگی کو ان تعلیمات کی بنیاد قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء میں عیسائیوں اور یہودیوں کو (یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ)[1] تمام انسانوں کو (یٰاَیُّھَا النَّاسُ)[2] اور خود مسلمانوں کو (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا)[3] بصیغۂ ندا، پکار کر ایمان اور عقائد درست کرنے اور درست رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بلکہ معاشرتی وسیاسی احکام کے سلسلے میں بھی توجہ بار بار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ تاکہ اسلامی احکام کی یہ اصل واساس نظروں سے کسی وقت بھی اوجھل نہ ہونے پائے۔

اس پس منظر کی روشنی میں، اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس مرحلے میں بیک وقت کئی پہلوؤں سے ارشاد وہدایت اور اصلاح وتعمیر کا کام شروع تھا، سورۃ النساء کے اہم مضامین کو مختصراً حسب ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حوالہ کی سہولت کے لیے، اور مزید وضاحت کی خاطر اصل مقام کی طرف رجوع کرنے کے لیے، آیات کے نمبر ساتھ دے دیئے ہیں۔

۱۔ اصلاحِ عقائد:۔

(۱) شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے آیت ۴۸، ۱۱۶۔

(۲) توبہ کی حقیقت اور اس کی قبولیت کی شرائط آیت ۱۷، ۱۸، ۱۱۰، ۱۴۶۔

(۳) اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا آیت ۴۰، ۱۴۷۔

(۴) اطاعتِ رسول بدل وجان فرض ہے آیت ۶۴، ۶۵۔

(۵) نجات آرزوؤں پر نہیں عمل پر منحصر ہے آیت ۱۲۳، ۱۲۴۔

(۶) اللہ، اس کے تمام رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور یومِ آخرت پر ایمان او

---

[1] مثلاً آیت ۴۷ و ۱۷۱۔ [2] مثلاً آیت ۱، ۱۷۴، ۱۷۰۔

[3] مثلاً آیت ۱۳۶۔

Marfat.com

صحیح معنوں میں ایمان لانا ضروری ہے آیت ۱۳۶۔

(۷) خدا کو ماننا مگر رسولوں کو نہ ماننا یا بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا۔ یہ سب صریح کُفر ہے آیت ۱۵۰۔ ۱۵۱۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جیسے اُن سے پہلے انبیاء پر آیت ۱۶۳، ۱۷۰۔

(۹) گمراہی کی ایک صورت دین میں غلو بھی ہے۔ جیسے عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا بنا دیا۔ آیت ۱۷۱، ۱۷۲۔

ان کے علاوہ سورت میں جگہ جگہ اللہ کی صفات کا بطور اسماء حسنیٰ اور اعمال کی جزا و سزا (ایمان بالآخرۃ) کا ذکر ہے۔

۲۔ عبادات سے متعلق احکام:۔

(۱) طہارت (غسل، وضو اور تیمم) کا حکم اور مختصر طریقہ آیت ۴۳۔

(۲) سفر میں نماز قصر کرنے اور جنگ میں نمازِ خوف ادا کرنے کا حکم اور مختصر طریقہ آیت ۱۰۱، ۱۰۳۔

(۳) کفارۂ قتلِ خطا کا بیان آیت ۹۲۔

۳۔ مکارم اخلاق کی ترغیب اور اُن کا حکم:۔

(الف) تمام اعلیٰ اخلاق کی بنیاد عبودیت اور تقویٰ پر ہے یعنی یہ کہ آدمی صرف ایک اللہ ہی کی بندگی اختیار کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے آیت ۱، ۳۶، ۷۹، ۱۳۱۔

(ب) تقویٰ و عبودیت کی اس مضبوط بنیاد پر کھڑی ہونے والی مکارم اخلاق کی مختلف عمارات کے حسبِ ذیل ضروری عناصر اس سورت میں مذکور ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) قول معروف آیت ۵، ۸، ۹۔

(۲) والدین، اقربا، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، ساتھیوں اور ماتحتوں سے حسن سلوک آیت ۳۶۔

(۳) ادائے امانت آیت ۵۸۔

(۴) عدل وانصاف کا بلند معیار آیت ۵۸، ۱۳۵۔

(۵) تحیۃ حسنہ (سلام کا اچھا جواب دینا) آیت ۸۶۔

(۶) شفاعت حسنہ (بھلائی کی سفارش) آیت ۸۵۔

(۷) خائنوں کی طرفداری نہ کرنا آیت ۱۰۵۔

(۸) بھلائی اور لوگوں کی بہتری کے کاموں میں خفیہ اور خاموش شرکت آیت ۱۱۴

(۹) کمزوروں کی حمایت تن من دھن سے کرنا آیت ۷۵۔

۴۔ رذائل اخلاق کی مذمت اور ان سے ممانعت:۔

(الف) تمام رذائل اخلاق کی بنیاد کفر یا اتباع شہوات ہے آیت ۲۶، ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۶۰۔

(ب) اس سورت میں اخلاقی پستی کی حسب ذیل صورتوں کی مذمت کی گئی ہے، ان سے روکا گیا ہے اور ان کے ارتکاب کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یتیم کا مال کھانا آیت ۲، ۶، ۱۰۔

(۲) جنسی آوارگی وبے حیائی اور سفاح و مخادنت آیت ۱۶، ۲۴، ۲۵۔

(۳) ناجائز کمائی آیت ۲۹۔

(۴) عدم احترام نفس آیت ۵۔

(۵) تکبر وخود ستائی آیت ۳۶، ۳۷۔

(۶) بخل آیت ۳۷۔

(۷) ریاکاری آیت ۳۹۔

Marfat.com

(۸) حسد آیت ۵۴۔

(۹) جھوٹی قسموں اور بہانوں سے اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنا آیت ۴۹، ۶۲، ۱۱۲۔

(۱۰) خیانت آیت ۱۰۷۔

(۱۱) سازشیں کرنا آیت ۱۱۴۔

(۱۲) نفاق و دو رخی آیت ۱۳۸، ۱۴۲۔

(۱۳) الجھر بالسوء (بدگوئی پر زبان کھولنا) آیت ۱۴۹۔

۵۔ عائلی اور معاشرتی زندگی سے متعلق احکام :۔

(ا) عائلی زندگی کی ابتداء اور اس کے اغراض و مقاصد۔

(۱) کنبہ انسان کی اجتماعی زندگی کا پہلا معاشرتی و معاشی یونٹ آیت ۱، نیز آیات وراثت (۱۱، ۱۲) اس کی تائید کرتی ہیں۔

(۲) نکاح کی اجازت آیت ۳، ۲۴ جزوی طور پر۔

(۳) تعدد ازدواج کی مشروط اجازت اور اس کی حد آیت ۳۔

(۴) نکاح پر پابندیاں (محرمات) آیت ۲۲ تا ۲۴۔

(۵) نکاح کی غرض و غایت (i) احصان اور (ii) سفاح و مخادنت سے اجتناب آیت ۲۴، ۲۵۔

(ب) عائلی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض کی تقسیم :۔

مرد کے فرائض :۔

(۱) مہر کی ادائیگی آیت ۴، ۲۴ نیز ۲۰، ۲۱۔

(۲) نفقہ وغیرہ مالی ضروریات کی ذمہ داری آیت ۳۴۔

(۳) عدل بین الازواج آیت ۳، ۱۲۹

(۴) بیوی یا بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت آیت ۱۹۔

Marfat.com

(۵) عائلی امور کی مجموعی نگرانی اور انتظام آیت ۳۴۔

عورت کے فرائض:۔

(۱) بے حیائی سے بچنا آیت ۱۵، ۱۹، ۲۵۔

(۲) انتظامی اور شرعی امور میں خاوند کی فرماں برداری آیت ۳۴۔

(۳) خاوند کے حقوق اور اپنی عصمت کی حفاظت آیت ۳۴۔

(۴) خاوند کے ساتھ صلح اور تعاون کی پالیسی اختیار کرنا آیت ۱۲۸۔

ج۔ عائلی زندگی میں بدمزگی کے اسباب اور اس کا علاج:۔

(۱) محض پسند ناپسند اور تلقین رجائیت آیت ۱۹۔

(۲) عورت کی طرف سے سرکشی آیت ۳۴۔

(۳) مرد کی طرف سے سرکشی آیت ۱۲۸۔

(۴) باہمی صلح اور اصلاح حال کی کوشش آیت ۳۵، ۱۲۸۔

(۵) آخری علاج، تفرقہ آیت ۱۳۰۔

د۔ عائلی روابط کی تنظیم اور باہمدگر احساسِ ذمہ داری (Reciprocal Responsibility) کے ذریعے معاشرے کا استحکام:۔

(۱) احکام میراث و وصیت آیت ۷، ۱۱، ۱۲، ۳۳، ۱۷۶۔

(۲) قریبی رشتہ داروں خصوصاً یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک آیت ۸، ۳۶، ۱۲۷۔

(۳) یتامٰی کی دیکھ بھال اور ان کے امور کی نگرانی آیت ۲، ۵، ۶، ۹۔

(۴) "ایک رحم" سے ہونے (قرابت داری) کی بنیاد پر احساس ذمہ داری کو "ایک ہی جان" سے ہونے (نسلِ آدم) تک وسعت دینے کی تلقین آیت ۱۔

(د) مکارم اخلاق کی تلقین سے صالح معاشرے کی تشکیل (دیکھئے ... کے تحت)

Marfat.com

۵۔ خاندانی روابط اور معاشرتی تعلقات کو نقصان پہنچانے والے امور سے اجتناب :۔

(۱) بیوی کو خاوند کی نافرمانی سے ممانعت آیت ۳۴۔

(۲) خاوند کو بیوی کی حق تلفی یا اس پر زیادتی سے ممانعت آیت ۹ تا ۲۱، ۳۴، ۱۲۹۔

(۳) وصیت یا قرض میں کسی کی حق تلفی نہ کرنا آیت ۱۲۔

(۴) رشتہ داروں اور تمام انسانوں کے خلاف رذائل اخلاق سے پرہیز کے احکام (دیکھئے اوپر ۴ کے ماتحت)

۶۔ مسلمانوں کی اجتماعی ملی زندگی سے متعلق احکام :۔

(ا) اللہ اور رسولؐ کی اطاعت :۔

(۱) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر سزا، آیت ۱۳، ۱۴، ۴۲، ۶۹۔

(۲) اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم آیت ۵۹۔

(۳) رسولؐ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے آیت ۶۴، ۸۰۔

(۴) رسولؐ کی مخالفت باعث ہلاکت ہے آیت ۱۱۵۔

ب۔ اطاعتِ امیر کی اہمیت اور اختلافات کا حل :۔

(۱) مسلمانوں پر اپنے حاکم وقت کی اطاعت بھی لازمی ہے مگر یہ کہ امیر خود مسلمان ہونا چاہیئے آیت ۵۹۔

(۲) اختلافات کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے آیت ۵۹۔

(۳) اہم قومی وملی مسائل حکومت کی سطح پر طے کرنے چاہئیں اور اُن کے متعلق افواہیں نہ پھیلائی جائیں آیت ۸۲،

(۴) مسلمانوں کے متحدہ ومتفقہ مسلک یا فیصلوں کی خلاف ورزی اور کافروں

Marfat.com

کی سیاسی دوستی باعثِ عذاب ہے آیت ۱۱۵، ۱۴۴۔

ج۔ جہاد کی اہمیت اور اس کے متعلق احکام:۔

(۱) جہاد کا ایک مقصد کمزور مسلمانوں کو ظالموں کے پنجے سے نجات دلانا ہے آیت ۷۵۔

(۲) جہاد میں "موت کا خطرہ" محسوس کرنا حماقت ہے "یہ خطرہ" تو بہر حال پیش آئے گا ہی آیت ۷۷۔۷۸۔

(۳) مومنِ مجاہد کے درجات اور فضائل مومن غیر مجاہد کی نسبت کہیں زیادہ ہیں آیت ۹۵۔

(۴) دارالکفر کے ساتھ جہاد کا تقاضا ہے کہ وہاں (دارالکفر میں) رہنے والے مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کریں آیت ۸۹، ۹۷، ۱۰۰۔

(۵) مسلمانوں کو ہر وقت دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے آیت ۷۱

(۶) راہِ خدا میں مرنا یا غالب آنا دونوں طرح کامیابی اور نفع کا سودا ہے۔ آیت ۷۴۔

(۷) مسلمان کی لڑائی صرف اللہ کی راہ میں ہونی چاہیے آیت ۷۶۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے بھی کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا البتہ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کا حکم بھی دیا گیا آیت ۸۴۔

(۹) مسلمانوں سے برسرِ جنگ کافر قوم کے علاقے میں رہنے والے ایسے لوگ جو اسلامی حکومت کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں رضاکارانہ حصہ لیتے ہوں۔ ان سے بھی جہاد کرنا ہوگا۔ آیت ۹۰، ۹۱۔

(۱۰) جہاد میں بین الاقوامی معاہدات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ آیت ۹۲۔

(۱۱) نماز کی پابندی سفر اور میدانِ جنگ میں بھی ضروری ہوگی البتہ سفر میں قصر اور جنگ میں نمازِ خوف پڑھ سکتے ہیں آیت ۱۰۱، ۱۰۳۔

(۱۲) جہاد کو دنیا طلبی کا ذریعہ مت بناؤ۔ آیت ۹۴۔

Marfat.com

(۱۴) جہاد سے جی چُرانا نفاق کی علامت ہے آیت ۷۲۔

۷۔ اندرونی دشمنوں کی پہچان اور اُن کے بارے میں پالیسی:-

جہاد کے ضمن میں بودلوں اور منافقوں کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ انھیں راہِ راست پر آنے کی تلقین بھی اور مسلمانوں کو ان سے خبردار رہنے کی تنبیہ بھی کیونکہ اُس وقت یہ دو اندرونی دشمن بیرونی دشمن (کفار) سے بھی بڑھ کر خطرناک تھے۔

ا۔ منافقوں سے متعلق :-

(۱) منافق خدا اور رسول ص کے فیصلوں اور احکام کو ناگوار سمجھتے تھے آیت ۶۰،۶

(۲) منافق جہاد سے جی چراتے تھے آیت ۷۲،

(۳) منافق باتیں زیادہ بناتے اور عمل کے وقت گھبرا جاتے تھے آیت ۷۷۔

(۴) مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور سرگوشیاں کرتے تھے آیت ۸۱۔

(۵) ایسی افواہیں پھیلاتے جن کا مقصد مسلمانوں کو دشمن سے غافل رکھنا یا بددل کرنا ہوتا تھا آیت ۸۳۔

(۶) ایسے مسلمان بھی منافق ہی قرار دیئے گئے جو محض دنیوی مفادات کے لیے رضامندانہ دارالکفر میں رہتے تھے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کرتے تھے۔ آیت ۸۸ تا ۹۱۔

(۷) منافق کافروں کی سیاسی دوستی میں عزت کے خواہاں ہوتے تھے آیت ۱۳۹

(۸) اللہ کے احکام اور دینی امور کا استہزاء ان کا معمول تھا آیت ۱۳۹۔۱۴۰۔

(۹) خدا اور رسول ص سے دھوکا کر کے در اصل خود فریبِ نفس میں مبتلا تھے آیت ۱۴۲۔

39400

(۱۰) منافقوں کا نماز میں جی نہیں لگتا تھا۔ آیت ۱۴۳۔

(۱۱) منافق کی سزا کافر سے بھی زیادہ آیت ۱۴۵۔

نوٹ: کیا آج بھی مسلمانوں کی صفوں میں اس قسم کے لوگ موجود نہیں؟

Marfat.com

ب۔ یہودیوں کے متعلق :۔

(۱) یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرارت اور گستاخی سے باز نہیں آتے تھے اور ان کی اندرونی عداوت ان کے سب ضمیر سے کبھی عیاں ہو جاتی تھی۔ آیت ۴۵-۴۶۔

(۲) مسلمانوں کی عداوت میں بت پرست مشرکوں کے دین کی تعریف بھی کر گزرتے تھے۔ آیت ۵۱، ۵۲۔

(۳) ان کی عداوت کی وجہ یہ حسد بھی تھا کہ نبوت کسی یہودی کو کیوں نہیں ملی۔ آیت ۵۴۔

(۴) پیغمبروں سے الجھنا اور ان کی راہ میں مشکلیں پیدا کرنا یہود کی قومی خصوصیت بن گئی تھی۔ آیت ۱۵۳، ۱۵۴۔

(۵) اپنے جرائم پر نادم ہونے کی بجائے نازاں ہوتے تھے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کا رویہ اب تک یہی ہے۔ آیت ۱۵۶، ۱۵۷۔

(۶) سود کھاتے تھے اور ناجائز کمائی سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ آیت ۱۶۱۔

۸۔ دعوت اسلام اور تبلیغ :۔

اس سورت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ یہودیوں کو آیت ۴۷، ۱۷۰ میں اور عیسائیوں کو آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳ میں اس کے علاوہ عام انسانوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اس سورت کے زمانہ نزول کے آخر تک اسلام کی دعوت عرب سے باہر پہنچانے کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔

اب اللہ کا نام لے کر سورت کا مطالعہ شروع کیجئے !

Marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ

اے لوگو! بچتے (ڈرتے) رہو اپنے پروردگار کی نافرمانی سے (سے)

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

جس نے پیدا کیا تم کو

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

ایک جان سے اور پیدا کیا

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

اُسی سے اُس کا جوڑا اور پھیلا دیئے

مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

ان دونوں سے مرد بکثرت اور

نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

عورتیں۔ اور بچتے (ڈرتے) رہو اللہ کی نافرمانی سے (سے) جس

"لوگو! اپنے رب کی نافرمانی
سے بچتے رہو جس نے
تمہیں ایک جان سے
پیدا کیا، اس طرح پر کہ
پہلے تو اس نے اسی جان
سے اس کا جوڑا بنایا،
پھر ان دونوں سے
بکثرت مرد و عورت
دنیا میں پھیلا دیئے
اور اس اللہ سے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
مانگتے ہو اور رشتہ
و قرابت کے

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ	تعلقات کو بگاڑنے حقوق کو پامال کرنے سے پرہیز کرو یقین مانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے
کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (کام نکالتے / مانگتے) ہو اور رشتوں کا پاس لحاظ رکھو	
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①	
بیشک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے	

لغوی و نحوی اشارات :-

اَلنَّاسُ: منادی مرفوع ہے۔ رَبَّکُمْ مرکب اضافی ہوکر وَاتَّقُوْا کا مفعول منصوب ہے۔ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ :- مرکب توصیفی ہوکر مِنْ کا مجرور ہے۔ زَوْجَهَا مرکب اضافی ہے اور خَلَقَ کا مفعول منصوب ہے۔ رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً :- یہ سب مل کر بَثَّ کا مفعول اور حالت نصب میں ہے۔ رِجَالًا کَثِیْرًا صفت موصوف ہے۔ قاعدے کے مطابق یہ کَثِیْرَۃً یا کَثِیْرِیْنَ ہونا چاہیے تھی۔ مگر کبھی جمع کی صفت واحد مذکر بھی آتی ہے۔ وَالْاَرْحَامَ: کا عطف اللّٰہ پر ہے یعنی وَاتَّقُوْا کا مفعول ہوکر منصوب ہے اَرْحَام کا واحد رَحِمٌ ہے جس کے اصل معنی ہیں عورت کا وہ عضو جس میں بچہ پرورش پاتا ہے رَقِیْبًا کَانَ کی خبر ہوکر منصوب ہے۔

تفہیم و تفسیر :-

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ :- تمام انسانوں کو مخاطب کرکے یہ بتا دیا گیا کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی لازمی اور اس کی نافرمانی سے اجتناب ضروری ہے۔ رنگ نسل۔ قوم ملک یا مرتبے وغیرہ کی بنا پر کوئی استثناء نہیں ہے۔ پروردگار سے ڈرنے کا مطلب اس کے احکام کا احترام کرنا اور خلاف ورزی کرنے سے ڈرنا ہے

Marfat.com

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ:- انسان (اور کائنات) کی تخلیق کا کونسا نظریہ درست ہے؟ قرآن کو اس سے چنداں سروکار نہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ انسان بہرحال مخلوق ضرور ہے۔ اس کا ایک خالق ہے اور وہی اس کا رب ہے۔ اسی پیدا کرنے والے — اور صرف اسی — کی ربوبیت پہ ایمان اور بھروسہ اور اسی کے آگے ذمہ داری کا احساس (تقویٰ) انسان کی فلاح کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور معیارِ کمال بھی۔

مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ:- (۱) تمام مفسرین کے نزدیک یہاں نفس واحدہ (ایک جان) سے مراد ابوالبشر حضرت آدم ع ہیں۔ جن سے نوع انسانی شروع ہوئی اور جو ہر رنگ و ہر نسل کے انسانوں کے آخری جدِ اعلیٰ ہیں۔ وحدت نوعِ انسانی کا یہ سبق — جو قرآن کریم میں کئی اور مقامات پر بھی موجود ہے — قرآنی تعلیمات کا ایک خاص امتیازی پہلو ہے، اور اس لحاظ سے خصوصاً قابل غور ہے کہ تہذیب و شائستگی اور انسانیت کے اس دور میں بھی ایسی قومیں اور مذاہب موجود ہیں جو اس بات کے بھی قائل نہیں کہ بلحاظ اصل انسان انسان سب ایک ہیں۔

(۲) دورِ حاضر کے بعض علما جو قرآن مجید کی آیات پر علوم طبعیہ (Natural Sciences) اور عصری تحقیقات کی روشنی میں غور کرتے ہیں کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ نفس واحدۃ سے مراد سب سے پہلا (Protoza) یا (Animulcula) بھی ہو سکتا ہے جو حیوانی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے۔ یا وہ سب سے پہلا خلیہ (Cell) مراد ہے جس کا مواد خدا جانے کس طرح پہلی دفعہ مٹی (طین) کے اجزاء سے ایک جگہ جمع ہوا — یا وہ بارآور خلیہ (Oosperm) جس سے رحم مادر میں زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا:- (۱) عام طور پر اہل تفسیر زوج سے

Marfat.com

مراد حضرت حوّا لیتے ہیں جن کی پیدائش کے متعلق موجودہ توریت (کتاب پیدائش ۲۲-۲۳) میں یہ بتایا گیا ہے کہ "خدا نے پہلے آدم کو پیدا کیا پھر جب وہ سوئے ہوئے تھے تو ان کی ایک پسلی نکال کر اس سے حوّا پیدا کی اور پھر اس جوڑے سے نسل انسانی پھیلی"۔ اور یہی قصہ اسرائیلی روایات کے ذریعے مسلمانوں میں بھی مشہور ہوگیا۔ خود قرآن مجید تخلیق حوّا کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ ایک مشہور حدیث سے بظاہر توریت کے بیان کی تائید ہوتی ہے مگر اس میں بھی آدمؑ اور حوّاؑ کا نام نہیں۔ بلکہ صرف عورت کے مرد کی پسلی سے پیدا ہونے کا ذکر ہے جس کا مطلب تخلیق انسان کا آغاز داستان نہیں بلکہ فطرت نسوانی کے بعض نفسیاتی پہلوؤں کی نشان دہی ہے۔ اور اس مفہوم کی تائید بخاری و مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں عورت کو "پسلی کی مانند" (کَالضِّلَعِ) کہا گیا ہے۔

(۲) قرآن کریم کے ان الفاظ کا ایک مفہوم موجودہ علم الحیات (Biology) کی تحقیقات کی روشنی میں بھی سمجھا جاسکتا ہے حیاتیات کی رُو سے ہر جاندار کی ابتداء ایک خلیہ (Cell) سے ہوتی ہے۔ پھر اسی خلیے سے اس کا جوڑا پھوٹ کر دو خلیے بن جاتے ہیں اور پھر تیزی سے ہر خلیہ اپنے سے دوگنے چوگنے خلیے بناتا چلا جاتا ہے۔ رحم مادر میں انسان (بلکہ ہر حیوان) کی ابتداء ایک نر جرثومۂ حیات (Sperm Cell) اور ایک مادہ بیضہ (Ovum Cell) کے اتحاد جنسی سے ہوتی ہے۔ جس کے فوراً بعد اس بار آور خلیے (Oosperm) میں ایک عمل تقسیم و انقیاز (Mitosis) شروع ہوجاتا ہے یعنی یہ خلیہ ٹوٹ کر فوراً دو خلیے بن جاتا ہے پھر ہر خلیہ ٹوٹ کر دو خلیے بننا شروع ہوجاتا ہے اور اس طرح دو سے چار اور چار سے آٹھ اور آٹھ سے سولہ علیٰ ہذا القیاس یہ عمل نو ماہ جاری رہتا ہے بلکہ بعد میں بھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ بالغ مرد یا عورت کا بدن کم از کم 2,65,00,00,00,00,000 خلیات سے مرکب ہوتا ہے یعنی روئے زمین کی ساری انسانی آبادی سے تیرہ ہزار گنا۔ ذرا غور

Marfat.com

کیجئے کہ خلیوں کی اس "لبستی" میں جسے بدنِ انسانی کہتے ہیں کس طرح ایک قسم کے متعدد خلیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کچھ خلیے دل وجگر بناتے ہیں دوسرے بال ناخن وغیرہ۔ مرد عورت کے جسم کا ہر ہر خلیہ نر یا مادہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اللہ کی قدرت سے ایک خاص قسم کے خلیات غالب ہو کر ہر انسان کی صنف اور جنس متعین کر دیتے ہیں (فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً: جس طرح اللہ نے کروڑہا خلیات سے، جن میں کثرتِ اختلاف کے باوجود ایک بنیادی وحدت ہے، بدنِ انسانی بنایا جسے عالمِ اصغر کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اس نے دنیا کی یہ بستی بسائی جو خلیات کی بجائے مرد و عورت، ہر دو جنس پر مشتمل افرادِ انسانی کا "عالمِ اکبر" ہے "نفس واحدہ" اور اس کے "زوج" سے بکثرت مردوں اور عورتوں کے پھیلنے کا ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم الحیات کے نقطۂ نظر سے آغازِ حیات کا ذکر نہیں ہو رہا بلکہ پہلے انسان اور اس کے جوڑے کا ذکر ہو رہا ہے قطع نظر اس بات کے کہ یہ انسان اول منفرد عمل تخلیق تھا یا ایک مرحلۂ ارتقاء

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: جس طرح بدنِ انسانی کے اس "عالمِ اصغر" کا ہر ہر خلیہ تکوینی طور پر اللہ کے قانون کا پابند ہے۔ اور ہر عضو کے خلیے اپنے جداگانہ عمل (Function) کے باوجود دوسرے اعضاء کے خلیوں کے معاون ہوتے ہیں چشمۂ حیات (خون) سے ہر عضو کچھ اپنے لیے رکھتا ہے اور کچھ دوسرے اعضا کو پہنچا دیتا ہے۔ اس طرح ان خلیوں میں کثرتِ تعداد اور اختلاف کے باوجود کبھی باہم کوئی مخالفت یا فساد نہیں ہوتا۔ اور انسان "تندرست" رہتا ہے ——۔ اسی طرح اے انسانو! تم جو اس انسانی سوسائٹی کے "عالمِ اکبر" کے خلیات (افراد) ہو، تشریعی طور پر اللہ کے احکام کے پابند رہو یعنی تقویٰ اختیار کرو تا کہ روئے زمین پر فتنہ و فساد کی بجائے امن و سلامتی قائم ہو۔

الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ: (۱) باہم ایک دوسرے سے حقوق د

Marfat.com

مراعات کا مطالبہ اس (اللہ) کے نام پر کرتے ہو۔ پس جب اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اس کا نام استعمال کرتے ہو۔ تو ادائے فرض میں بھی اسے یاد رکھو۔

(۲) جس کے واسطہ سے تم اپنے کام نکالتے ہو۔ معاملات میں اعتماد کی بنیاد یہی بنتا ہے۔ اور دیانت داری، اللہ کے ذریعے (واسطے) سے پیدا ہونے والی ذمہ داری ہی کا نام ہے۔

(۳) جس کا واسطہ دے کر ضعیف و بے کس لوگ رحم طلب کرتے ہیں۔

(۴) جاہ واقتدار حاصل کرنے یا سیاسی شان وشوکت بڑھانے کے لیے جس کا نام بار بار عوام کے سامنے استعمال کرتے ہو (اس کے سامنے جوابدہی) کا بھی خیال رکھو۔

وَالْاَرْحَامَ:۔ اس کا عطف وَاتَّقُوا اللّٰهَ پر ہے یعنی جس طرح اللہ کے احکام کا احترام اور اس کی نافرمانی سے اجتناب ضروری ہے (۱) اسی طرح تیری رشتہ داروں کے حقوق کا احترام بھی لازمی ہے۔ جن کے ساتھ تمہارا تعلق رحم (یعنی نسب اور قرابت کا ہے (۲) خیال رہے یہاں حکم رشتہ داروں کی حق تلفی سے بچنے کا ہے۔ جس کا امکان اور ارتکاب عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ اقربا سے حسن سلوک اور قرابت کا لحاظ بھی واجب ہے اور اسے قطع کرنا حرام ہے مگر خویش نوازی اور اقرباپروری ((Nepotism)) بذاتِ خود ایک مذموم فعل اور گناہ ہے۔ کیونکہ اس میں رشتہ دار کو اس کا جائز حق نہیں بلکہ کسی دوسرے کا غصب کیا ہوا حق دیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا:۔ اللہ تمہارے ذاتی خانگی اور اجتماعی ہر قسم کے معاملات کی کڑی نگرانی کر رہا ہے۔ اسے اچھی طرح خبر ہے کہ تم اپنے بیوی بچوں اپنے رشتہ داروں، اپنی سوسائٹی کے کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق کی پوری رعایت کرتے ہو۔ یا ان پر ظلم کرتے ہو۔ نہ ظالم

Marfat.com

کی حرکتیں اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں اور نہ مظلوم کی حفاظت و نگہبانی اس پر دشوار ہے۔

چونکہ اس سورت میں آگے چل کر بڑے نازک قسم کے حقوق بیان ہوئے ہیں جن کا صحیح معنوں میں نفاذ نہ تو صرف قانون بنا دینے سے ہو سکتا ہے (چاہے وہ قانون فی نفسہٖ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو) اور نہ ہی کسی بیرونی دباؤ یا ڈنڈے کے زور سے ـــــ مثلاً ازدواجی و عائلی حقوق۔ میراث و قرابت کے حقوق۔ کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق۔ سوسائٹی اور ملت کے حقوق۔ اللہ اور اس کے رسول کا حقِ اطاعت و خلوص وغیرہ اس لیے اس تمہیدی آیت میں دو دفعہ تقویٰ (پرہیزگاری۔ محتاط طرزِ عمل۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس اور دینی و اخلاقی نظم و ضبط یا ڈسپلن کا شعور) پر زور دیا گیا ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ	اور یتیموں کے مال ان کو پہنچا دو۔ اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو۔ نیز ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر خورد برد نہ کرو۔
اور حوالے کر دو یتیموں کے ان کے مال اور	
لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ	
بدل نہ لو ناپاک (چیز)	
بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا	
بجائے پاک (چیز) کے اور نہ کھا جاؤ	
اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ	
ان کے مال اپنے مالوں میں (ملا کر)	

Marfat.com

اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ②	یقیناً یہ بڑے گناہ کی بات ہے
بیشک یہ ہے بہت بڑا گناہ ۔	

لغوی ونحوی اشارات :۔

اَلْیَتٰمٰی اور اَمْوَالَھُمْ دونوں اٰتُوْا کے مفعول منصوب ہیں۔ اَمْوَالِکُمْ ۔ مرکب اضافی ہو کر اِلٰی کا مجرور ہے۔ حُوْبًا کَبِیْرًا :۔ مرکب توصیفی اور کَانَ کی خبر منصوب ہے حُوْب گناہ۔ وبال پریشانی۔ یہ لفظ لغت حبشہ سے عربی میں آیا ہے۔

تفہیم وتفسیر :۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَھُمْ (۱) جب تک یتیم نابالغ ہیں ان کا مال انہی کے مفاد اور ضروری خرچ میں لگاتے رہو مثلاً لباس خوراک تعلیم وتربیت مزید جائداد کی خرید وغیرہ (۲) جب بڑے ہو جائیں (جیسا کہ آگے آیت ۶ میں آرہا ہے) تو ان کی تمام جائداد مال اور سامان دیانتداری سے ان کے سپرد کر دو (۳) اور یہ خود بخود کرو۔ ضروری نہیں کہ یتیم اپنے ضروری اخراجات کا یا جائداد کی واپسی کا مطالبہ بھی کرے۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ : (۱) ایسا نہ کرو کہ یتیم کا مال وسامان واپس کرتے وقت اس کی کوئی اچھی چیز نکال کر خود رکھ لو اور اس کے بدلے اسی قسم کی کوئی گھٹیا چیز اس کے حوالے کر دو (۲) یتیم کا مال ناجائز طور پہ رکھ کر اپنی حلال کمائی کو بھی حرام کے ساتھ نہ ملا دو۔ کم قیمت کی پاک وحلال چیز دے کر زیادہ قیمت کی حرام وناپاک چیز لینا ایسا ہی تو ہے جیسے حلال کے بدلے حرام یا ستھری چیز کے بدلے گندی چیز لی جائے۔

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ :۔ (۱) یتیموں کا کچھ مال

Marfat.com

اپنے مال میں جذب کرنے کی کوشش نہ کرو (۲) اپنے حصے کے ساتھ یتیموں کا حصہ خلط ملط نہ کرو (۳) یتیموں کا حساب بالکل صاف اور الگ رکھو (۴) یتیموں کے نام پر چندہ جمع کر کے خود نہ کھا جاؤ۔

یتیموں کا مسئلہ ایک نہایت ہی اہم اور نازک معاشرتی و قومی مسئلہ ہے۔ اس سورت میں تحفظ حقوق یتامٰی پر خاص ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ اس سلسلے کی پہلی آیت ہے۔ اس میں خطاب یتیموں کے سرپرستوں سے ہے۔ چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا یتیم خانوں کے مالک یا حکومت کے مقرر کردہ افسر۔ اگر صیغہ جمع کی وجہ سے خطاب تمام مسلمانوں سے سمجھا جائے تو اشارۃً یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ یتیموں کے معاملات کی دیکھ بھال باقاعدہ حکومت کی نگرانی میں ہونی چاہیئے ورنہ ممکن دشمن عناصر اس راستے سے بھی قوم پر وبال لا سکتے ہیں (حُوْب: گناہ، وبال، پریشانی)۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا	اور اگر تمہیں اپنے متعلق
اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف قائم نہ رکھ سکو گے	یتیموں کے بارے
فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا	میں بے انصافی کا ارتکاب
یتیموں کے بارے میں تو نکاح کر لو ان سے، جو	ہونے کا اندیشہ ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں
طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ	پاکیزہ ہوں ان میں سے
تم کو پسند آئیں / تمہارے لئے پاکیزہ یا حلال ہوں عورتوں میں سے	

Marfat.com

مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ج	
دو دو (سے) خواہ تین تین (سے) خواہ چار چار (سے)	
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا	
لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے	
فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ	
تو پھر ایک ہی (پر بس کرو) یا جو تمہارے قبضہ میں (آئی) ہو	
اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰى	
یہ بات (اس مقصد کے لیے) زیادہ قرین صواب ہے	
اَلَّا تَعُوْلُوْا ③	
کہ تم	بے انصافی نہ کرنے لگو / زیادہ عیال دار نہ ہو جاؤ۔

دو تک یا تین تک یا چار تک سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں (اس صورت میں بھی) یہ اندیشہ ہو کہ (تمام بیویوں کے ساتھ) عدل و انصاف (کے ساتھ یکساں برتاؤ) نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی (پر قناعت) کرو یا (ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ) جو (کفار کے ساتھ جنگ کے بعد) تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے / زیادہ عیال داری لیے یہ تدبیر زیادہ قرین مصلحت ہے۔

لغوی ونحوی اشارات:۔

مَا طَابَ لَكُمْ۔ فَانْكِحُوْا کا مفعول ہو کر حالت نصب میں ہے۔ طَابَ يَطِيْبُ (i) پسند آنا (ii) پاکیزہ ہونا اور (iii) پاکیزہ بنانا۔ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ:۔ تینوں نکرہ غیر منصرف ہیں اور مَا طَابَ لَكُمْ والے مَا کا بدل ہو کر منصوب ہیں۔ فَوَاحِدَةً ایک فعل محذوف (انکحوا) کا مفعول منصوب ہے۔ اَيْمَانُكُمْ مرکب اضافی مَلَكَتْ کا فاعل ہو کر مرفوع ہے اَيْمَان کا واحد يَمِيْنٌ (دایاں ہاتھ) ہے۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ جس کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ) ذٰلِكَ یہاں مبتدا مرفوع ہے اور اَدْنٰى (افعل التفضیل) خبر مرفوع

Marfat.com

نکرہ ہے۔

تفہیم و تفسیر:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی :۔ (۱) جو یتیم لڑکیاں تمہاری زیر نگرانی و سرپرستی ہوں اگر ان سے ان کے مال یا جمال کی خاطر شادی کر کے بعد میں انہیں بے آسرا سمجھ کر ان کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی میں کوتاہی اور بے انصافی کا اندیشہ ہو۔ . . ——— یہ مفہوم حضرت عائشہ رض کے اس قول پر مبنی ہے جو ان سے اس آیت کے شان نزول اور تفسیر کے بارے میں مروی ہے۔ کہ بعض دفعہ یتیم لڑکیوں کے سرپرست ان کے مال یا جمال کی خاطر خود ہی ان سے نکاح کر لیتے۔ پھر انہیں گھر کی لڑکیاں سمجھ کر پرائے گھر کی لڑکیوں جیسے ان کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ یا یہ دیکھ کر کہ ان کی حمایت پہ کوئی اور تو کھڑا ہونے والا نہیں ان کی جائدادیں اپنی طرف شامل کر لیتے۔ مہر کم باندھتے۔ ان سے بے انصافی برتتے اور انہیں دبا کر رکھتے تھے اور اس مفہوم کی تائید اسی سورت کی آیت نمبر ۱۲۷ سے بھی ہوتی ہے۔

(۲) اگر بہت سی شادیاں کر کے مصارف بڑھ جانے پر یتیموں اور کمزوروں کے حقوق پہ دست درازی کا خدشہ ہو۔ . . ——— یہ مفہوم حضرت ابن عباس رض سے یوں مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک ایک آدمی دس دس عورتوں سے شادی کر لیتا۔ پھر اخراجات بڑھ جاتے تو مجبور ہو کر یتیموں اور خصوصاً اپنے ہی بے بسی عزیزوں کے حقوق پامال کرتے تھے۔

(۳) اگر تم ویسے یتامیٰ کی حفاظت و تربیت کی کما حقہ نگہداشت نہیں کر سکتے اور ہر طرح انہیں سوسائٹی کی بے انصافیوں سے نہیں بچا سکتے، خصوصاً بعد از جنگ ہنگامی حالات وغیرہ کی صورت میں . . . ——— اور یہ مفہوم آیت کے الفاظ کے عموم کی بنا پر بھی مراد ہو سکتا ہے اور اسی بنیاد کی بنا پر بھی کہ سورۃ النساء

Marfat.com

جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئی۔ جب مسلم سوسائٹی کے متعدد مسائل میں یتامیٰ اور بیوگان کے مسئلے کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ: (۱) . . . تو پرائے گھر کی لڑکیوں میں سے اپنی مرضی کے رشتے حاصل کر لو تاکہ ان کے حق ادا کرنے پر تم کو (کم از کم) پرائے گھر کی پاکیزہ شرم ہی دامن گیر ہو۔

(۲) . . . تو انہی عورتوں سے نکاح (کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانا قبول) کرو جو (جسمانی، ذہنی، معاشی اور معاشرتی وغیرہ مختلف پہلوؤں یا کم از کم کسی پہلو سے تو) تمہارے لیے قابلِ قبول ہوں تاکہ بے انصافی و حق تلفی کا امکان بھی بعید ہو۔

(۳) . . . تو تم اپنی پسند کی ایسی عورتوں سے نکاح ہی کر لو جن کے ساتھ یتیم بچے ہوں۔[1]

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ: ضرورت پڑنے پر بیک وقت دو یا تین یا (حد) چار تک سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ صرف ایک — اور ہر حالت میں ایک — ہی بیوی کا پابند کر کے تمہاری طبعی ضرورتوں، قومی و معاشرتی مصلحتوں اور شدید ہنگامی تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر دیا گیا — اگرچہ یہ الفاظ اپنے تمام معنوں کے لحاظ سے تعداد کے حصر پر دلالت نہیں کرتے مگر آیت کے سیاق و انداز سے بطور نص یہی مفہوم نکلتا ہے اور اس کی مزید تائید احادیث سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ایسے نومسلموں کو، جن کے پاس قبولِ اسلام کے وقت چار سے زائد بیویاں تھیں، صرف چار بیویاں رکھنے اور باقی چھوڑ دینے کا حکم دیا (مثلاً غیلان بن سلمی ثقفی، نوفل بن معاویہ اور حارث بن قیس کو اسی

---

[1] نوٹ: ہر تینوں مطلب کا ماترتیب اوپر والے حصۂ آیت (وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى) میں بیان کردہ تینوں معنوں کے ساتھ (. . . کے بعد) ملا کر پڑھیے۔ یعنی ۱ کو ۱ کے ساتھ وعلیٰ ہذا القیاس۔

Marfat.com

وجہ سے فقہاءِ اُمت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ اس آیت کی رو سے تعدد ازواج کو محدود کر دیا گیا ہے اور بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی اور عائلی قوانین کے اس دور میں گو اس بات کا ذکر بھی عجیب معلوم ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ اس آیت قرآنی کی من مانی تاویل کرنے میں بعض اہلِ زیغ اس افراط کے مرتکب بھی ہوئے کہ بیک وقت نو بلکہ (۹) اٹھارہ (۱۸) بیویوں کا جواز ثابت کرنے لگے یعنی ۲ (۲ + ۳ + ۴) = ۱۸ کے قائل ہو سکتے۔ اب یہ زیغ مائل بہ تفریط نظر آتا ہے یعنی فَوَاحِدَۃً سے پیچھا تمام عبارت مہمل سمجھنے لگا ہے۔ اور اس افراط اور تفریط دونوں کا باعث عربی زبان سے ناواقفیت اور سنت رسول ؐ سے لغاوت یا جہالت ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۔ اور اگر تم کو زائد بیویوں کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ ان کے واجب ازدواجی حقوق ادا کرنے میں عدل و مساوات برقرار نہیں رکھ سکو گے تو بہتر ہے کہ ایک ہی بیوی پر بس کرو —— یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک بیوی کی ضرورتوں دلچسپیوں اور خواہشوں کو بقدر امکان پورا کیا جائے اور نفقہ مکان۔ لباس۔ بچوں کی تعلیم۔ علاج۔ تفریح وغیرہ کے معاملے میں کسی بیوی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو۔ البتہ محبت طبعی اور قلبی تعلق میں مساوات انسانی مقدور سے باہر ہے اور اسی لیے شریعت میں قابلِ گرفت نہیں۔ اسی مفہوم کی تائید اس سورت کی آیت ۱۲۹ سے ہوتی ہے۔

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۔ (۱) ایک بیوی یا متعدد بیویوں کے ہوتے ہوئے یا اس کے بغیر اگر کوئی کنیز یا کنیزیں باقاعدہ شرعی طریقہ پر تمہیں ملیں تو ان سے شرعی قیود و شرائط کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتے ہو —— یہ مفہوم تمام تفسیروں میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن کی دوسری آیات اور کتبِ حدیث و فقہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) اگر زیادہ بیویوں میں عدل کے ساتھ برتاؤ دشوار ہو۔ یا آزاد بیویوں (خاندانی عورتوں) بلکہ ایک بیوی کے اخراجات کے بھی متحمل نہ ہوسکو تو کسی مسلمان کی لونڈی کے ساتھ اس (کے مالک) کی اجازت سے نکاح کرلو۔ کیونکہ ان کے حقوق کم تر اور انہیں ادا کرنا سہل تر ہوگا ——— یہ مفہوم اس عبارت کو اسی سورت کی آیت ۲۵ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ اکثر مفسرین نے یہاں ذٰلِكَ (یہ بات) سے "اختیار واحدۃ" (ایک ہی بیوی پر قناعت) کی طرف اشارہ مراد لیا ہے۔ اس صورت میں عبارت کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔

(۱) جب ایک ہی بیوی سے نباہ کرنا ہوگا تو ظلم و زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے کیونکہ متعدد بیویوں کی صورت میں کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہوکر راہ عدل سے انحراف کا کم از کم اندیشہ تو ضرور ہے۔ مگر جب تعدد کی صورت ہی نہ ہوگی تو عدل بین الازواج کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

(۲) ایک ہی بیوی کی صورت میں کثرت عیال (اور تنگ دستی و پریشانی) سے نیچے رہنے کا امکان زیادہ ہے ——— عَالَ یَعُوْلُ کے ایک معنی ہیں جور کرنا۔ ایک ہی طرف جھک پڑنا، راہ حق سے منحرف ہونا۔ مندرجہ بالا پہلا مفہوم انہی معنوں پر مبنی ہے اور جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے ——— عَالَ یَعُوْلُ کے دوسرے معنی کثیر العیال ہونا بھی ہیں اور یہ معنی نہ صرف لغات میں موجود ہیں بلکہ علامہ ابن القیم رح نے اسی آیت کی تفسیر میں امام شافعی رح اور کسائی کے حوالے سے بیان کئے ہیں ——— عَالَ یَعُوْلُ کے معنی "پریشانی و فکر کا باعث بننا" بھی ہیں مگر یہ معنی کسی مفسر نے بیان نہیں کیے۔ ——— ذٰلِكَ کا اشارہ اس پورے حکم (یعنی شرط عدل کے ساتھ کثرت ازدواج کی اجازت) کی طرف بھی ہوسکتا ہے ——— اس صورت میں عبارت کا مفہوم یہ ہوا کہ جس کے لیے ایک بیوی کافی نہ ہو مثلاً دائمی مریضہ یا بانجھ یا پاگل یا حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہو تو اس مرد کو زنا

Marfat.com

کی طرف مائل ہونے سے یا کھلی شہوت رانی کی طرف جھک پڑنے سے، بچنے کے لیے متعدد بیویاں کر لینا زیادہ بہتر ہے اور بعض صورتوں میں یہ اس لیے بھی بہتر ہو گا کہ مرد اسی ایک بیوی پر اتنا نہ جھک جائے جو اس (عورت) کی صحت کے لیے مضر ہو۔ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں گی تو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو تین سال تک آرام مل سکے گا اور مرد بھی حرام شہوت رانی سے بچ سکے گا۔

اس آیت میں دو موضوع ــــ تعدد ازدواج اور ملک یمین ــــ ذرا زیادہ وضاحت طلب ہیں۔ اور اس وضاحت کی ضرورت دو وجہ سے ہے ایک تو اس لیے کہ یہ دو مسئلے ان مسائل میں سے ہیں جن کے بارے میں بدقسمتی سے مسلمانوں اور خصوصاً ان کے بادشاہوں اور امرا نے قرآن کے احکام کو ہمیشہ پس پشت ڈالا ہے اور ان کی اس غفلت یا نافرمانی نے اسلامی معاشرے پر بُرے اثرات چھوڑے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ ہمارے زمانے میں غیر مسلموں خصوصاً مسیحی مشنریوں اور یورپی مستشرقین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں۔ ان میں یہ دو موضوع بھی نمایاں ہیں۔ غیروں کی اس نامنصفانہ تنقید اور اپنوں کی ظالمانہ افراط یا ظلمانہ تفریط کا تقاضا ہے کہ ان دونوں مسئلوں کے متعلق اسلام کے صحیح موقف کو واضح کیا جائے۔ وباللہ التوفیق

تعداد ازدواج

مرد کو بیک وقت ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت

(۱) پہلی بات تو یہ یاد رہے کہ اسلام نے دنیا میں یہ مسئلہ ازسرنو یا پہلی دفعہ متعارف نہیں کرایا۔ کم و بیش دنیا کی تمام اقوام و مذاہب میں اس کا رواج اور جواز موجود رہا

Marfat.com

ہے۔ بلکہ اکثر داعیانِ حق و بانیانِ مذاہب نے خود اس پر عمل کر کے اسے نا قابل اعتراض ہونے کی سند دی ہے۔ اسلام نے تو اس میں اصلاح کی اور وہ بھی بڑے متوازن و معتدل طریقے پر کہ پہلے تو تعداد پر پابندی لگائی یعنی چار تک حد مقرر کر دی۔ پھر تعدد کی اس اجازت کو عدل کے ساتھ مشروط ٹھہرایا۔ اور یُوں ایک بیوی پر قناعت کرنے کو عام (Normal) حالات میں اقرب الی الصواب قرار دیا۔

(۲) اسلام نے یک زوجی (Monogamy) کو بہتر تو قرار دیا مگر اس کا پابند نہیں کیا۔ اسی طرح تعددِ ازدواج پر کڑی شرائط تو مقرر کر دیں مگر اس کی مذمت نہیں کی۔ یہی اس کے نظامِ عدل و حکمت کا کمال ہے۔

(۳) تعددِ ازدواج فی نفسہٖ کوئی بُرائی نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی مسیحیت زدہ اور مغرب گزیدہ مسلمان کو شرمانے اور طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو بعض حالات (مثلاً انفرادی مجبوریوں یا جنگ کے بعد مردوں کی قلت اور بے شوہر عورتوں کی کثرت وغیرہ) میں یہ چیز ایک اخلاقی اور تمدنی ضرورت بن جاتی ہے۔ نکاح سے باہر یا اس کے بغیر صنفی بدامنی پھیلانے کے نقصانات یقیناً سماج اور اخلاق کے لیے اس سے کہیں زیادہ ہیں جو تعددِ ازدواج سے پہنچ سکتے ہیں ـــــ تعددِ ازدواج کا راستہ کھولے بغیر یہ ناممکن ہے کہ دُنیا کا کوئی قانون حرام کاری کا سدِ باب کرنے میں کامیاب ہو۔ [1]

---

[1] اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور بھی قابلِ غور ہیں:۔ (۱) موجودہ علمِ مردم شماریات " (Demography) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ولادت، شیر خوارگی اور بچپن میں لڑکوں کی شرحِ اموات لڑکیوں سے زیادہ ہوتی ہے اور کوائف بتلاتے ہیں کہ بعض ملکوں اور قوموں میں جہاں لڑکوں کی شرحِ پیدائش لڑکیوں کے مقابلے میں ۵۔۶ فیصدی تک زیادہ ہوتی ہے، وہاں بھی دس بارہ سال کی عمر کو پہنچتے تک مجموعی (باقی برصفحہ ۴۱)

Marfat.com

طور پر لڑکوں کی تعداد کا تناسب لڑکیوں کی تعداد کے مقابلے پر کم ہو جاتا ہے

(۲) جوانی اور اس کے بعد کی عمر میں بھی عورتوں کی نسبت مردوں کے لئے مرنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ عموماً جانبازانہ پیشے اور "جاں طلب" قسم کے کام مرد اختیار کرتے ہیں۔

(۳) ہر مرد شادی نہیں کر سکتا کیونکہ شادی سے پہلے عموماً مرد کو بعض، خاص جسمانی سماجی اور معاشی شرائط پوری کرنا ضروری ہیں۔ خصوصاً معاشی لحاظ سے اس کا برسر روزگار ہونا اور اہل و عیال کے متوقع اخراجات کا اپنے معاشرتی رتبہ کے لحاظ سے پورا کرنے پر قادر ہونا، عموماً ہر ملک و قوم میں لازمی تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مرد عمر بھر شادی نہیں کر پاتے یا کم از کم پچیس تیس سال تک کی عمر تک کنوارے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عورت بالعموم بالغ ہونے کے ساتھ ہی شادی کے قابل سمجھی جاتی ہے اگر کسی معاشرے میں ایک ہی عمر کے سو مردوں اور سو عورتوں کے متعلق کوائف جمع کیے جائیں تو مختلف پہلوؤں سے شادی کی شرائط پر پورا اترنے والے مردوں کا تناسب عورتوں کے مقابلے پر کم ہوگا۔

(۴) بعض دفعہ بیوی میں کوئی ایسا جسمانی۔ ذہنی یا اخلاقی عیب ہوتا ہے جو شادی کے بعد ظاہر یا لاحق ہوتا ہے اور جو شادی کی اصل غرض و غایت (اولاد۔ سکون وغیرہ) ہی کے سراسر منافی ہوتا ہے۔ پھر اس قسم کی اکثر صورتوں میں محض دوسری شادی کے لیے پہلی عورت کو طلاق دینا، اس کی موجودگی میں دوسری بیوی لانے کی نسبت، زیادہ ظالمانہ فعل ہوتا ہے۔

ان تمام اسباب و عوامل پر علی وجہ البصیرت نگاہ رکھتے ہوئے دُنیا کی تمام اقوام کے لیے کوئی ایسا ازدواجی قانون مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ جس میں تعدد ازدواج کی گنجائش نہ ہو۔

Marfat.com

(۴) حیاتیاتی نقطۂ نظر سے (Biologically) مرد و عورت میں اتنا واضح تفاوت ہے کہ اسے نظر انداز کر دینا فطرت سے جنگ کرنا ہے فعلِ جنسی (اتحاد تناسلی) کے فوراً بعد مرد کی حیاتیاتی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے مگر عورت پر ایک لمبے عرصے کے لیے حمل و ولادت اور رضاعت و پرورش وغیرہ کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ اتنے عرصے کے لیے مرد کی شہوانی جبلت منقطع نہیں ہو جاتی۔ اس لیے جو شریعت مرد کی اس جبلت و ضرورت کو کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہر حال خدائی اور مطابقِ فطرت نہیں قرار دی جا سکتی۔

(۵) مرد کو متعدد بیویوں کی اجازت (Poly amy) سے عورت کو بیک وقت متعدد شوہروں کی اجازت (Polygandry) پر استدلال (بلکہ بعض نام نہاد مسلمان "لیڈرانیوں" کی طرف سے اس کا مطالبہ) سراسر جہالت اور ضلالت و سرکشی پر مبنی ہے۔ اول تو اس لیے کہ، جیسا ابھی اوپر بیان ہوا ہے حیاتیاتی لحاظ سے مرد و عورت کے جنسی وظائف (Functions) اور صنفی افعال الاعضاء بالکل جدا گانہ ہیں۔ تمدنی و معاشرتی امور میں اور حقوق و واجبات کی تقسیم میں تو مساوات ممکن بھی ہے، مگر حیاتیاتی اور فطری اعتبار سے مساوات انسان کے بس کی چیز نہیں ہے۔ دوسرے اس لیے کہ تمدنی و عمرانی نقطۂ نظر سے بھی "چند شوہری" ناقابلِ قبول ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا رواج کبھی کسی متمدن و ترقی یافتہ قوم میں نہیں رہا۔ نسب کی حفاظت اور اس کی پہچان کے عمرانی و تہذیبی فوائد و برکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور "چند شوہری نظام" میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

(۶) اسلام میں تعدد ازدواج حکم نہیں ہے بلکہ اجازت ہے۔ اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ مشروط پس اگر کوئی مسلمان عدل و انصاف کی شرائط پوری کیے بغیر تعدد ازدواج کی اجازت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ دغابازی کرتا ہے اور اسلامی حکومت میں عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اس لحاظ سے

Marfat.com

مظلوم عورتوں کی دادرسی کریں۔ اگر کسی فی نفسہٖ مفید یا ضروری چیز کے استعمال کو اس لیے ممنوع قرار دے دیا کہ بعض لوگوں نے اسے غلط بھی استعمال کیا ہے کوئی دانائی کی بات نہیں ہے۔

(۷) تعدد ازدواج ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اسے مسلمانوں کے حل طلب مسائل میں سرفہرست رکھا جائے کسی اجازت کا غلط استعمال یا کسی معاشرتی و اخلاقی قانون کی خلاف ورزی اس وقت ایک معاشرتی مسئلہ بن جاتی ہے جب اس کے مرتکب اکثر لوگ ہونے لگیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلم معاشرے میں شرعی اجازت کے باوجود، اکثر مرد (غالباً نوے فی صد) یک زوجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ عام آدمی دوسری شادی کو ایک معاشی و معاشرتی وبال سمجھتا ہے۔ اور ناگزیر ضرورت کے سوا اس سے گریز کرتا ہے۔ یہ صرف کھاتا پیتا طبقہ اور بڑے لوگ ہی ہیں جو اللہ کے اس قانون کو کھیل سمجھتے ہیں یا سمجھتے رہے ہیں۔ اس لیے صرف انہی کی سرکوبی کی ضرورت ہے۔

(۸) تعدد ازدواج کی اجازت کے غلط استعمال کا تدارک کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو شریعت کے بتلائے ہوئے حقوق و فرائض کا علم ہو۔ کیونکہ ہمیشہ صرف مرد ہی بے انصافی کے مرتکب نہیں ہوتے بعض دفعہ عورتیں بھی خود "چھوٹی بیگم" بن کر "بڑی بی" کے حقوق پر چھاپہ مارتی ہیں۔ ایک لطف اور معاشرتی عظمت محسوس کرتی ہیں۔

مِلکِ یمین

(لونڈی اور غلام)

(۱) اس سلسلے میں بھی پہلی بات تو یہ یاد رہے کہ اسلام نے دنیا میں لونڈی

Marfat.com

غلاموں کا رواج شروع نہیں کیا۔ اس کا وجود زمانہ قدیم سے کم و بیش تمام قوموں اور ملکوں میں چلا آیا ہے ——— اسلام سے پہلے کسی مذہب نے غلامی کو ختم کرنے بلکہ لونڈی غلاموں کی حالت سدھارنے پر بھی کوئی توجہ نہیں دی۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے قیدیوں کے سوا یا جو پہلے سے لوگوں کے پاس لونڈی غلام تھے ان کے سوا کسی اور طریقے پر ہاتھ آئے ہوئے افراد کو (مثلاً خود والدین کا اپنی اولاد کو بیچ دینا یا کسی قافلے یا قبیلے کو لوٹ کر اور اغوا کر کے لانا) غلامی میں رکھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ آزاد مرد وعورت کا بیچنا یا خریدنا جرم قرار دیا۔

(۳) جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے قیدیوں کو بھی عموماً صرف اس صورت میں لونڈی غلام بنایا جاتا تھا۔ جب ان کو واپس لے جانے والا ہی کوئی نہ ہوتا۔ نہ زرفدیہ دے کر نہ قیدیوں کے تبادلے میں۔ گویا کہ وہ قیدی ایک طرح سے لاوارث ہی ہوتا تھا۔

(۴) اُس زمانے میں حکومت کے لیے ان قیدیوں کو الگ جیلوں یا کیمپوں میں رکھنے کا بندوبست کرنا دشوار تھا ——— باقاعدہ فوج تک نہیں تھی۔ ——— اس لیے سہولت کے لیے قیدیوں کو فوج ہی کے افراد میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ نووارد اس فرد کے خاندان کے ایک جزء (ملازم) کی حیثیت سے رہتا ——— مالک کو اس غلام سے کام لینے کا حق حاصل تھا مگر اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھنا اس (مالک) پر واجب تھا۔

(۵) چونکہ یہ لونڈی یا غلام اس فوجی کو ایک طرح سے اس کی خدمات کے عوض کے طور پر ملتا تھا۔ اس لیے اسے یہ حق تھا کہ وہ چاہے تو کچھ رقم اپنے حق الخدمت کے طور پر لے کر اس لونڈی یا غلام کو آگے فروخت کر دے۔ مگر عہد نبوی اور خلفائے راشدین تک کہیں لونڈی غلاموں کی باقاعدہ منڈی کا ذکر تک نہیں ملتا۔

Marfat.com

(۶) اگر یہ قیدی عورت (لونڈی) ہوتی تو اس کے مالک کو اس سے ہم بستری کا حق بھی حاصل تھا۔ بلکہ اس اجازت کے بغیر ایک عورت کو مرد کے ماتحت کر دینے کا نتیجہ بھی تو وہی نکل سکتا تھا جس کی جھلک مرد افسروں کے ماتحت ملازم خواتین کی صورت میں ہم عموماً دیکھتے رہتے ہیں) اس عورت کا جنگی قیدی ہو کر آنا ہی اس کے سابقہ نکاح کے خاتمہ کا اعلان تھا اور حاکم کی طرف سے اس کا باضابطہ ایک شخص کو دیا جانا نئے نکاح کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ مگر جنسی تعلقات کی صورت میں بعض ایسی شرائط کا پورا کرنا ضروری تھا جو اغراضِ نکاح سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً استبراءِ رحم کر لینا تاکہ بچے کے نسب میں شبہ نہ رہے۔ اسی طرح ان تعلقات کا اعلان بھی ضروری تھا کیونکہ باپ کی مدخولہ لونڈی بیٹے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح باپ کی منکوحہ بیوی۔ دو سگی بہنوں کو ایک آدمی جنسی تعلقات کے لیے بطور لونڈی کے بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسی طرح اگر مالک چاہتا تو کسی دوسرے آدمی کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کر دیتا۔ اس صورت میں مالک کو حقوق خدمت تو حاصل رہتے مگر اب جنسی تعلقات حرام ہو جاتے تھے۔ اصل مالک کے سوا یا اس کی باضابطہ شرعی اجازت اور اعلان کے بغیر گھر یا باہر کے کسی دوسرے آدمی کے لیے اس کی لونڈی کے ساتھ جنسی تعلقات قطعاً حرام تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہر لونڈی کے ساتھ اس کے مالک کے جنسی تعلقات کا ہونا ضروری نہیں تھا اور اگر ہوتے تو یہ بلا شرائط و قیود محض کھلم کھلا شہوت رانی کے طور پر ہرگز نہیں ہوتے تھے۔ البتہ لونڈی کو منکوحہ بیوی کے سے حقوق و مراعات حاصل نہ تھے۔ جنگی قیدیوں کو فاتحین کے ملک میں سب سے بڑھ کر شہری حقوق و مراعات (Civil Rights) نہ آج تک کبھی دیئے گئے ہیں نہ دیئے جا سکتے ہیں۔

(۷) اس کے ساتھ اسلام نے لونڈی غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیبات مختلف طریقوں سے دیں۔ قرآن و حدیث میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مختلف

Marfat.com

کفاروں میں لونڈی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ مصارف زکوٰۃ میں اسے مستقل مد قرار دیا۔ انہیں آسان شرائط پر اپنی آزادی خریدنے (مکاتبت) کا حق دیا۔ بچے کی ماں ہو جانے کے بعد لونڈی کو آگے بیچنے سے روک دیا۔ اس سے ہونے والی اولاد کو پورے قانونی حقوق دیئے۔ اور مالک کے مرتے ہی اس (ام الولد) کے از خود آزاد ہو جانے کا حکم دیا۔ اس جنس (ملک یمین) کے سوسائٹی میں آنے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا یعنی اسیران جنگ اور یہ کوئی "درآمد" کی مستقل مد نہیں۔ اس کے برعکس ان کی آزادی کی متعدد راہیں کھول دیں ——— لونڈی غلاموں سے متعلق ان تمام احکام کا مجموعی مقصد صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ بتدریج غلامی کو ختم کر دیا جائے۔

(۸) اسلام نے جبری اور فوری طور پر تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کر دینے کا حکم اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس زمانے میں لونڈی غلام معاشرے کا ایک جزو بنے ہوئے تھے اور ان سب کی فوری آزادی حکومت کے لیے "بحالیات" کا ایک لاینحل عقدہ پیش کرتی۔ غلامی کو ختم کرنے والے دوسرے احکام و اقدامات کے علاوہ مکاتبت (غلام کو آسان شرائط پر آزادی خریدنے کا حق) سے بڑھ کر دانشمندانہ اور ترقی یافتہ صورت اس مسئلے کو حل کرنے کی اور کیا ہو سکتی ہے؟ بہرحال غلامی ایک معاشرتی مسئلہ تھا اور اسلام نے اس کو تدریج کے ساتھ ختم کرنے کی حکیمانہ طرح ضرور ڈال دی۔

(۹) بدقسمتی سے بہت جلد مسلمانوں اور خصوصاً ان کے امراء و حکمرانوں نے اسلام کے دوسرے بہت سے احکام کی طرح لونڈی اور غلاموں سے متعلق احکام کی بھی نہ صرف روح کو بھلا دیا۔ بلکہ خلاف ورزی بھی کرنے لگے ——— عرب میں رائج غلامی کو بالآخر ختم کر دینے کے لیے اسلام نے جو اصلاحات اور شرائط و قیود نافذ کیں مسلمانوں نے ان شرائط کی لفظی بجا آوری کے ساتھ اصل غلامی کو برقرار رکھنا ضروری خیال کر لیا۔ فوجی کو اپنے حق الخدمت کے طور پر

لونڈی غلام کو آگے بیچ دینے کا جو حق دیا گیا تھا۔ اس کو یوں غلط استعمال کیا
گیا کہ ہر لونڈی غلام خریدنے والا اپنے سودے کو قانوناً جائز سمجھنے لگا۔ کیونکہ
اس نے تو بہر حال رقم خرچ کی ہے، بیچنے والے کو وہ مال بیچنے کا حق تھا یا نہیں
اس سے اسے کیا غرض؟ (اور سعودی عرب وغیرہ میں اب تک حجاز کے اسی شرعی
حیلے کی بناء پر دوسرے ملکوں سے اغوا کیے ہوئے بچے بکتے ہیں) یہ بالکل
ایسے ہی تھا جیسے کوئی آدمی کہیں سے مالِ مسروقہ صرف رسید کے قانونی اطمینان
پر خرید لے۔ کیونکہ اس کا اصل مقصد ناجائز سودے سے پرہیز نہیں بلکہ صرف
قانونی شکنجے سے بچنا ہوتا ہے ——— عباسی دور میں لونڈی غلاموں کے باقاعدہ
بازار لگنے لگے۔ عیاش امراء اور بدمعاش خلفاء کی مانگ پوری کرنے کے لیے
"بیوپاری" ہر ناجائز طریقے سے بچے حاصل کرتے۔ اس کے لیے خصوصاً سرحدی
ڈاکوؤں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ تاکہ "دارالکفر" سے آتے ہوئے مال
کی بناء پر اس پر اور بھی جواز کی مہر لگ سکے۔ ان بچوں اور بچیوں کو اونچی سوسائٹی
کے آداب سکھا کر گراں قیمت پر فروخت کیا جاتا۔ آج کے پیرس، لندن
اور نیویارک کی طرح اس زمانے کے بغداد و قاہرہ و قرطبہ سیاسی و ذہنی
اعتبار سے ہی نہیں۔ عیاشی و فحاشی کے لحاظ سے بھی تمام مہذب دنیا کی قیادت
کر رہے تھے۔

(۱۰) صاف ظاہر ہے کہ یہ بعد کے دور کی پروردہ شہرت غلامی کسی لحاظ
سے بھی اسلامی احکام کے مطابق نہ تھی، بلکہ سراسر خلافِ منشائے اسلام تھی
لہذا اس پر اعتراض اسلام پر اعتراض نہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو آنحضورؐ کا
اسیرانِ جنگ کو بعض صورتوں میں بطور غلام لونڈی کے فوجیوں میں تقسیم کرنے
سے بھی اصل اصول تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسیرانِ جنگ کے بارے میں آخری
فیصلے کا حق مسلمانوں کی حکومت کو ہی ہو گا۔ اُسی زمانے کے مخصوص حالات
کے پیشِ نظر تقسیم ہی موزوں و مناسب طریق کار تھا ——— بلکہ یہی بات تو

Marfat.com

یہ ہے کہ اسیرانِ جنگ خصوصاً عورتوں کو کیمپوں میں رکھ کر بشیار فوجی افسروں اور سپاہیوں کا نشانۂ ہوس بنانے کی نسبت (جیسا کہ آج کل ہوتا ہے) کسی عورت کا ایک آدمی سے وابستہ کر دینا زیادہ باعزت طریقہ ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس عورت کی خبر لینے والا دنیا میں کوئی نہ رہا ہو۔ کیونکہ اس کی قوم اور اس کی حکومت کو زرِ فدیہ یا قیدیوں کے تبادلے میں اسے آزاد کرا لینے سے عام حالات میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

(۱۱) غلامی کوئی ایسا شعبہ یا ادارہ **(Institution)** نہیں ہے کہ اسلام نے اسے بہر قیمت معاشرے میں برقرار رکھنے کا حکم دیا ہو۔ اس کے برعکس قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت احکام کا مقصد بالآخر غلامی کو ختم کر دینا ہی معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس نصب العین کے حصول کی سعادت خود مسلمانوں کو حاصل نہ ہوئی۔ لیکن اب جب کہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا وجود دنیا کے اکثر ملکوں میں نہیں رہا۔ تو اس کا احیاء کوئی دینی فریضہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے نادانی سے سمجھ لیا ہے ـــــ بلکہ مسلمان کا فریضہ تو عورت کے جسم کی فروخت کا کلیتہً سدباب کرنا ہے جو آج بھی تہذیب کے رنگین پردوں میں زور شور سے جاری ہے۔

(۱۲) جس طرح اسلام میں غلامی" پر اعتراضات کے رد میں غلامی کے وجود کی حمایت بلکہ اس پر اصرار کرنا افراط کا پہلو ہے۔ اسی طرح ان اعتراضات سے بچنے کے لیے قرآنی آیات کو ایسے معنی پہنانا جن کا ساتھ نہ تاریخ دے سکے نہ زبان، تفریط اور ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کے صیغۂ ماضی سے یہ معنی پیدا کرنا کہ اس سے مراد صرف نزولِ آیت یا نزولِ قرآن کے وقت تک کے غلام ہیں ـــــ یہ ایسی مضحکہ خیز تاویل ہے کہ اگر اسے قرآن کے دوسرے صیغۂ ماضی میں بیان کردہ احکام واخبار (مثلاً اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) پر چسپاں کرنے لگیں تو کتنے

Marfat.com

بی دائمی اصول فلسفہ ماضی بن کر رہ جائیں۔ اسی طرح "اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (۴:۴۷) سے یہ ثابت کرنا کہ اسلام ہر حال میں جنگی قیدیوں کو چھوڑ دینے اور صرف چھوڑ دینے کا حکم دیتا ہے (فدیہ ملے تو ورنہ مفت بھی)۔ یہ بات تاریخ کے علاوہ عقل کے بھی خلاف ہے اور ایسی تفسیر عالیشان کوٹھیوں میں بیٹھ کر ہی لکھی جا سکتی ہے عملاً میدانِ جنگ میں موجود ہوں تو یوں فلسفہ نہ بگھاریں۔ سب قیدیوں کا معاملہ یکساں نہیں ہو سکتا اور بعض صورتوں میں روک لینا یا سزائے موت دینا بھی مناسب اور ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ سنّت رسول ؐ سے بھی ثابت ہے۔

اصل بات صرف یہ ہے کہ غلامی سے متعلق جملہ اسلامی احکام بلکہ اصلاحات کا مجموعی مقصد بتدریج غلامی کو ختم کرنا تھا اور غلامی کو ظلم یا شہوت رانی کا ذریعہ بنانا اسلام کے مجموعی مزاج کے یکسر منافی ہے ——— اور ان دونوں پہلوؤں سے اسلام کو تمام مذاہب پر یقیناً فوقیت حاصل ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ	اور تم بیویوں کو ان کے مہر فرض سمجھ کر ادا کرو، اور خوش دلی کے ساتھ ادا کیا کرو۔ البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے (بلا جبر) مہر کا کچھ حصہ تمہیں معاف کردیں۔
اور دے دیا کرو عورتوں کو اُن کے مہر	
نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ	
خوش دلی سے پھر اگر وہ چھوڑ دیں تمہارے لیے	
عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا	
کچھ چیز اس میں سے خود ہی	

Marfat.com

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (۴)	تو تم اسے شوق سے (مزیدار اور خوشگوار شے کی طرح) کھا سکتے ہو
تو تم اسے کھاؤ خوشگوار مزیدار (سمجھتے ہوئے)	

لغوی و نحوی اشارات:۔

اَلنِّسَآءَ اور صَدُقٰتِهِنَّ (مرکب اضافی) ہر دو اٰتُوْا کے مفعول منصوب ہیں۔ صَدُقَةٌ اور صِدَاقٌ عورتوں کے مہر کو کہتے ہیں۔ نِحْلَةً:۔ اٰتُوْا کا مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے کیونکہ اِیْتَآء اور نِحْلَةً ہم معنی ہیں۔ نِحْلَة (نَحَلَ ینحَل سے ہے) (۱) عطا کرنا، عطیہ (۲) مقرر کرنا۔ فریضہ۔ طَابَ یَطِیْبُ
هن . . . . نَفْسًا . . . . کو چھوڑ دینا۔ اس میں نَفْسًا فعل طِبْنَ کی تمیز ہو کر منصوب ہے۔ هَنِیْءٌ صحت بخش اور مفید مَرِیْءٌ خوش ذائقہ۔ مزیدار هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا مفعول مطلق ہو کر (منصوب) ہیں یعنی اصل میں تھا اَكْلًا هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا۔

تفہیم و تفسیر:۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً:۔

(۱) جن عورتوں سے تم نکاح کرو ان کے مقرر کردہ مہر ان کی طرف سے تقاضا و اصرار کے بغیر ہی خود بخود خوشی سے ادا کرو۔ یہ ان کا حق ہے۔

(۲) مہر کے معاملے میں عورت کو نقصان پہنچانے والے جاہلی رواج اور طریقے استعمال نہ کرو۔ مثلاً

(i) کسی بے آسرا لڑکی سے کم مہر پر نکاح کر لینا۔

(ii) اپنی زیر سرپرستی پلنے والی یتیم لڑکیوں کو بددلی سے نہایت حقیر مہر پر یا بغیر مہر کے ہی بیاہ دینا۔

(iii) نکاحِ شغار کے ذریعے بلا مہر دو لڑکیوں کا باہم تبادلہ کر لینا۔

Marfat.com

(۷ا) ولی کا مہر لے کر خود رکھ لینا اور لڑکی کو اس میں سے کچھ نہ دینا وغیرہ ـــــ زمانہ جاہلیت میں یہ سب رواج موجود تھے اسلام نے انھیں ختم کر دیا۔

(۳) عورتوں کے مہر اتنے ہی باندھو جو بخوشی ادا کر سکتے ہو۔ صرف نمود و ریا کے لیے ہزاروں اور لاکھوں کے فرضی مہر باندھنے اور "پوفر سوا من مچھروں کی چربی" کی قسم کی فضول شرائط سے پرہیز کرو۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا۔

(۱) مہر مقرر ہو جانے کے بعد اس میں سے کچھ چھوڑنے یا معاف کرنے کا اختیار صرف عورت کو ہے اس کے سرپرستوں کو نہیں۔

(۲) بیوی کی طرف سے ابراء (مہر یا اس کا کچھ حصہ لینے سے پہلے معاف کر دینا) یا ہبہ (مہر یا اس کا کچھ حصہ وصول کرنے کے بعد واپس دے دینا) بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیئے۔ مہر اگر کسی جبر و مکر سے معاف کرالیا تو عدالت سے چاہے کچھ فیصلہ ہو اللہ کے ہاں معاف نہیں ہوگا ـــــ ویسے حضرت عمر رضہ کا فیصلہ یہی تھا کہ ابراء یا ہبہ کے بعد بھی اگر عورت مطالبہ مہر کرے تو عدالت اسے مہر دلائے گی کیونکہ یہ مطالبہ اس ابراء یا ہبہ کے نتیجہ جبر یا مکر ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) بیوی کو یہ اختیار ہے کہ نکاح کے بعد مہر میں سے کچھ حصہ معاف کرے یا پورا مہر ہی چھوڑ دے۔ مگر شروع ہی نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوگا۔

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا: ـ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو اپنے تصرف اور استعمال میں لا سکتے ہیں یہاں "کھا لینے" کے صرف لفظی معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اس رقم کو کسی بھی طرح خرچ کر سکنے کا قانونی اختیار و جواز مراد ہے۔

Marfat.com

مہر کا رواج زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا مگر یہ عورت کے اولیاء کا حق سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اسے عورت کا حق قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم (اور بآسانی قابل ادا) مہر باندھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار شریعت میں مقرر ہے۔ اگرچہ (؟) اس مقدار میں اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ فریقین کی اپنی صوابدید کا معاملہ ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے استقامتِ معیشت کا ذریعہ (اور زندگی کا سہارا) بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کیا کرو۔ ہاں اس میں سے ان کو خوراک و لباس کے لیے (ضرور) دو۔ اور انھیں نرمی سے اور معقول طریقے سے سمجھاتے رہا کرو۔
اور تم مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے مال	
الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا	
جسے بنایا ہے اللہ نے تمہارے لیے سہارا	
وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ	
اور ان کو کھلاتے رہو اس میں سے اور ان کو پہناتے رہو	
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵	
اور کہتے رہو ان سے (نرم اور) اچھی بات	

لغوی ونحوی اشارات:-

السُّفَهَآءَ :- لَا تُؤْتُوْا کا مفعول اول ہو کر منصوب ہے۔ اس کا واحد سَفِيْهٌ ہے۔ قِيٰمًا :- جَعَلَ کا مفعول ثانی اور منصوب ہے۔ قیام کے معنی ہیں کھڑا ہونے کا سبب یا سہارا اور یہ قَامَ يَقُوْمُ کا مصدر ہے۔ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (مرکب توصیفی) قولوا کا مفعول مطلق اور اسی لیے منصوب ہے۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ:۔

(۱) فضول خرچ اور بدسلیقہ بیوی یا عقل کے کچے چھوٹے بچوں کے ہاتھ میں پیسہ دے کر ضائع مت کرو۔ تاکہ اسراف کی لعنت اور دوسری بُری عادتوں کا شکار نہ ہوں ـــــ یہ مفہوم ابن عباسؓ سے منقول تفسیر پر مبنی ہے

(۲) نابالغ، یا بالغ مگر نادان و ناپختہ کار، یتیموں کے وہ مال جو متولی و سرپرست کی حیثیت سے تمہارے پاس ہیں، ان کے حوالے نہ کرو کہ بے وقوفی سے ضائع نہ کر بیٹھیں ـــــ یہ مفہوم سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے اور اگلی آیت (۶) کے سیاق میں ہے

(۳) پیشہ ور گداگروں اور غیر مستحق عادی چندہ خوروں کو (وہ افراد ہوں یا نام نہاد خیراتی ادارے) کوئی پیسہ نہ دو۔

(۴) اپنے قومی خزانے اور مالی امور کو دانا اور دیانت دار لوگوں کے سپرد کرو۔ غیر محتاط، ملی مفاد کے شعور سے عاری اور انتظامی اعتبار سے نااہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ دو۔

(۵) ایسے اداروں کو قوم کے بیت المال سے بھاری (Grants) نہیں ملنی چاہئیں۔ جو اسے اخلاق و تمدن اور دینی و ملی مفاد کے بجائے مضر کاموں پر استعمال کرتے ہوں ـــــ یہ آخری تین مفہوم آیت کے عموم سے لیے جا سکتے ہیں۔

الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا:۔

استوار معیشت کی بنیاد اور انسان کی معاشرتی و مادی زندگی (انفرادی ہو یا اجتماعی) کا دارومدار مال پر ہے۔ مال اللہ کی بڑی نعمت اور قابل قدر چیز ہے۔ یہ قیام زندگی کا ذریعہ (Staff of life) ہے۔ مال کی

Marfat.com

حفاظت کرنا اور اسے تضیع سے بچانا شرعی واجبات میں سے ہے۔

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَاكْسُوْهُمْ ؛۔

(۱) دولت اچھی چیز ہے مگر اس کے لیے پجاری بھی نہ بن جاؤ۔ کہ بیوی بچوں کے جائز اخراجات بھی پورے نہ کرو۔ نالائق و بے عقل بیوی بچوں کے بھی لباس و خوراک کے اخراجات (حسب حیثیت) ادا کرنا تم پر واجب ہیں۔

(۲) اپنے زیر سرپرستی یتامیٰ کی بھی ضرورتیں پوری کرتے رہو اور ان کی راحت و آسائش کا خیال رکھو۔

(۳) محتاجوں اور مستحق مساکین کو بھی نقد امداد کی بجائے ان کی ضروریات کا بندوبست کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نیز جیسے کھانے اور کپڑے جیسی ضروریات کا پورا کرنا دشوار ہو اس کی امداد ضرور کرو۔

(۴) حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ ملت کا کوئی فرد (حتیٰ کہ پاگل و بے وقوف تک بھی) کم از کم لباس و خوراک سے محروم نہ رہنے پائے۔

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؛۔

(۱) اگر تمہاری فضول خرچ بیوی پیسے نہ ملنے پر بگڑے یا نادان بچے پیسہ مل جانے پر کوئی غلطی کر بیٹھیں تو ان کے ساتھ گالی گلوچ سے مت پیش آؤ۔ بلکہ انھیں نرمی سے سمجھاؤ۔

(۲) اپنے زیر سرپرستی یتیموں کے ہاتھ میں ان کی جائداد دے دینے کی بجائے ان سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے تو تمہیں سارا مال مل جائے گا۔ نیز انہیں آداب مجلس سکھاتے رہو۔

(۳) غیر مستحق گداگروں کے ساتھ بھی تلخی سے پیش آنے کی بجائے نرمی اور دانائی سے انھیں سمجھا دیا کرو۔ اور نااہل و بد دیانت حکمرانوں پر بھی تیر و نشتر چلانے کی بجائے دلسوزی و ہمدردی کے ساتھ تعمیری تنقید کے ذریعے انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہو۔

Marfat.com

یہ آیت (۵) اپنے اندر بڑے وسیع معانی رکھتی ہے۔ اور غور کیا جائے، تو انفرادی و اجتماعی اور شخصی و ملی اقتصادیات کے بارے میں نہایت اہم اور جامع ہدایت اس میں موجود ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا

اور جانچ کرتے رہو / سدھاتے رہو یتیموں کی / کو یہاں تک کہ جب

بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پھر اگر تم پاؤ

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

ان کے اندر کچھ بھی اہلیت / معاملہ فہمی تو حوالے کر دو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا

ان کے ان کے مال اور نہ

تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا

کھا (پی) ڈالو ان (کے مال) کو فضول خرچی کر کے اور جلدی کر کے (اس

اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ

خیال سے) کہ وہ بڑے (نہ) ہو جائیں۔ اور جو کوئی ہو

اور یتیموں کی تعلیم و تربیت کرتے ہوئے اور کاروبار وغیرہ میں لگا کر ان کا تجربہ بڑھاتے اور ان کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اس وقت اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو اور ایسا نہ کرنا کہ ان کے بڑے ہو جانے کے بعد ان سے حق کا مطالبہ کے اندیشے سے فضول خرچی کر کے جلدی جلدی ان کا مال کھا جاؤ اس کا کچھ

حصہ) کھا پی ڈالو (یتیم کا) جو (سرپرست) خوشحال ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ

بے احتیاج تو اسے چاہیئے کہ اپنے دامن کو بچائے / کو روکے رکھے اور جو

كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ

شخص نادار ہو تو وہ کھا (تو) لے (مگر)

بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ

مناسب طریقے سے پھر جب تم حوالے کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

ان کے ان کے مال تو گواہ بنا لو (لوگوں کو)

عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ

ان پر اور کافی ہے اللہ ہی

حَسِيْبًا ⑥

حساب لینے والا / کو، تو

اور مالِ یتیم سے بچتا رہے۔ اور جو (سرپرست) غریب ہو تو وہ مناسب (مقدار میں) اور معروف طریقے پر کھا سکتا ہے پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو (کچھ لوگوں کو) ان (کے مال کی واپسی) پر گواہ بنا لو اور (دراصل تو) حساب لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے

لغوی ونحوی اشارات :-

رُشْدًا :- اٰنَسْتُمْ کا مفعول ہو کر منصوب ہے اور نکرہ ہونے کی وجہ سے اس میں "کچھ بھی" کا مفہوم نکلتا ہے۔ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا :- لَا تَاْكُلُوْا کا حال یا تمیز ہو کر منصوب ہے۔ بَادَرَ یُبَادِرُ (جلدی کرنا) سے مبادرۃ اور بِدار دونوں مصدر استعمال ہوتے ہیں۔ حَسِيْبًا : كفٰى کی تمیز منصوب ہے۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى:۔

(۱) انتظامی معاملات میں ان کی ہوشیاری اور معاملہ فہمی کی جانچ کرتے رہو۔

(۲) دیکھتے رہو کہ ان کا عقلی نشو و نما کیسا ہے اور ان میں اپنے معاملات اور امورِ معاش کو اپنی ذمہ داری پر سنبھالنے کی صلاحیت کس حد تک پیدا ہو رہی ہے

(۳) ان کو بالکل آوارہ نہ چھوڑ دو بلکہ ان کی ذہنی و عملی قوتوں کو بروئے کار آنے کے مواقع بھی فراہم کرو۔ شاہ عبدالقادر رحؒ نے غالباً اسی لیے "اِبْتَلُوا" کا ترجمہ "سدھاتے رہو" کیا ہے یعنی امتحان بھی لو اور تعلیم بھی دو۔

حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ:۔

جب سیانے اور بالغ ہو جائیں یعنی شادی کے قابل ہو جائیں۔ بلوغ یا شادی کی عمر سے مراد عنفوانِ شباب ((Period of Adolescence) کی آخری حد ہے۔ یہ زمانہ عموماً گیارہ اور چودہ سال کے درمیان عمر سے شروع ہو کر اٹھارہ اور بیس سال کی عمر کے درمیان ختم ہوتا ہے حیاتیاتی اعتبار سے اس زمانے میں لڑکا مکمل مرد اور لڑکی مکمل عورت بنتی ہے اور ان کے جسم میں بعض طبعی تغیرات اور ظاہری علامات کا نمودار ہونا ہی سنِ بلوغ کی نشانی ہے۔ فقہاء میں جو بلوغ کی عمر کے تعین میں اختلاف ہوا ہے (حنفیہ کے نزدیک لڑکے کے لیے ۱۸ سال اور لڑکی کے لیے ۱۷ سال مقرر ہیں) اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ بعض نے اس مدت (Adolescence) کی ابتداء کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے انتہا کا۔ یا یہ فرق مختلف خطوں اور علاقوں کا ہے۔ قرآن مجید نے اسی لیے "بلوغِ نکاح" کا تعین عمر کے برسوں میں نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔

(۱) یہاں رُشْد سے مراد سلیقہ مندی اور انتظامی قابلیت ہے نہ کہ تقویٰ و ہدایت[۱] اور یہ بات رُشْدًا کی تنکیر سے سمجھی جا سکتی ہے یعنی "کچھ بھی" یا کم از کم "ایک طرح کا" (دینی نہ سہی دنیوی) رشد پایا جائے۔ تو مال ان کے حوالے کر دو۔

(۲) اگر یہ اہلیت وصلاحیت (رشد) سن بلوغ سے پہلے پائی جائے تو بھی مال دینے میں تاخیر نہ کی جائے۔ اگرچہ عام طور پر جنسی نشوونما کی تکمیل، ذہنی ارتقاء اور فہم وفراست کی پختگی سے پہلے واقع ہوتی ہے لیکن کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوا۔

اپنے زیر سرپرستی یتیموں کی صغر سنی (Age of Minority) کو ان کا مال ہضم کرنے کے لیے موقع غنیمت اور "فرصت گناہ" نہ سمجھ لو، اور اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی اور ہر ممکن طریقے (اسراف) سے نہ کھانے لگ جاؤ کہ:-

(۱) جوں جوں وہ بڑے ہوتے جائیں گے۔ اپنے مال کے بارے میں تمہاری بددیانتی کو سمجھنے لگ جائیں گے یا۔

(۲) بڑے اور سمجھدار ہو کر تو وہ اپنے مال اور حق کا مطالبہ کریں گے یا

(۳) جب "حدِ کبر" کو پہنچ جائیں گے تو اس وقت تو ان کا مال بہر حال ان کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔ —— یہاں اَکْل (کھانا) کے صرف لفظی معنوں کے علاوہ کسی طرح بھی اپنے قبضے میں کر لینا یا ناجائز فائدہ اٹھانا مراد ہے —— "حدِ اکبر" (Maturiry) سے مراد یہ ہے کہ یتیم ہیں اگر "بلوغ نکاح" تک

---

[۱] جیسا کہ مثلاً "وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ" (۲۱: ۵۱) اور "اُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ" (۴۹: ۷) میں مراد ہے۔

Marfat.com

بھی "رشد" نہ پایا جائے تو (بقول ابی حنیفہ رح) زیادہ سے زیادہ سات سال اَور دیکھ لینا چاہیئے۔ اس کے بعد "رشد" ہو یا نہ ہو، مال بہرحال اسے دے دینا چاہیئے (اگر بالکل فاتر العقل اور سفیہ ہو تو اس کے احکام جدا ہیں)۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ :-

(۱) اگر یتیم کا ولی خوشحال ہے اور بآسانی وقت اور توجہ دے سکتا ہے تو اسے یتیم کی کفالت اور اس کے امور کی نگرانی کا کوئی معاوضہ وغیرہ نہیں لینا چاہیئے۔

(۲) یتیم خانوں کے سیٹھ اور سرمایہ دار یا سابق اعلیٰ سرکاری عہدہ دار قسم کے منتظمین کو کبھی فیس، الاؤنس یا نذرانہ اعزازانہ (Honorarium) وغیرہ کے نام پر کوئی رقم یتیم (خانے) کے حساب سے نہیں لینی چاہیئے۔ بلکہ چندے کے نام پر (ناجائز) نفع سے بھی بچنا چاہیئے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ :-

(۱) اور اگر سرپرست تنگدست ہو تو وہ اتنا معاوضہ لے سکتا ہے جو اس کام کے لیے اُس معاشرے میں معقول اور مناسب تسلیم کیا جاتا ہو۔ اور یہ رقم محض "نگرانی امور یتیم" کی اُجرت نہیں کیونکہ یہ تو ولی کا فریضہ ہے ـــــ بلکہ اُس وقت اور محنت کا معاوضہ ہوگا جو وہ صرف کرے گا۔

(۲) یتیم خانہ "چلانے" کو عیش کی زندگی بسر کرنے کی تدبیر نہیں بنا لینا چاہیئے۔

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ

(۱) ان کا مال، سامان جائداد وغیرہ گواہوں کے روبرو واپس اور اپنے حق الخدمت وغیرہ کا بھی دو چار آدمیوں کے سامنے حساب کر لو تاکہ بعد میں دبانے کا احتمال نہ رہے نہ اتہام لگے اور تمام معاملہ صفائی سے نبٹ پائے۔

(۲) آیت سے یتیم خانوں کے حسابات کی باضابطہ پڑتال اور تنقیح ـــــ (Audit) کا مطلب بھی نکلتا ہے۔

Marfat.com

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔

(۱) یوں تو گواہ موجود نہ ہوں تب بھی اللہ کو حاضر ناظر جان کر حساب صاف ہو سکتا ہے۔

(۲) اور یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی قانون کے طور پر ہے۔ ورنہ ہر خیانت اور امانت کا اصل حساب تو تم سے اللہ لے گا ہی۔ یتیم نادان یا چند لوگوں کو دھوکا بھی دے لیا تو خدا کے محاسبہ سے کیسے بچو گے؛

اس آیت (۶) میں یتیموں کی نہایت عمدہ تعلیم و تربیت کا انتظام کر کے انھیں خود اپنے لیے اور سوسائٹی کے لیے مفید اور سمجھدار شہری بنانے، ان کے مال کی حفاظت کرنے بلکہ اس کے تلف ہونے کے امکانات کا بھی سد باب کرنے مختلف بہانوں سے یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرنے اور اموال یتامیٰ کے بارے میں قانون اور خدا دونوں کے سامنے اپنی پوزیشن صاف رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ	ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکے میں
مردوں کے لیے (بھی) حصہ (ہے) اس چیز میں جسے چھوڑا (ہو اپنے پیچھے	مردوں کا بھی حصہ
الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ	ہے اور ماں باپ
والدین نے اور نزدیک کے قرابت داروں نے	اور قریبی رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں
وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ	کا بھی حصہ ہے
اور عورتوں کے لیے (بھی) حصہ (ہے) اس میں جسے چھوڑا (ہو	

Marfat.com

الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا	(ترکہ) تھوڑا ہو تو اس میں سے بھی یا زیادہ ہو تو اس میں سے بھی (بہر حال) ایک مقرر حصہ ملے گا۔
والدین نے اور قریبی رشتہ داروں نے	
قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ	
تھوڑا ہو اس میں سے یا زیادہ ہو (ایک)	
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝	
حصہ مقرر کیا ہوا (ہے)	

لغوی ونحوی اشارات :۔

لِلرِّجَالِ : جار مجرور قائم مقام مبتدا اور نَصِيْبٌ خبر نکرہ مرفوع ہے۔

اَلْوَالِدَانِ (تثنیہ) اور اَلْاَقْرَبُوْنَ (اَقْرَب کی جمع سالم، دونوں تَرَكَ کے فاعل ہو کر مرفوع ہیں۔ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا :۔ یہ صفت موصوف ہیں اور مفعول مطلق کے قائم مقام ہو کر منصوب ہیں۔ نصیب بمعنی استحقاق ہو کر گویا اِسْتَحَقَّ لَهُمْ اِسْتِحْقَاقًا (ای نصیبا) مَّفْرُوْضًا تھا۔ (فَرَضَ يَفْرِضُ ، مقرر کر دینا)

تفہیم وتفسیر :۔

اس آیت میں وراثت کے متعلق پانچ بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں :۔

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ ... وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ :۔

یعنی میراث صرف مردوں ہی کا حق نہیں بلکہ عورتیں بھی اس میں حقدار ہیں

(۲) مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ :۔

میراث صرف والدین کے ترکہ سے ہی نہیں ملے گی. قرابت کے لحاظ اور

Marfat.com

درجوں میں بھی جاری ہوگی یا یوں کہیے کہ میراث صرف اولاد ہی کا حق نہیں بلکہ بعض اور قریبی رشتہ داروں کو بھی مل سکے گی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

(۳) مِمَّا تَرَكَ :-

وراثت کا قانون ہر قسم کے ترکے پر جاری ہوگا۔ زمین، مکانات۔ زیورات۔ کارخانے۔ دکانیں۔ نقدی، سامان، فرنیچر، کتابیں۔ پراویڈنٹ فنڈ، تمسکات۔ حصص وغیرہ جو کچھ بھی مُورث چھوڑ مرا ہے (الا نقشیے کا مترکہ مختلف ہے)

(۴) مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ :-

میراث بہرحال تقسیم ہونی چاہیئے خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ اور ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی تقسیم ہونی چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ تخارج[1] یا بیع کے ذریعے ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ لے لے۔

(۵) نَصِيبًا مَّفْرُوضًا :-

میراث میں حصوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق (جس کی تفصیل اگلے رکوع میں آرہی ہے) شریعت الٰہی کا مقرر کردہ قانون ہے۔ یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں اور نہ ہی ہر نام نہاد "روشن خیال" کو یہ حق ہے کہ جب چاہے اٹھے اور اس میں قطع و برید کرکے رکھ دے۔

شانِ نزول

ہندوؤں کی طرح زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب بھی عورتوں کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ لڑکوں کو بھی حدِ بلوغ سے پہلے وراثت میں حصے سے محروم رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک مُردے کے مال میں سے

---

[1] اگر میت کے وارثوں میں سے کوئی وارث میت کے ترکہ ہی میں سے ایک خاص چیز لے کر اپنا حصہ چھوڑ دے تو اسے تخارج کہتے ہیں۔

Marfat.com

حصہ پانے کا حق دار صرف وہی ہوتا تھا۔ جو مرد اور متحارب (لڑائی بھڑائی کے کام کا) ہو۔ جنگ اُحد میں حضرت اوس بن ثابت انصاری شہید ہوئے تو اسی جاہلی دستور کے مطابق ان کے چچازاد بھائی تمام مال لے گئے۔ اور متوفی کی تین لڑکیاں اور ایک بیوہ خالی ہاتھ رہ گئیں۔ اس بیوہ (ام کجہ) نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا اس معاملے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دے گا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ مگر اس آیت میں حصوں کا تعین نہیں بلکہ صرف یہ معلوم ہوا کہ جاہلیت کا دستور اللہ کو ناپسند ہے، اور بیوہ اور لڑکیوں کا حصہ بھی خاوند اور باپ کے مال میں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضور نے ترکہ واپس لے کر رکھ چھوڑا اور آیات میراث (جو اگلے رکوع میں آرہی ہیں اور جن میں حصوں کی تقسیم بیان ہوئی ہے) کے نازل ہونے پر تقسیم کیا۔ اس طرح یہ آیت گویا آیات میراث کی تمہید (**(Preamble)**) کے طور پر اتری۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا	اور جب تقسیم (ترکہ) کے موقع پر کنبہ کے
اور جب (آ) موجود ہوں تقسیم کے وقت (ذرا دور کے)	دو سرے لوگ اور
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ	یتیم و مسکین آجائیں
رشتے دار اور یتیم (بچے) اور محتاج (لوگ)	تو اس (مال) میں
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا	سے ان کو بھی کچھ
	دے دو۔ اور ان
پس (کچھ) دے دو ان کو (بھی) اس (ترکہ) سے اور کہو	کے ساتھ

Marfat.com

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧	ہمدردانہ اور شریفانہ بات کرو۔
ان سے بات اچھی (نرم اور ہمدردانہ)	

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا	ایسے لوگوں کو اس بات کا خیال کرکے ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بے بس بچے چھوڑنے تو (مرتے وقت) ان (بچوں) کے حق میں انہیں کیا کچھ اندیشے لاحق نہ ہوتے۔ پس چاہیئے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور سچی و صحیح بات کریں۔
اور ڈرنا چاہیئے ایسے لوگوں کو (یہ سوچ کر) کہ اگر وہ چھوڑ جائیں	
مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا	
اپنے پیچھے بچے ناتواں (کمزور)	
خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا	
تو وہ (کیسے کچھ) فکر مند (نہ) ہوتے ان کے بارے میں پس انہیں اللہ سے	
اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا	
سے ڈرنا / کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے اور بات کرنی چاہیئے پکی	
سَدِيْدًا ⑨	
(اور سیدھی)	

Marfat.com

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ	بے شک جو لوگ ناحق ناظلم یتیموں کا مال خورد برد کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ اور وہ عنقریب جہنم کی دہکتی آگ میں پڑے جلا کریں گے / جھونک دیئے جائیں گے
بے شک جو لوگ کھا لیتے ہیں یتیموں کے	
الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ	
مال ناحق تو بس وہ تو بھرتے / کھاتے ہیں	
فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ	
اپنے پیٹ میں آگ (ہی) اور وہ پڑے جلیں گے / جھونک دیئے جائیں گے	
سَعِيْرًا ⑩	
دہکتی ہوئی آگ میں	

لغوی ونحوی اشارات :-

اُولُوا الْقُرْبٰى - اَلْيَتَامٰى اور اَلْمَسٰكِيْنُ بتنوں فعل حَضَرَ کے فاعل مرفوع ہیں۔ اور اَلْقِسْمَةَ مفعول فیہ منصوب ہے۔ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے۔ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا :- مرکب توصیفی ہے ... کا مفعول ہو کر منصوب ہے۔ ضِعَاف کا واحد ضَعِيْفٌ ہے۔ قَوْلًا سَدِيْدًا بھی مفعول مطلق منصوب ہے۔ سَدِيْد کے لفظی معنی "سیدھا سچی ..." ہیں۔ ظُلْمًا :- یا تو مفعول لہٗ ہو کر منصوب ہے بمعنی "ظلم کرنے کے سبب" اور یا مصدر موقع حال میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بمعنی "ظلم کرتے ہوئے"۔ بُطُوْنِهِمْ :- مرکب اضافی مجرور بحرف جار (فِيْ) ہے۔ بُطُوْن کا واحد بَطْنٌ (پیٹ) ہے۔ "اپنے پیٹ میں کھانا" تاکید کے لیے ہے جیسے اُردو میں کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ سَيَصْلَوْنَ :- صَلِيَ يَصْلَى النَّارَ وَبِالنَّارِ (آگ میں) داخل ہونا یا آگ

Marfat.com

میں پڑے جلنا) سے ہے مَسعِیْرًا کے معنی ہیں آگ کا شعلہ اور یہ مفعول فیہ ہو کر منصوب ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

آیت (۸) - وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ . . . مَعْرُوْفًا:-

اس میں تقسیم ورثہ کے وقت جمع ہو جانے والے غیر وارث رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ تلخی سے پیش آنے کی بجائے عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے کچھ دے دینے (کم از کم کھانا ہی کھلا دینے) اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی (اخلاق) سے بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تقسیم ترکہ کے وقت برادری کا جمع ہونا خیانت کو بھی روک دے گا۔ —— اور اشارۃً اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ میّت کے وارث نیا مال جائداد ہاتھ لگنے کے "ہنگامے" میں اپنے مورث کو نہ بھول جائیں بلکہ اگر تمام وارث مشترکہ طور پر ترکے میں سے کچھ حصہ مستحق لوگوں میں ایصالِ ثواب کی نیت سے خیرات و صدقہ کر دیں تو مستحسن ہوگا۔ اگرچہ ایسا کرنا کوئی لازمی قانونی پابندی نہیں ہے (مفسرین و فقہاء کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ اس آیت کا حکم آیاتِ میراث کے پیشِ نظر درجۂ استحباب میں ہے واجب نہیں)۔

آیت (۹) (وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ . . . . سَدِيْدًا)

میں بڑے مؤثر طریقے پر اور رقت انگیز جذباتی انداز میں یتیموں کی حالت زار کا احساس دلا کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح تم اپنے بچوں کے لیے بہتر اور محفوظ مستقبل کے خواہاں ہو۔ اس طرح یتیموں کو تاریک مستقبل سے بچانے کے لیے تمہاری (اور پوری قوم کی) توجہ کی ضرورت ہے۔ اور یاد رکھیے اس کام کے لیے بڑی پرہیزگاری، احساس ذمہ داری، راست گوئی اور قول و فعل میں اخلاص کی ضرورت ہے۔ محض جذباتیت اور چرب زبانی اس مسئلے کا صحیح حل نہیں ہے۔

آیت (۱۰) (اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ . . . . سَعِيْرًا)

میں یہ بتایا گیا ہے کہ یتامیٰ ہر طرح ہمدردی کے مستحق ہیں اور ان کا مسئلہ قوم

Marfat.com

کی تعمیری توجہ کا محتاج ہے۔ لہٰذا جو لوگ ان کے معاملے میں سنگ دلی اور ظلم سے کام لیتے ہیں کچھ دینے کی بجائے الٹا ان کی کمزوری و بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، بلکہ انھیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ تو ایسے آدمی یقیناً بدترین قسم کے تخریب پسند اور دشمنِ انسانیت ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز کسی رحم کے مستحق نہیں۔ ان کے لیے ایک عبرتناک انجام —— دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ —— مقدر ہو چکا ہے —— دراصل وہ خود ہی اس کے لیے ایندھن جمع کر رہے ہیں —— قرآن کریم میں اور مقامات پر بھی "یتیم کے مال سے دور رہنے" کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں اسے کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ ازاں جملہ صحیحین کی وہ حدیث ہے جس میں سات تباہ کن گناہوں (سَبعُ مُوبِقَات) کا ذکر ہے۔ اور ان میں ایک "یتیم کا مال کھا جانا" بھی ہے[1]۔ "کھا جانا" میں کسی طریقے سے بھی ناجائز تصرف میں لانا اور بارادۂ نقصان تلف کرنا بھی شامل ہے۔

سُورت کے پہلے رکوع پر ایک نظر۔

سورت النساء کے پہلے رکوع (ابتدائی دس آیات) کا مرکزی مضمون "یتیموں کا مسئلہ" ہے۔ حتیٰ کہ کثرتِ ازدواج اور تقسیم میراث کے مسئلے بلحاظ شانِ نزول بھی اور بلحاظ نوعیت بھی "مسئلہ یتامیٰ" کے سیاق اور ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اس رکوع میں محض "یتیموں کے مال سے پرہیز" اور ان کو "نقصان پہنچانے سے اجتناب" کے حکم پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ یتیموں کے بارے میں بے اعتنائی اور اس مسئلہ سے بے توجہی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ نقصان نہ پہنچانے کے منفی پہلو سے گزر کر ان کی فلاح و بہبود کے لیے مثبت کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ تخریب سے اجتناب ضروری ہے مگر کافی

---

[1] مثلاً ۶: ۱۵۲، ۱۷: ۳۴ —— باقی چھ یہ ہیں: شرک کرنا۔ جادو کرنا۔ ناحق قتل کرنا۔ میدان جہاد سے بھاگنا۔ پارسا عورتوں پر بدکاری کا بہتان باندھنا اور سود کھانا۔

Marfat.com

نہیں بلکہ تعمیر میں دلچسپی لینا بھی ضروری ہے۔ یتیموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ان کے مال کی حفاظت کرنا۔ ان کے مستقبل کا خیال کرنا۔ ان کو ضروریات زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔ ان کے بارے میں محض غیر جانبدارانہ اور اجنبیانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے دردمندانہ اور غمخوارانہ انداز میں سوچنا۔ یہ سب اسی تعمیری پروگرام کے اجزاء ہیں۔ جن کا حکم ان آیتوں میں دیا گیا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ	(اب) تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں یوں ہدایت دیتا ہے کہ:۔
ہدایت کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں (کہ)	
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ	(۱) مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّے کے برابر ہو۔
مرد کا (حصّہ) برابر (ہوگا) دو عورتوں کے حصّے کے	
فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ	(۲) اور اگر صرف عورتیں (لڑکیاں) ہی (وارث) ہوں اور وہ دو سے زائد ہوں
پھر اگر وارث ہوں عورتیں (لڑکیاں) ہی دو سے	
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا	تو انہیں کل ترکے کا دو تہائی (دیا جائے)
زائد تو ان کے لیے (ہوگا) دو تہائی حصّہ اس	
تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً	اور اگر صرف ایک لڑکی (ہی) ہو تو آدھا (ترکہ) اس کا ہے۔
(مال) کا جو چھوڑ مرا (میّت) اور اگر ہو (صرف لڑکی) ایک ہی	
فَلَهَا النِّصْفُ ۗ	
تو اس کے لئے ہوگا نصف	

Marfat.com

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

اور اس (میت) کے والدین کے لیے یعنی ان دونوں میں

مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

سے ہر ایک کے لیے (ہوگا) چھٹا حصّہ اس (مال) میں سے جو وہ چھوڑ مرا

اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ

اگر ہو اس (میت) کی کوئی اولاد (بھی)۔ پھر اگر نہ ہو

يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ

اس (میت) کی کوئی اولاد اور وارث ہوں اسکے اسکے والدین ہی

فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ

تو اس کی ماں کو تیسرا حصّہ ملے گا۔ البتہ اگر ہوں اس (میت) کے

لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ

کچھ بھائی بہن (بھی) تو اس (میت) کی ماں کو چھٹا حصّہ (دیا جائے گا)

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ

(یہ سب تقسیم) اس وصیت کے (نکالنے کے) بعد ہوگی جسکی وصیت کی ہو (میت نے)

(۳) اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کو اس (میت) کے ترکے میں سے صرف چھٹا حصّہ دیا جاتا ہے بشرطیکہ میت کی اپنی کوئی اولاد (بھی) موجود ہو۔ اور اگر اس (میت) کی کوئی اولاد نہ ہو بلکہ صرف اس کے والدین ہی وارث ہوں تو (اس صورت میں) ماں کو تیسرا حصّہ دیا جاتا ہے۔

البتہ اگر اس (میت) کے کچھ بھائی بہن بھی ہوں تو پھر اس کی ماں کو صرف چھٹا حصّہ دیا جائے (اور یہ سب تقسیم)

(۴) وصیت کو پورا کرنے کے بعد، جو میت نے کی ہو۔

Marfat.com

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ

نیز (ادائے) قرض (کے بعد) - تمہارے باپ ہوں کہ

اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تم سے

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً

قریب تر ہے بلحاظ نفع پہنچانے کے (یہ سب) مقرر کیا ہوا ہے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اللہ کی طرف سے بیشک اللہ (ہی) ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪

علم والا حکمت والا

نیز وہ قرض ادا کر دینے کے بعد، جو اس پر ہو، نکالے جاتیں۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے والدین یا تمہاری اولاد میں سے کون نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر ہے یہ (حصے) اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب مصلحتوں سے واقف ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ

اور تمہارے لیے (ہوگا) آدھا حصہ اس (مال) کا جو چھوڑ مریں

اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ

تمہاری بیویاں اگر (موجود) نہ ہو ان کی (اپنی)

(۴) اور تمہیں اپنی بیویوں کے ترکے کا آدھا حصہ ملے گا بشرطیکہ ان کی اولاد (موجود) نہ ہو۔

Marfat.com

وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

کوئی اولاد۔ البتہ اگر ہو ان کی اولاد (بھی)

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ

تو پھر تمہارے لیے ایک چوتھائی حصہ ہوگا اس (مال) میں سے جو وہ چھوڑ مریں

بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

(مگر) وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں نیز

أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا

(ادائے) قرض (کے بعد) اور (ان بیویوں کے لیے ایک چوتھائی [illegible]

تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ

اس (مال) میں سے جو تم چھوڑ مرو اگر (موجود) نہ ہو تمہاری کوئی اولاد

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

البتہ اگر (موجود) ہو تمہاری کوئی اولاد بھی تو ان (بیویوں [illegible]

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ

آٹھواں حصہ ہوگا اس (مال) میں سے جو تم چھوڑ مرو مگر وصیت

وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ

(نکالنے) کے بعد جس کی تم وصیت کر جاؤ نیز (ادائے) قرض (کے بعد)

اور جو ان کی اولاد بھی ہو تو پھر تمہیں ان بیویوں کے ترکے سے صرف ایک چوتھائی ہی ملے گی۔ جب کہ ان بیویوں کی طرف سے کی گئی وصیت کو پورا کر دیا جائے اور قرض جو ان پر ہو ادا کر دیا جائے۔ (۵) اور [illegible] تمہاری بیویوں [illegible] چوتھائی [illegible] اگر تمہاری اولاد نہ ہو [illegible] صاحب اولاد [illegible] پھر وہ (بیویاں) تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ [illegible]

بعد از انکہ جو وصیت تم کر جاؤ وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم پر ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

Marfat.com

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً

اور اگر ہو کوئی ایسا مرد کہ اس کی میراث تقسیم ہو رہی ہے بطور کلالہ کے
وہ مرد کہ جس کی ... کلالہ

أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ

یا کوئی عورت (اس طرح کی) ہو اور اس (مرد یا عورت) کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ

تو ان دونوں (بھائی بہن) میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ (ملے گا)

فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ

البتہ اگر یہ (بھائی بہن) اس سے زیادہ (تعداد میں) ہوں تو وہ

فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ

سب برابر کے شریک ہوں گے ایک تہائی (ترکے) میں بعد

بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ

وصیت (نکالنے) کے جس کی وصیت کر دی جائے یا (ادائے)

دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً

قرض (کے بعد) جب کہ یہ قرض (اور وصیت) دوسروں کا نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ ہدایت

مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (۱۲)

ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا بردبار ہے

(۶) اور اگر میت ایسا مرد
یا عورت ہو جس کے نہ
تو والدین ہی زندہ ہوں نہ کوئی
زندہ ہو اور نہ ہی وہ صاحبِ
اولاد ہو بلکہ صرف دور کے
رشتہ دار ہی اس کے وارث
ہوں جیسے ہوں (یعنی کلالہ)
ہو اگر اس (میت) مرد یا
عورت کا ایک بھائی یا ایک
بہن ہو تو ان دونوں (بھائی
اور بہن) میں سے ہر ایک
کو (۱/۶) ... ترکے میں سے
چھٹا ... ملے گا۔
البتہ اگر یہ لوگ (کلالہ کے
بھائی بہن) اس (ایک) سے زیادہ
(تعداد) میں ہوں تو
وہ سب مل کر ترکے کی ایک
تہائی میں برابر کے حصہ دار
ہوں گے جب کہ وصیت کی
گئی ہو پوری کر دی جائے
اور قرض (جو میت پر ہو) ادا
کر دیا جائے نیز یہ قرض یا
وصیت دوسروں کے حق
میں ضرر رساں نہ ہو۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی (پوری) اطاعت کریگا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

اللہ کی اور اس کے رسول کی تو (اللہ) اسے داخل کرے گا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایسے باغات میں کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ

وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان (باغات) میں اور

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ

یہ بڑی زبردست کامیابی ہے اور جو کوئی

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

اس کی (مقرر کی ہوئی) حدوں سے تو وہ (اللہ) اسے داخل کریگا ایک بڑی آگ میں

خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ

میں کہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا وہ اس (آگ) میں اور اس کے لیے عذاب ہوگا

یہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے ہیں (اب) جو کوئی (تو) اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار ہو کر رہے گا اسے اللہ ہمیشہ کے (لئے) ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بڑی کامرانی ہے۔

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس (اللہ) کے ضابطوں کی حد سے گزرے گا (اللہ) اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اس (شخص) کے لیے ایسی سزا ہے گی جو

Marfat.com

مُّهِيْنٌ ⑭	(بڑی) رسوائی (ہوگا)
بڑی ذلّت دینے والا۔	

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَللّٰہُ فعل یُوْصِیْ کا فاعل (مرفوع) ہے اَوْصٰی یُوْصِیْ افعال باب۔ ۔ ۔ فلاں کو۔ ۔ ۔ کا حکم دیا۔ اَلْاُنْثَیَیْنِ مجرور بوجہ اضافت ہے اور یہ اُنْثٰی یعنی (Female) کا تثنیہ ہے۔ نِسَآءً:۔ کُنَّ (کان) کی خبر منصوب ہے۔ ثُلُثَا در اصل ثُلُثَانِ (تثنیہ مرفوع) تھا اضافت کی وجہ سے نَ گر گیا۔ وَاحِدَۃً: کانت (کان) کی خبر منصوب ہے۔ لِاَبَوَیْہِ:۔ اَبٌ (باپ) کا تثنیہ اَبَوَانِ ہے اور وَالِدَانِ کی طرح یہ ماں باپ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے حرفِ جار (لِ) کی وجہ سے اَبَوَیْنِ بنا اور بوجہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ اَبَوَاہُ یہ مرکب اضافی فعل وَرِثَ کا (جس کے ساتھ۔ ۔ ۔ ہ ضمیر منصوب ہے) فاعل ہوکر مرفوع ہے۔ وَصِیَّۃٍ:۔ یہ مِنْ بَعْدِ کے ساتھ مضاف ہوکر اور دَیْنٍ اس پر عطف ہوکر مجرور ہے۔ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ:۔ مبتدا (لہٰذا مرفوع) ہے اور لَا تَدْرُوْنَ۔ ۔ ۔ نَفْعًا (پورا جملہ) اس کی خبر ہے جس میں نَفْعًا (اَقْرَبُ کی) تمیز منصوب ہے۔ اَزْوَاجُکُمْ:۔ تَرَکَ کا فاعل اور حالت رفع میں ہے۔ وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ میں رَجُلٌ یا تو کَانَ (فعل تام) کا فاعل ہے۔ یا کَانَ (ناقصہ) کا اسم ہے۔ کَلٰلَۃً کے حالت نصب میں ہونے کی تین وجہیں ہوسکتی ہے (۱) یُوْرَثُ کی ضمیر (فاعل) کا حال ہوکر (۲) "مال موروث" کے معنوں میں یُوْرَثُ کا مفعول ثانی ہوکر یا (۳) کان (ناقصہ) کی خبر ہوکر۔ کلالۃ کے دو معنی بیان کیے گیے ہیں (۱) وہ میت جس کے بعد اس کے وارثوں میں نہ اصول (ماں باپ، دادا، دادی وغیرہ) ہوں نہ فروع (اولاد یا اولاد کی اولاد) ہوں۔ اکثر اہل لغت اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے (۲) میت کا کوئی ایسا وارث جو اس (میت) کے نہ اصول سے ہو نہ فروع سے

Marfat.com

وَلَهٗ (اَخٌ اَوْ اُخْتٌ) میں لَهٗ کی ضمیر میّت یا مورث کی طرف راجع ہے۔ جیسے میں رَجُلٌ اور (اَوِ) امْرَاَةٌ دونوں شریک ہیں اور ایسے موقع پر مونث کی بجائے مذکر (یا بالعکس) ضمیر کا استعمال جائز ہے۔ غَيْرَ مُضَآرٍّ میں غَيْرَ بمعنی لا ہے اور اس کا نصب يُوْصٰى کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی۔ لَا مُضَآرًّا۔ مُضَآرٌّ، ضِرَارٌ (نقصان پہنچانا) سے اسم فاعل ہے ــــ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ) فعل محذوف کا مصدر (منصوب ہے)۔ يُدْخِلْهُ کی ضمیر (فاعل) اللہ کی طرف راجع ہے اور جَنّٰتٍ مفعول فیہ ہو کر منصوب ہے۔ خٰلِدِيْنَ اور آگے خَالِدًا دونوں کا نصب حال ہونے سے ہے۔

تفہیم و تفسیر:۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ:۔

اس میں واضح طور پر یہ یاد دلا دیا کہ یہ احکام وراثت جو بیان ہو رہے ہیں کسی انسان کے تجویز کئے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ خالق کائنات اور حکیم مطلق کے ارشاد کیے ہوئے ہیں۔

فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ:۔ سب سے پہلے اولاد کی وراثت کا حکم ہے ــ کہ وارث کا لفظ سنتے ہی فوراً ذہن اولاد کی طرف جاتا ہے۔ سب سے زیادہ حصّہ قرآن کریم نے بھی اولاد ہی کا رکھا ہے۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ:۔ میراث کے معاملے میں قرآن نے یہ پہلا بنیادی اصول بیان کیا ہے کہ "مرد کا حصّہ عورت سے دوگنا ہوگا"۔ دنیا میں بہت سے مذہبی اور غیر مذہبی قانون ایسے (رہے) ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے وراثت میں حصّہ ہی نہیں۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلاف فطرت ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن آج کل اس کے ردعمل کے طور پر بعض دفعہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ مرد اور عورت (لڑکے لڑکی) کا حصہ برابر ہونا چاہیے (مثلاً ترکی میں یہ

Marfat.com

قانون بنا دیا گیا ہے)، یہ دوسری انتہاء یا تفریط (Opposite Extreme) ہے علم الحیات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عورت اپنی جسمانی ساخت اور اپنے عضویاتی فرائض کی بنا پر ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور سچی شریعت نے خاندانی زندگی میں معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے کے لیے مرد ہی کو چنا ہے اور عورت کو اس سے سبکدوش رکھا ہے۔ اس لیے یہ ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے کہ ترکہ میں حصّہ بھی مرد کو زیادہ ملے۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً :۔ (اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں) چونکہ لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم ۲ : ۱ سے ہوگی۔ اس لیے اگر کم از کم ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں تو لڑکی کو ⅓ ملے گا۔ اس کا یہ مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر وارث صرف ایک لڑکی ہی ہو تو اسے ⅓ ملنا چاہیئے اور صرف تین لڑکیاں ہی ہوں تو وہ ۳/۳ یعنی پورے ترکے کی مالک ہوں گی۔ مگر شریعت نے ایسا نہیں کیا بلکہ صرف لڑکیوں کے وارث ہونے کی صورت کا الگ حکم دیا اور وہ یہ ہے کہ:۔ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً (اگر صرف لڑکیاں ہوں)۔۔۔۔۔

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ :۔ اور وہ (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کو سارا ترکہ نہیں ملے گا بلکہ ان سب کو ترکے کا ⅔ ہی ملے گا باقی ⅓ دوسرے وارثوں کو جائے گا۔ اور یہ ⅔ ان سب لڑکیوں میں بحصّہ برابر تقسیم ہوگا۔ اگرچہ آیت میں ⅔ کی مستحق دو سے زائد (فَوْقَ اثْنَتَيْنِ) بیان ہوئی ہیں مگر دو کو بھی دو سے زائد کے حکم میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ

(۱) "مرد کو عورت سے دگنا" کے اصول پر ایک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی کو ⅓ ملنا ہے۔ لہٰذا دوسری بیٹی کے ساتھ اسے بطریق اولیٰ ⅓ ملنا چاہیئے پس دو لڑکیوں کو بھی ⅔ ملنا چاہیئے۔ جب بھائی کے ساتھ بہن کو ⅓ ملا تو دوسری بہن کی وجہ سے اس کا حصّہ کیسے گھٹ سکتا ہے؟ کیونکہ اگر دو کو ایک کے حکم میں رکھا جائے

Marfat.com

(جو آگے مذکور ہے) تو پھر ہر ایک کو ⅓ ہی مل سکے گا۔

(۲) فَوْقَ کا لفظ خود قرآن کے محاورہ میں محض زائد صلہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس لیے اس کے لازمی معنی "۔۔ سے زائد" کے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اِنْ شرطیہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۳) احادیث صحیحہ اور جمہور صحابہ کے "اجماع" سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؛ ۔اور اگر اولاد میں صرف ایک ہی لڑکی ہو (لڑکا کوئی نہ ہو) تو اسے کل ترکے کا آدھا حصّہ ملے گا اور دوسرے نصف میں باقی کے متعین حصّوں والے اقربا، (جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے) شریک ہوں گے ـــــ اور "مرد کو عورت سے دگنا" کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اس (ایک ہی لڑکی کے) حکم سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اگر وارث صرف ایک ہی لڑکا ہو تو وہ پورے ترکے کا مالک ہوگا۔ ($\frac{1}{2}+\frac{1}{2}=1$)

یہاں تک صرف اولاد کے احکام وراثت بیان ہوئے ہیں۔ اب آگے والدین کے حصّے کا حکم آتا ہے۔ اور اس کی تین صورتیں ہیں:۔

(i) وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ؛۔ اگر متوفی صاحب اولاد ہو تو ماں اور باپ میں ہر ایک کو (یا جو زندہ موجود ہوگا اس کو) کل ترکے کا ⅙ حصّہ ملے گا۔ گویا اگر دونوں ہوئے تو سارے ترکے کا ⅓ ($\frac{1}{6}+\frac{1}{6}$) انہیں ملے گا۔ اور والدین کو حصّہ بہر حال ملے گا۔ خواہ متوفی کی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی اور تعداد میں خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد۔

(ii) فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ؛۔ اگر میت بالکل بے اولاد ہو نہ اس کا لڑکا ہو نہ لڑکی۔ اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہی ہوں (خاوند یا بیوی بھی نہ ہو اور بھائی یا بہن بھی) تو اس صورت میں میت کی ماں کو سارے ترکے کا ⅓ حصہ ملے گا۔ اور چونکہ کوئی اور وارث تو ہے

Marfat.com

نہیں لہٰذا یہ خود بخود سمجھا گیا کہ باقی ⅔ باپ کو ہی ملے گا (اگر زوجین میں سے کوئی ہوگا تو اس کا حصّہ نکالنے کے بعد باقی کا ⅓ ماں کو ملے گا اور بقایا باپ کو)

(iii) فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ :- اگر بے اولاد میّت کے (والدین کے علاوہ) کچھ بھائی بہن بھی ہوں [إِخْوَةٌ کا واحد اَخٌ (بھائی) ہے مگر جمع میں بھائی بہن دونوں مراد ہیں] تو اگرچہ یہ بھائی بہن خود تو وارث نہیں ہوں گے۔ مگر اس صورت میں ماں کا حصہ ⅓ کی بجائے ⅙ ہو جائے گا۔ پہلے کی طرح اس صورت میں بھی باپ کا حصّہ مذکور نہیں مگر یہ خود بخود سمجھا جاتا ہے کہ بقایا ⅚ کا مالک وہی ہوگا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث مثلاً خاوند یا بیوی بھی نہ ہو ورنہ اس کا حصّہ پہلے نکالا جائے گا۔ اس صورت میں عموماً باپ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں مثلاً اگر وہ بے اولاد میّت زندہ رہتا تو بھائی بہنوں کے اخراجات میں باپ کا ہاتھ بٹاتا مگر اب یہ سارا بوجھ والد پر ہی آ جائے گا۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ :-

(۱) ترکے کی تقسیم وارثوں میں اس وقت ہوگی جب پہلے مرنے والے (مُورِث) کا قرض ادا ہو لے۔ اور اگر وہ کچھ وصیت کر گیا ہو تو وہ بھی پہلے پوری کر لی جائے بلکہ سب سے پہلے تو اس میّت کی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالنا ضروری ہے اس کے بعد پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ پھر وصیّت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد بچا ہوا ترکہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

(۲) آیت میں اگرچہ وصیت کا ذکر قرض (دَيْن) سے پہلے ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے أَلَا إِنَّ الدَّيْنَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ (قرض وصیت سے پہلے ہوگا) فرما کر ادائے قرض کو تعمیل وصیت پر مقدم کر دیا اور اسی پر علمائے اُمّت کا اجماع ہے۔

(۳) قرآن میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے آنے کی مناسبت ایک تو اس لیے ہے۔ کہ ہر مرنے والے کا مقروض ہونا ضروری نہیں، مگر وصیت ہر شخص کر سکتا ہے

Marfat.com

بلکہ وصیت کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے (جیسا کہ ابھی آگے بیان ہو گا)۔ دوسرے اس لیے کہ قرض کی نسبت وصیت کا پورا کرنا وارثوں پر زیادہ شاق گزرتا ہے۔ کیونکہ ایک چیز بے عوض جاتی نظر آتی ہے۔

قانونِ وصیّت

(۱۳) وصیت کا اسلامی قانونِ وراثت کے ساتھ نہایت اہم تعلق ہے بلکہ غور کیا جائے تو قانونِ وصیت دراصل قانونِ وراثت کے تکملہ اور تتمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آیاتِ میراث میں (جیسا کہ آگے بھی آ رہا ہے) چار دفعہ "مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ ...." کی تکرار ہوئی ہے۔ اسلامی قانونِ وراثت کے نفاذ کی راہ میں پیدا ہونے والی بعض پیچیدگیوں کا حل ہی اسلامی قانونِ وصیت میں ہے اس لیے یہاں وصیت سے متعلق کچھ مزید احکام بیان کرنے ضروری ہیں۔

(۱) ہر شخص پر اپنے مال اور جائداد کے بارے میں وصیت کر جانا ضروری ہے یہ محض سفارشی حکم نہیں بلکہ تاکید کے ساتھ بیان ہوا ہے سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۰ میں وصیت کے بارے میں كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ (تم پر فرض کیا گیا ہے) اور حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِينَ (پرہیز گاروں پر لازم ہے) جیسے فیصلہ کن الفاظ اور انداز میں حکم دیا گیا ہے۔

(۲) وصیت کا قاعدہ دراصل اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ قانونِ وراثت کی رو سے جن قریبی رشتہ داروں کو حصہ نہیں ملتا مثلاً یتیم پوتا، غیر مسلم والدین ان میں سے جو امداد کے مستحق ہوں ان کے لیے آدمی اپنے اختیارِ تمیزی (Discretion) سے کام لے کر کچھ حصہ مخصوص کر دے۔ بلکہ رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے مستحقین کے لیے یا رفاہ عام کے کاموں کے لیے بھی وصیت کی جا سکتی ہے

(۳) چونکہ وصیت کے حق داروں اور وراثت کے حق داروں کا آپس میں اختلاف ہونا عین ممکن ہے۔ قانونِ وراثت بعض لوگوں کے حقوق متعین کر چکا ہے اور قانونِ

Marfat.com

وصیت صاحب مال کو بعض لوگوں کے حقوق متعین کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری مگر بظاہر متصادم مقاصد ہیں اور ایک قانون کا سہارا لے کر دوسرے قانون کے مقاصد کو زک دی جا سکتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث اور وصیت کے احکام کی توضیح کے لیے دو اہم قاعدے بیان فرمائے ہیں:-

(۱) اوّل تو یہ کہ وصیت اور وراثت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ وصیت کے ذریعے کسی وارث کے شرعی حصّے میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی کسی وارث کو بذریعہ وصیت میراث سے محروم نہیں کیا جا سکتا اور کسی وارث کو اس کے اپنے حصّے کے علاوہ کوئی خاص چیز، دوسرے وارثوں کی اجازت کے بغیر، بذریعہ وصیت نہیں دی جا سکتی۔

(۲) دوسرے یہ کہ وصیت کل جائداد کے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصّے کی حد تک کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ میں وصیت نافذ نہیں ہوگی اور وارثوں پر اس کی پابندی ضروری نہیں۔[1]

(۳) اگر ان پابندیوں کے باوجود کوئی آدمی، قانون کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے، یا کسی قانونی حیلے کی آڑ میں اور اپنے اختیار تمیزی کو غلط استعمال کر کے کسی جائز حق دار پر وصیت کے ذریعے ظلم کرے تو شریعت نے اس کے لیے یہ گنجائش

---

[1] مسلمانوں نے وصیت سے کام لینا چھوڑ دیا تو اس سے کئی دشواریاں پیدا ہوئیں (مثلاً یتیم پوتے کا مسئلہ) ـــــ یہ تفریط تھی۔ اب جو بعض لوگوں نے وصیت میں ان برائیوں کا علاج دیکھا تو اسلام کے قانونِ وصیت کی تعریف میں اس افراط کو پہنچ گئے کہ سنت سے ثابت اس پابندی کو بھی غیر ضروری خیال کرنے لگے ـــــ یہ ورثاء کے حق میں ظلم کا دروازہ کھولنے کی کوشش ہے اور انسانی فطرت کی ان البوالعجبیوں سے کون واقف نہیں کہ ایک آدمی اپنے ان عزیزوں پر بھی ظلم کر گزرتا ہے جن کے لیے دوسرا جان تک دے دیتا ہے۔

Marfat.com

رکھی ہے کہ خاندان کے لوگ باہم رضامندی سے اس وصیت کی اصلاح کر لیں یا اسلامی عدالت سے رجوع کیا جائے تاکہ وہ وصیت کے قانونی سقم کو درست کر دے (دیکھئے سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۲)۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا

تم نہیں جان سکتے کہ تمہارے اصول (باپ دادا) میں سے یا فروع (اولاد و اولاد کی اولاد) میں سے کون دنیا یا آخرت میں تمہارے لیے زیادہ نفع کا موجب ہو سکتا ہے اور اگر اس بنیاد پر سوچ کر خود وراثت کا قانون بناتے تو یقیناً غلطیاں کر جاتے۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

اس لیے یہ مسئلہ وراثت تمہارے اپنے اوپر نہیں چھوڑا گیا بلکہ یہ ضابطے خود اس علیم و خبیر اور حاکم و حکیم مطلق نے مقرر کیے ہیں — ان ضابطوں میں کوئی ایسی کسر نہیں رہ گئی جسے پورا کرنے کے لیے آپ کی نام نہاد روشن خیالی کی "خدمات ناصرہ" کی ضرورت ہو۔ آیت کے شروع میں يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اور آخر میں فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ کا آنا ان لوگوں کے لیے قابل غور ہے جو قرآن کو حرف آخر بھی مانتے ہیں اور ساتھ ہی احکام میراث و وصیت سے بے پروا بھی ہیں۔

زوجین کی میراث

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ

یہاں سے زوجین کی وراثت کے احکام، شوہروں کو خطاب کر کے بیان ہوتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ خاوند کو اس کی (مرحوم) بیوی کے کل ترکہ سے آدھا ملے گا بشرطیکہ اس بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو، نہ اس وارث خاوند سے جس کے ہوتے فوت ہوئی ہے اور نہ ہی کسی پہلے خاوند سے۔

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ

بیوی کی کوئی اولاد بھی وارث ہو، لڑکا یا لڑکی، تو آخری شوہر (وارث) اسے یا اس

Marfat.com

پہلے کسی شوہر سے ـــ تو خاوند (وارث) کو اس بیوی (میت) کے کل ترکے سے ۱/۴ حصہ ملے گا ـــ اور خاوند کو وراثت کا حصہ (۱/۲ ہو یا ۱/۴) اپنی ہر اس بیوی سے ملے گا۔ جو اس کے نکاح میں فوت ہو۔

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ - وصیت کا حق عورت کو بھی حاصل ہے اور احکام وصیت کی پابندی اس کے لیے بھی ضروری ہے نیز چونکہ اسے شریعت نے حقوق ملکیت دیئے ہیں اس لیے وہ اپنے قرضوں کے لیے بھی ذمہ دار ہوگی ـــ "یہاں بھی تقسیم میراث" ادائے قرض اور تعمیلِ وصیت کے بعد ہی ہوگی۔ یہ تو بنیادی اصول ہے۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ - اور خاوند کے کل ترکے میں سے ۱/۴ حصہ اس کی بیوی یا بیویوں کو ملے گا۔ بشرطیکہ خاوند (میت) کی کوئی اولاد نہ ہو۔ نہ حالی تھی ہیں بیوہ ہونے والی بیوی یا بیویوں سے نہ کسی سابقہ بیوی سے۔ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں گی تو وہ اسی ۱/۴ میں بحصہ برابر شریک ہوں گی۔

فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ ؕ - اور اگر خاوند (میت) کی کوئی اولاد موجود ہو چاہے کسی بیوی سے ہو تو (موجودہ) بیوہ یا بیوگان کو اپنے خاوند (میت) کے کل ترکے کا ۱/۸ حصہ مل سکے گا اور متعدد وارث بیویوں کی صورت میں وہ سب اسی ۱/۸ حصے میں بحصہ برابر شریک ہوں گی۔ عورت کو اپنے ہر مرنے والے خاوند سے وراثت ملے گی[1]

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ - یہ بات تیسری دفعہ دہرائی جا رہی ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے میت کے قرض کی ادائیگی اور اس کی وصیت کا اجراء ضروری ہے۔

---

[1] شیعہ امامیہ کے نزدیک بیوی کو خاوند کی غیر منقولہ جائداد (زمین، مکان وغیرہ) سے کچھ حصہ نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنے آئمہ کی روایات سے مِمَّا تَرَكۡتُمۡ (تمہارے کل ترکے میں سے) کے عموم کی تخصیص کرتے ہیں۔ نیز عورت کو زمین سے حصہ دینا باعث فساد خیال کرتے ہیں۔

Marfat.com

کلالہ کا مسئلہ

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ :۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث کی تقسیم درپیش ہے، کلالہ ہو یعنی بے اولاد بھی ہو اور اس کے والدین میں سے بھی کوئی زندہ نہ ہو۔ نہ اصل موجود ہو نہ فرع۔

وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۔ مگر اس (میت مرد یا عورت) کا ایک بھائی یا بہن اخیافی (تشریح آگے آتی ہے) موجود ہوں تو اس بھائی اور بہن میں سے ہر ایک کو ترکے کا ⅙ حصّہ ملے گا۔

وَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ اور اگر یہ اخیافی بھائی بہن اس تعداد سے (یعنی دو جو اوپر مذکور ہوئے ہیں) زیادہ ہوں تو یہ کل ترکے کی ایک تہائی میں بحصّہ برابر شریک ہوں گے یعنی مذکر و مونث سب میں یکساں تقسیم ہوگا۔ کلالہ کی وراثت سے متعلق اس آیت کے سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں :۔

(۱) اگرچہ آیت میں لفظ اَخٌ اور اُخْتٌ عام ہے مگر سب مفسرین کا اس پر اتفاق ہے (اور یہ اتفاق بعض صحابہ سے منقول تفسیر بصورت قراءت پر مبنی ہے) کہ یہاں اَخٌ اور اُخْتٌ سے اخیافی بھائی بہن یعنی اَخٌ اَوْ اُخْتٌ لِاُمٍّ مراد ہیں۔

(۲) سگے بھائی بہنوں کو جو ایک ہی ماں باپ سے ہوں عربی میں عینی یا بنی اعیان کہتے ہیں۔ اور وہ سوتیلے بھائی بہن جو متحد الصلب اور مختلف البطن ہوں یعنی جن کا باپ ایک مگر مائیں مختلف ہوں۔ انہیں علاتی کہتے ہیں ـــــ اور ایسے سوتیلے بھائی بہن جو مختلف الصلب اور متحد البطن ہوں یعنی جن بہن کی طرف ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں عورت کے متعدد نکاح کرنے کے نتیجے میں ـــــ یہ اخیافی کہلاتے ہیں۔

(۳) اس بات کے ثبوت میں کہ یہاں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں صحابہ سے منقول تشریحی قراءت کے علاوہ مفسرین یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اسی سورت کے آخر پر

Marfat.com

(آیت ۱۲) میں بھی کلالہ کی وراثت کا حکم ہے وہ تقسیم اس (آیت والی) تقسیم سے بالکل مختلف ہے اور یہاں (آیت ۱۲) کے بیان کردہ حصے بالکل ماں کے لئے مقرر حصوں کے مطابق ہیں یعنی ۱/۶ یا ۱/۳ ماں بھی زیادہ سے زیادہ ۱/۳ لے سکتی ہے اور یہی حکم یہاں بھائی بہنوں کا ہے۔ اس لیے یہاں اخیافیوں کے بارے میں حکم ہے اور سورۃ کے آخر پر حقیقی و علاتی بھائی بہن کا حکم ہے۔ یہی معنی تمام مفسرین نے بیان کیے ہیں اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔

(۴) یہ بات کہ ان اخیافی بھائی بہنوں کو وراثت "مرد کو عورت سے دگنا" کے اصول پر نہیں ملے گی۔ بلکہ سب مساوی حصہ لیں گے —— یہ بات لفظ شُرَکَاءُ سے معلوم ہوتی ہے یعنی وہ سب حصہ دار ہوں گے۔ نیز اس وضاحت سے کہ اگر صرف دو اخیافی بھائی بہن ہوں تو ہر ایک کو ۱/۶ ملے گا یعنی بھائی بہن کو برابر۔ لہذا اگر زیادہ ہوں گے تو بھی برابر تقسیم کیے جائیں گے۔

(۵) صحابہ میں کلالہ کا مسئلہ مشکل مشہور تھا۔ اور اس کی وجہ غالباً ایک تو یہ تھی کہ اس آیت ۱۲ میں اَخٌ اور اُخْتٌ کا لفظ عام ہے جس سے ہر طرح کے بھائی بہن سمجھے جا سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کلالہ سے متعلق اس سورت کی دوسری آیت ۱۷۶ آیت بعد میں سفر حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے کلالہ کی سب صورتوں کی تفصیل صحابہ میں پھیلنے نہیں پائی تھی —— نیز دونوں جگہ کلالہ کے متعلق بھائی بہنوں کا ذکر ہے یعنی۔ علاتی یا اخیافی کی تصریح نہیں اور دونوں آیتوں کا حکم آپس میں مختلف ہے، پس اس وجہ سے بھی کلالہ کا حکم سمجھنے میں الجھن پیدا ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ کی تفصیل پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ لیکن اپنی وفات سے پہلے اسے ضائع کر دیا اور لوگوں میں اس کو شائع نہیں کیا۔ غالباً اس لیے کہ اس وقت تک کلالہ کی میراث کی دونوں صورتوں کی تفصیلات اور یہ بات کہ آیت ۱۲، اخیافی بھائی بہنوں کے متعلق ہے اور آیت ۱۷۶ حقیقی یا علاتی بھائی بہنوں کے متعلق ہے، عام پھیل چکی تھی اور اس بارے میں

Marfat.com

مزید کسی کتاب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ کلالہ کے متعلق ان دونوں آیتوں کی اسی تفسیر پر تمام فقہی مذاہب متفق ہیں۔

(۶) کلالہ کے دوسرے احکام کے لیے سورت کی آخری آیت کے ساتھ دیکھیے:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۔

(۱) یہاں چوتھی دفعہ اس بات کی تصریح کر دی کہ تقسیم میراث بہرحال ادائے قرض اور اجرائے وصیت کے بعد ہوگی۔ اور چار بار [illegible] وصیت [illegible] یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ وصیت کنندہ صاحب اولاد ہو یا بے اولاد مرد ہو یا عورت [illegible] قریبی رشتہ دار اس کے وارث بن رہے ہوں یا دور کے، بہرحال وصیت نافذ ہوگی۔

(۲) وصیت اور قرض کی [illegible] وصیت کے ساتھ ان کو جائز [illegible] [illegible] مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے منع کر دیا [illegible] قرضوں کا اقرار کرنا وصیت کرنے [illegible] [illegible] [illegible] کا یہ جرم [illegible] [illegible] علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض وقت [illegible] وقت وصیت [illegible] کے ذریعہ اپنے وارثوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] اگرچہ [illegible] [illegible]

[illegible] حافظ اسلم جیراجپوری [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے بعض [illegible] [illegible] قبول ہے۔ ومن شاء فلیراجع۔

Marfat.com

اس سے بھی غالباً اس مناسبت سے وارد ہوئی ہے کہ ایسے بے اولاد آدمی جن کے والدین بھی زندہ نہ ہوں، عموماً اپنی جائداد کو کسی نہ کسی طرح تلف کر جاتے۔ اور نسبتاً دور کے رشتہ داروں کو میراث سے محروم کرنے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۔ پھر یاد دلا دیا کہ وصیت و میراث کا یہ قانون خود اللہ کا مقرر کردہ ہے کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں ہے۔ اس لیے یہ بالکل بے عیب، مکمل اور ناقابل ترمیم بھی ہے اور واجب الاطاعت بھی۔ اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اس کے قوانین میں ناروا سختی اور تنگی بھی نہیں کیونکہ وہ علیم بھی ہے اور حلیم بھی۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ . . . . عَذَابٌ مُّهِينٌ آیت ۱۳-۱۴

احکام میراث کے معاً بعد اللہ کے مقرر کردہ ضابطوں کی پابندی پر اجر و انعام کا وعدہ مگر خدائی احکام کی خلاف ورزی کرنے اور شرعی حدود و قیود کو توڑنے پر اس قدر سخت وعید، اپنے اندر ایک دعوتِ فکر رکھتا ہے مسلمانوں نے خدا کے جن قوانین کو بدلنے اور اس کی جن حدوں کو توڑنے کی جسارت کی ہے، اُن میں قانون وراثت تقریباً سرفہرست ہے کہیں "رواج" کو شریعت پر ترجیح دے کر عورت کو میراث سے محروم کر دیا، اور کہیں جوش افراط میں عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کر دیا۔ یہ بڑے افسوس اور عبرت کا مقام ہے کیونکہ قرآن نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی و اخروی کامرانی کا راز اطاعتِ خدا اور رسول میں ہے اور خدا کے قانون سے بغاوت، اس کے احکام سے سرتابی اور اس کے رسول کی نافرمانی کا نتیجہ دونوں جہان میں ذلت و رسوائی ہے۔

اسلامی قانون وراثت کی امتیازی خصوصیات

قرآن کریم کے جو قوانین انسان کے معاشی و معاشرتی مسائل کا بہترین عملی حل تجویز کر کے اسلامی نظامِ حیات کو دیگر تمام نظامہائے حیات پر واضح فوقیت دیتے ہیں،

Marfat.com

ایسے قوانین میں اسلامی قانونِ وراثت تقریباً سرِ فہرست ہے۔ کیونکہ :-

(۱) اس قانون میں ہر قسم کے رشتہ داروں کے دعاویٔ قرابت و وراثت کو اپنے اپنے موقع و محل پر زیرِ نظر رکھا گیا ہے اس طرح معاشرے کے افراد کو باہمی خیر خواہی و نفع رسانی کی بنا پر ایک مضبوط رشتے میں مربوط کرنا اس قانون کی افادیت کا ایک اہم پہلو ہے۔

(۲) یہ قانون دورانِ دولت (Circulation of Wealth) کے بہترین اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ جائداد اور دولت کو کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہونے دیتا۔ اور اس طرح ایک نہایت معتدل و متوازن اقتصادی نظام قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(۳) اقتصادی و معاشرتی اہمیت کے علاوہ یہ قانون اس لحاظ سے بھی اسلام کی صداقت کی دلیل ہے کہ کسی آسمانی یا انسانی قانون میں اس سے پہلے اس کی نظیر موجود نہیں ہے۔ مستشرقین اکثر بغیر سوچے سمجھے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام یہودیت یا عیسائیت کی نقل ہے۔ ان لوگوں کے اس دعوی کی تغلیط کے لیے دوسرے دلائل سے قطع نظر قرآن کے قانونِ وراثت سے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہودیت، عیسائیت، عرب جاہلیت یا کسی دوسرے مذہب میں بھی اس کی مثال یا نمونہ نہیں پایا جاتا۔

(۴) اس قانون میں حصوں کی تقسیم اس طرح سادہ اور آسان رکھی گئی ہے کہ نا خواندہ غیر متمدن سوسائٹی میں بھی اس کا نفاذ ناممکن نہیں ہے یعنی ... اس کے ساتھ ہی اس میں متوقع حسابی پیچیدگیوں کی بنا پر ایک مخصوص فن بننے کے تمام امکانات بھی موجود ہیں (اور حقیقتاً ایسا ہوا)

اسلامی قانونِ وراثت کے اہم بنیادی اصول (خلاصہ)

علم الفرائض (اسلامی قانونِ وراثت) ایک نہایت اہم علم اور مستقل مضمون ہے جس

Marfat.com

کی تفصیلات کے لیے مستقل تصانیف موجود ہیں۔ وراثت کے بنیادی قرآنی اصول کی ضروری وضاحت پچھلے صفحات میں کر دی گئی ہے —— یہاں تعلیمی (اور امتحانی) نقطۂ نظر سے ان اصولوں کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ تمام اصول بالکل ظاہر آیات سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ بالاتفاق یہی وہ اصول ہیں جن پر ہر مذہب فکر نے اپنی فقہ فرائض (قانون وراثت) کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اگرچہ ان قوانین کو بنیادی طور پر مان لینے کے باوجود ان کے عملی اطلاق اور تعبیر و توضیح میں اختلاف کی بنا پر مسائل میں بھی اختلاف ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

یہ بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:-

۱۔ وراثت کے حقدار صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہوں گی۔

۲۔ سبب میراث دو ہوں گے۔

(الف) اولاد ہونا یعنی میت اپنے وارث کا باپ ہو یا ماں۔ — والدان

(ب) اقرب ہونا یعنی میت وارث کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہو۔ — والاقربون

والدین، اولاد، بیوی اور بھائی بہن سب اسی دوسری قسم میں آجاتے ہیں۔

۳۔ وراثت کا قانون مرحوم کے ترکہ پر جاری ہوگا۔[1]

۴۔ مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوگا، جب کہ قرابت مساوی درجے کی ہو مثلاً بیٹی بیٹا، ماں باپ، خاوند بیوی اور بھائی بہن۔

۵۔ بعض وارثوں کو ہر حالت میں ترکہ کا صرف ایک متعین حصہ ملتا ہے مثلاً ماں، بیوی یا خاوند۔ اور بعض وارثوں کو کبھی تو ترکہ کا ایک مقررہ حصہ دیا جاتا ہے اور کبھی وہ "باقی" کے مالک بن جاتے ہیں یا باقی میں دوسروں کے ساتھ شریک ہو کر مرد کو عورت سے دگنا کے اصول پر حصہ پاتے ہیں۔ مثلاً باپ، بیٹا اور بیٹی۔ پہلی قسم یعنی متعین حصہ پانے والوں کو فقہ فرائض کی اصطلاح میں "ذوی الفروض" کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم یعنی "باقی" یا باقی میں شامل ہو کر حصہ پانے والوں کو اصطلاح میں "عصبات" کہتے ہیں۔

۱؎ متبنیٰ بیٹے کو زمین سے حصہ نہیں ... [illegible]

Marfat.com

۶۔ بعض دفعہ ایک نسبتاً زیادہ قریبی وارث کی موجودگی کا دوسرے نسبتاً دور کے رشتہ دار وارث کے حصے پر اثر پڑتا ہے (مثلاً والدین کے ہوتے ہوئے بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملتا یا اولاد کی وجہ سے خاوند اور بیوی کا حصہ کم ہو جاتا ہے) اسے اصطلاح میں "حجاب" کہتے ہیں۔[۱]

۷۔ ماں، باپ، خاوند اور بیوی کو ہر حال میں حصہ دار سے حصہ ملے گا چاہے میت کی اولاد ہو یا نہ ہو۔

۸۔ ہر قسم کی وراثتی وصیت اور قرض کے پورا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم جاری ہوگا۔

۹۔ کل متعین حصے چھ ہیں ½، ¼، ⅛، ⅔، ⅓، ⅙ [illegible]

۱۰۔ ہر متعین حصے کے حق داروں کی تفصیل [illegible] ہے۔

(الف) ⅛ کی حق دار بیوی ہے جبکہ میت [illegible] اولاد ہو۔

(ب) ¼ کے حق دار دو ہیں۔

(۱) شوہر جبکہ میت صاحب اولاد ہو۔

(۲) بیوی جبکہ میت بے اولاد ہو۔

(ج) ½ کے حق دار [illegible] ہیں

(۱) بیٹی جبکہ ایک ہی ہو۔

(۲) شوہر جبکہ میت بے اولاد ہو۔

(۳) [illegible]

نوٹ:۔ [illegible]

۱؎ "محجوب الارث" [illegible] مصنف کی دوسری کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

(د) $\frac{1}{6}$ کے حق دار بھی تین ہیں :-

(۱) باپ (جب کہ میّت صاحبِ اولاد ہو۔

(۲) ماں (جب کہ میّت صاحبِ اولاد ہو یا اس کے بھائی بہن موجود ہوں۔

(۳) اخیافی بہن یا بھائی (جب کہ میّت کلالہ ہو)

(ھ) $\frac{1}{3}$ کے حق دار دو ہیں :-

(۱) ماں (جب کہ میّت بے اولاد ہو اور اس کے بھائی بہن بھی نہ ہوں)۔

(۲) اخیافی بھائی بہن (جب کہ ان کی تعداد دو سے زائد ہو اور میّت کلالہ ہو)۔

(و) $\frac{2}{3}$ کے حق دار دو ہیں :-

(۱) دو یا دو سے زائد بیٹیاں (جب کہ اولاد میں سے صرف وہی وارث ہوں)۔

(۲) دو بہنیں (جب کہ اور کوئی بھائی بہن نہ ہو اور میّت کلالہ ہو)۔

نوٹ :- اس دوسری قسم کا ذکر سورۃ کی آخری آیت میں ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ	اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی و بدکاری کی مرتکب ہوں، تو ان (کے جرم) پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لے لو۔
اور وہ (عورتیں) جو ارتکاب کریں بدکاری کا	
مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا	
تمہاری عورتوں میں سے پس تم گواہ مانگو (لاؤ)	
عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ج	
اُن پر چار (آدمی) اپنے (میں سے)	
فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ	سو اگر وہ (چار آدمی) گواہی دے دیں۔ تو (سزا کے طور پر) ان
سو اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان (عورتوں) کو	

Marfat.com

فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ

گھروں میں یہاں تک کہ اُٹھا لے اُن کو

الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ

موت یا دے اللہ اُن کے لیے تنہا/نکال

سَبِيْلًا ﴿١٥﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا

کوئی (اور) راستہ اور جو دو (اشخاص) ارتکاب کریں اس (بدکاری) کا

مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا

تم میں سے تو اذیت/سزا دو ان دونوں کو پھر اگر وہ توبہ کریں

وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا

اور (اپنی) اصلاح کریں تو پیچھا چھوڑ دو ان (دونوں) کا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے

عورتوں کو گھروں کے اندر نظر بند کر دو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ نکال دے

اور تم میں سے جو دو شخص اس فعل کے مرتکب ہوں ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے (تعرض نہ کرو) ان کا پیچھا چھوڑ دو۔

اللہ رحیم بہت [illegible] توبہ قبول فرمانے والا [illegible] کرنے والا ہے

لغوی و نحوی اشارات:- وَالّٰتِىْ :- اسم موصول مونث بصیغہ جمع، مبتدا مرفوع ہے۔ يَاْتِيْنَ :- اَتٰى يَاْتِىْ (کرنا) سے مضارع مونث ہے۔ اَلْفَاحِشَةَ :- کے معنی مطلق بے حیائی ہیں یہاں مراد زنا ہے۔ يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ میں اَلْمَوْتُ يَتَوَفّٰى کا فاعل ہو کر مرفوع ہے۔ يَاْتِيٰنِهَا میں ضمیر هَا کا مرجع اَلْفَاحِشَةَ ہے۔ آیت ٢٦ میں تثنیہ کے صیغوں کو نوٹ کریں۔

Marfat.com

Teel paper.

تفہیم وتفسیر -

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ - جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں **فاحشۃ** سے مراد زنا ہے۔ اگرچہ اس میں جنسی گمراہی وضلالت کی تمام صورتوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے یعنی اگر ارتکاب زنا کا الزام لگ سکتا ہو۔

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ - بغیر واضح ثبوت اور ناقابل تردید شہادت کے یونہی جلدبازی سے ان کے خلاف نہ تو کوئی رائے قائم کرلو اور نہ ہی کوئی سزا وغیرہ کا فیصلہ کرو۔

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ - چونکہ یہ معاملہ مرد وعورت کی عزت کا ہے۔ اس لیے اول تو یہاں گواہوں کی تعداد بجائے دو کے (جیسا کہ دوسرے معاملات میں کافی ہیں) چار ہونی چاہیئے۔ پھر یہ چاروں **مِنْكُمْ** تم میں سے ہوں یعنی مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ گواہوں کی دوسری ضروری صفات تو ان میں ہونی ہی چاہیئیں مثلاً بالغ ہونا، عاقل ہونا، چشم دید گواہ ہونا وغیرہ۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ - ابتدائے اسلام میں زنا کی سزا عمر بھر کے لیے گھر میں قید رکھنا تھی یہ فیصلہ چونکہ باقاعدہ گواہوں کے بعد ہوتا تھا اس لیے ظاہر ہے کہ یہ حکام اور اہل حل وعقد کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے محض انفرادی شبہ کی بنا پر کسی کو یوں بے بنیاد رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ اسی طرح "امسکوھن" سے پردہ مراد لینا بھی غلط ہے کیونکہ یہ "نظربندی" تو سزا کے طور پر ہے اور پردہ واجب ہے کوئی سزا نہیں۔

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا - یہ الفاظ خود اس بات کا ثبوت تھے کہ زنا کی سزا کے بارے میں کوئی اور حکم نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب سورہ **النور** کی آیات نازل ہوئیں جن میں حد زنا مذکور ہے تو

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا خُذُوْا عَنِّی ۔ یعنی "لو" وہ دوسرا حل یا راستہ، خدا نے زنا کی اس نئی سزا کی صورت میں بتا دیا ہے۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۔ یعنی جو جوڑا بھی حرام کا مرتکب ہو۔ تو پورے جوڑے کو سزا دو۔ کیونکہ دونوں برابر کے مجرم ہیں۔ مغربی قوانین میں (اور ان کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی) حرام کاری کی بہت سی صورتیں سرے سے جرم قابل تعزیر ہی نہیں۔ اور بعض دفعہ ایک فریق کو رضا کارانہ ارتکاب کے باوجود مجرم ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ اس آیت میں ایسے تمام قوانین کی تردید ہے۔

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۔ جب مجرم سزا بھی بھگت چکے اور پھر تائب بھی ہو جائے تو اسے اس پر مزید لعن و ملامت جائز نہیں۔ خصوصاً بچپن یا ابتدائے نوجوانی میں ناسمجھی سے ایسی غلطی کے مرتکب ہونے والے کو سزا دینے کے بعد بھی نشانہ ملامت بنانا دراصل اس کے لیے اصلاح کا دروازہ بند کر دینا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ اور خدا کہ ہر شخص لوگوں کے طعن و تشنیع سے مشتعل ہو کر جرم پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ معاشرہ شاید نہیں معاف نہ کرے مگر بارگاہ الٰہی سے مایوس ہونا گناہ ہے۔ اللہ اپنی طرف جھکنے والوں پر بہت جلد توجہ فرماتا ہے اور اس کی رحمت کے خزانے بہت وسیع ہیں۔

اسلام میں جو احکام و قوانین تدریجاً نافذ ہوئے ان میں سے ایک زنا کی سزا کا حکم بھی ہے۔ سورۃ النساء کی مندرجہ بالا دونوں آیتوں (۱۵، ۱۶) میں جرم زنا کے متعلق ابتدائی حکم ہے۔ پہلی آیت (۱۵) میں بدکار عورتوں کے متعلق حکم ہے کہ شرعی طریقے پر تحقیقات کر لینے کے بعد انہیں عمر بھر کے لیے گھروں میں نظر بند رکھنے کی سزا دو۔ دوسری آیت (۱۶) میں یہ حکم ہے کہ اس جرم (زنا) کے مرتکب ہونے والے دونوں افراد کو سزا دو (کیونکہ دونوں برابر کے مجرم ہیں) انہیں مارو پیٹو اور ان کی

Marfat.com

تذلیل کرو تاکہ باز آجائیں ـــــــ ان آیتوں کے کچھ عرصہ بعد سورۃ النور (پ۱۸) کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں زانی مرد و عورت (ہر دو) کے لیے سو سو تازیانوں کی سزا مقرر ہو گئی ـــــــ اگرچہ اس سے زانیہ کی سزائے عمر قید منسوخ ہو گئی۔ مگر اپنے عموم کے لحاظ سے سورۃ النساء کی ان دو آیتوں کا حکم اپنی جگہ موجود ہے کہ سوسائٹی میں جو مرد و عورت جنسی بے راہ روی اور گمراہی کی طرف مائل ہوں، اول تو ان کے بارے میں قطعی ثبوت مہیا کرنا چاہیئے۔ پھر ان کی انفرادی آزادی پر پابندی عائد کر کے اور سزا و تکلیف دے کر باندھ رکھو۔ اور اگر وہ درست ہو جائیں اور سدھر جائیں تو اب بلا وجہ زجر و توبیخ بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ ورنہ نتائج اُلٹے بھی نکل سکتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ

صرف ایسی توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ (بطور وعدہ لازم) ہے

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

جو ان لوگوں کی ہے جو کر بیٹھتے ہیں برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ

نادانی سے - اور پھر توبہ کر لیتے ہیں جلدی

قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ

سے سو یہ (لوگ) ہیں کہ توبہ قبول کرتا ہے

بات یہ ہے کہ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا (وعدہ اور) ذمہ اللہ (نے اپنے پر لیا) ہے جو نادانی کے سبب کبھی (بری حرکت) تو کر بیٹھتے ہیں (مگر) پھر جلدی ہی توبہ کر بیٹھتے ہیں۔

ایسے لوگوں پر اللہ توجہ فرماتا اور توبہ

Marfat.com

عَلَيْهِمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

ان کی اور اللہ بڑا علم والا

حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

بڑا حکمت والا ہے اور نہیں ہے (وعدۂ قبول) توبہ

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ج

ان لوگوں کے لیے جو (برابر) کرتے رہیں بُرے کام

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ

یہاں تک کہ جب سامنے آموجود ہو ان میں سے کسی کے

الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

موت (اور تب) وہ کہنے لگے کہ میں توبہ کرتا ہوں اب

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ

اور نہ ہی ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حالت میں کہ

كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ

کافر ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ تیار کر رکھا ہم نے ان کے لیے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

عذاب دردناک

قبول کرتا) ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔

توبہ (قبول کرنے کا وعدہ) ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بُرے کام کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سامنے آکھڑی ہو تب وہ کہنے لگے کہ اب میری توبہ!

اور اسی طرح توبہ ان لوگوں کے لیے بھی نہیں جو مرتے دم تک کافر رہیں ان لوگوں کے لیے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَلتَّوْبَةُ :۔ مبتدا مرفوع ہے۔ تَابَ يَتُوْبُ تَوْبَةً اِلَى اللّٰهِ۔ گناہ سے باز آیا اور خدا کے سامنے ندامت کا اظہار کیا۔ اور تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اللہ نے اس کی توبہ قبول کی اور اس پر توجہ فرمائی۔ حَضَرَ کا فاعل (مرفوع) اَلْمَوْتُ ہے اور اَحَدَهُمْ (مرکب اضافی) مفعول منصوب ہے۔ عَذَابًا اَلِيْمًا (مرکب توصیفی) فعل اَعْتَدْنَا کا مفعول ہو کر منصوب ہے:۔

تفہیم وتفسیر:۔

گناہ اور توبہ کا مسئلہ فلسفہ مذاہب کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اور اس میں بڑی افراط وتفریط ہوتی ہے۔ بعض مذاہب گناہ کے موروثی ہونے کے قائل ہوتے۔ اور بعض نے خدا کو قانونِ مکافاتِ عمل کے سامنے (نعوذ باللہ) ایسا بے بس سمجھا کہ گویا وہ گناہ بخش ہی نہیں سکتا۔ اور بعض نے کفاروں اور نیازوں کو توبہ کا بدل قرار دیا۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اور خصوصاً ان دو آیتوں میں گناہ اور توبہ سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا بڑی وضاحت سے ازالہ کر دیا ہے۔ اس میں حسب ذیل امور قابلِ غور ہیں:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ :۔ توبہ قبول کرنا اللہ نے اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً اس پر کوئی شے بھی واجب نہیں مگر بندوں کو مایوسی سے بچانے کے لیے وہ اس تاکید کے ساتھ قبولِ توبہ کا یقین دلاتا ہے — بشرطیکہ:۔

(۱) لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ بِجَهَالَةٍ :۔ گناہ کا ارتکاب سرکشی کے ساتھ نہیں بلکہ نادانی کے باعث ہوا ہو۔ یعنی اس وقت نتائج کا خیال ہی ذہن سے نکل گیا اور عقل شدتِ جذبات سے مغلوب یا خواہشِ نفس کے سامنے اندھی ہو گئی۔

(۲) ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ :۔ نیز توبہ کرنے میں دیر نہ کرے۔ جونہی احساس ہو فوراً غلطی پر نادم ہو کر آئندہ کے لیے ترکِ معصیت کے عزم کے ساتھ

Marfat.com

اپنے مالک کے دربار میں جھکے۔ قبولِ توبہ کی اُمید پر گناہ کرتے چلے جانا خود قبولِ توبہ کی دونوں شرائط (یعنی گناہ میں نادانی اور رجوع میں جلدی) کی خلاف ورزی ہے۔

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ :- اس کے برعکس مندرجہ ذیل دو صورتوں میں اللہ کی طرف سے قبولِ توبہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ان صورتوں میں توبہ اللہ کے نزدیک بے معنی، فضول اور ناقابلِ قبول ہے۔ اسی لیے آیت کے آخر میں عذاب کی وعید ہے۔

(i) لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ :- خدا سے بے خوف و بے پروا ہو کر تمام عمر گناہ پہ گناہ کیے چلے جانا اور موت کا فرشتہ سامنے کھڑا دیکھ کر معافی مانگنا بے فائدہ ہے۔ مرتے وقت عذاب کے فرشتوں کو سامنے دیکھ کر توبہ کرنا اختیاری نہیں بلکہ اضطراری فعل ہے اور اس لیے ناقابلِ اعتبار ۔۔۔۔ اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے اس لیے گناہ پہ اصرار اور تکرار میں بہرحال عدمِ قبولِ توبہ کا خطرہ تو ظاہر ہے۔

(ii) وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ :- اسی طرح مرتے وقت کافر کی توبہ یعنی ایمان لانا بھی نامقبول ہوگا۔ توبہ کفر سے ہو یا گناہوں سے، بہرحال مرنے سے پہلے ہونی چاہیے۔ اور چونکہ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس لیے جلد از جلد ہونی چاہیے۔ کیونکہ توبہ کا مطلب محض زبان سے لفظ توبہ بول دینا نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ماضی پہ ندامت کے ساتھ مستقبل میں ترکِ معصیت کا عزم پایا جانا ضروری ہے۔ اور مرتے وقت کی توبہ یا ایمان میں گو ندامت کا پہلو ہو مگر مستقبل کے لیے کسی عزم کا موقع ہی نہیں رہ جاتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ	ایمان والو! تمہارے لیے یہ (قطعاً) حلال
اے ایمان والو! (یہ) جائز نہیں	

Marfat.com

لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ط

تمہارے لیے کہ تم میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی (سے) مجبور کی ہوئی

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا

اور مت ... کاوٹ ڈالو ان کے (راستے میں) (اس غرض سے) تاکہ تم لے جاؤ

بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا

کچھ حصہ اس مال کا جو تم نے دیا ہے ان کو۔ مگر

أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ج

یہ کہ وہ مرتکب ہوں صریح بے حیائی کی۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ج

اور رہو سہو ان کے ساتھ پسندیدہ طریقے سے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ

پھر اگر ناپسند ہوں تم کو وہ (عورتیں) تو ہو سکتا ہے کہ

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ

تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور رکھ دے اللہ

فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ⑲ وَإِنْ

اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی اور اگر

نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی بطور میراث قبضہ میں کرلو۔ اور نہ ہی انھیں اس غرض سے روک کر تنگ کرو کہ تم اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے میں کامیاب ہو جاؤ جو تم نے انھیں دے رکھا ہے بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ (تو بطور سزا تنگ کرنا اور بات ہے)۔ اور ان (بیویوں) کے ساتھ نہایت اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو کیا عجب کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اس کے اندر کوئی بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

Marfat.com

اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ	اور اگر تم ایک بیوی
چاہو تم بدلنا ایک بیوی کی	کی جگہ دوسری بیوی
مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ	لے آنے کا ارادہ ہی
جگہ دوسری بیوی اور تم دے چکے ہو ان میں سے اس ایک کو	کرو تو (اب) خواہ تم
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ	(اس بیوی) کو مال کا
ایک ڈھیر (مال) تو مت (واپس) لو اس میں سے	انبار ہی کیوں نہ دے
شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا	چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا ہوگا۔
کچھ بھی کیا تم (واپس) لوگے وہ مال بہتان لگا کر	کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَكَيْفَ	
اور صریح گناہ کر کے اور کیوں کر	اور تم یہ (مال) کیسے واپس لے سکتے ہو
تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ	جب تم ایک دوسرے سے
(واپس) لے سکتے ہو تم اسے درآنحالیکہ بے حجاب ہو کر مل چکا	لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟
اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ	
تم میں سے ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے	
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑	
ایک مضبوط اقرار۔	

Marfat.com

لغوی و نحوی اشارات :-

كَرْهًا - فعل تَرِثُوا کے مفعول النِّسَآءَ کا حال ہو کر منصوب ہے۔ عَضَلَ يَعْضُلُ - تنگ کرنا۔ روک دینا۔ پریشان کرنا۔ فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ :- مرکب اضافی فعل يَأْتِيْنَ کا مفعول ہے مگر بِ کے صلے کی وجہ سے مجرور ہے۔ فاحشۃ سے زنا کاری تو مراد ہے ہی بعض نے شوہر کی نافرمانی اور اس سے بدزبانی بھی مراد لی ہے۔ إِحْدٰىهُنَّ :- (مرکب اضافی) اٰتَيْتُمْ کا مفعول منصوب ہے۔ قِنْطَارًا دوسرا مفعول منصوب ہے۔ بُهْتَانًا اور إِثْمًا مُّبِيْنًا (مرکب توصیفی) - یہ دونوں فعل تَأْخُذُوْنَ کی تمیز ہو کر منصوب ہیں۔ اَفْضٰى يُفْضِيْ إِفْضَآءً کے معنی ہیں دور تک آگے چلے جانا۔ گھس جانا۔ پھر اس سے راز دار خلوت بننے کا مفہوم نکلا ہے۔ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا :- اَخَذْنَ کا مفعول منصوب ہے۔ غلیظا کے اصل معنی گاڑھا اور موٹا ہیں اسی سے پختگی اور مضبوطی کے معنی پیدا ہوتے ہیں :

تفہیم و تفسیر :-

یہ تینوں آیتیں (۱۹ - ۲۱) عورتوں کے معاشرتی حقوق اور ان کے قانونی تحفظات کے بارے میں ہیں —— ان میں عورت کے حقوق غصب کرنے والے بعض جاہلی رواجوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ مرد و عورت کے حق طلاق و نکاح کی نشاندہی اور اس حق کے غلط استعمال پر تنبیہ کی گئی ہے۔ شادی و طلاق کے معاملات میں محض خواہشات کی رو میں بہ جانے کی بجائے سنجیدگی کے ساتھ مختلف پہلوؤں کو جانچنے اور وضع داری، مروت اور بلند حوصلگی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے ——

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا - عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں۔ پھر مرد وارث اگر چاہتا تو چاہے ان سے خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دے دیتا اور پھر اپنے قبضہ میں کر لیتا تھا۔ اس آیت کے ذریعہ اس مذموم رواج کو

Marfat.com

ختم کر کے بیوہ عورت کا حقِ نکاحِ ثانی بلا تعرض تسلیم کیا گیا ہے۔ مردہ شوہر کے خاندان والوں کا یہ کوئی حق نہیں کہ وہ اس کی بیوہ کو بھی میت کی میراث سمجھ کر اس کے ذمہ دار ولی وارث بن بیٹھیں۔ بیوہ عورت عدت شرعی گزار چکنے کے بعد اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ:

عرب جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ اپنے خاندان کی مالدار بیوہ کو کہیں [illegible] نہ کرنے دیتے کہ اپنا مال ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ یا تو وہ مجبوراً [illegible] گھر میں جان دے دیتی یا پھر اپنا مال و متاع دے کر ہی جان چھڑاتی۔ اس [illegible] ایک تو یہ بات صاف کر دی کہ میت کے وارثوں کو یہ ہرگز یہ [illegible] کہ وہ میت کی بیوہ سے اس کے حصۂ میراث یا مہر وغیرہ سے کچھ مال ہتھیانے [illegible] پریشان کریں یا اس کو اپنا حقِ نکاحِ ثانی استعمال کرنے میں رکاوٹ ڈالیں ——

نیز اس میں خاوندوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اس لیے پریشان نہ کریں تاکہ وہ مہر یا کچھ اور مال دے کر اپنے آپ کو چھڑا لینے پر مجبور ہو جائیں۔ یعنی اس میں خاوند کو اپنا حقِ طلاق غلط استعمال کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ: [illegible] سزا کے طور پر تنگ کرنا —— [illegible] استثناء ہے۔ جو عورتیں اپنے شوہر کی اطاعت و خدمات کے [illegible] فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی بلکہ سرکشی اختیار کریں [illegible] بھی چھینی جا سکتی ہیں۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ:— عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا یہ مرکزی و کلیدی حکم دراصل پوری عائلی زندگی کا اصل الاصول ہے۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو ہر وقت قانونی پیمانوں میں ناپتے رہنے سے یہ گاڑی نہیں چلے گی جب تک نیت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نباہ کرتے

Marfat.com

چاہیے۔ حقوق کی ادائیگی میں قانونی مجبوری کی بجائے رضا کارانہ روح جھلکنی چاہیئے
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ
اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ اور اگر عورت خوبصورت نہ ہو یا اس میں کوئی
اور ایسا نقص ہو کہ جس میں گو عورت کا کوئی ارادی قصور نہ ہو مگر اس کی بنا پر وہ تم (شوہر)
کو پسند نہ آئے۔ تو فوراً دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ کسی چیز کے
صرف تاریک پہلوؤں پر نظر ڈال کر نتائج نکالنا درست نہیں بلکہ اس کے روشن پہلوؤں
پر بھی نگاہ رکھو۔ حسنِ صورت کی اہمیت سے انکار نہیں مگر ازدواجی زندگی میں یہی اور صرف
یہی فیصلہ کن اور غالب وحاوی عامل (Governing Factor) نہیں ہے
تمہاری پسند کے بعض تلافی کن پہلوؤں کے علاوہ یہ کتنا تسکین دہ خیال ہے کہ شاید اللہ
تمہاری بیوی کو تمہاری دینی و دنیوی برکتوں اور بھلائیوں کا سبب بنا دے۔ اور کون کہہ
سکتا ہے کہ تمہاری ناپسندیدہ بیوی میں کیا کیا قابلیتیں نکلیں اور کچھ پچھتاؤ ——— لہذا آدمی
کو اپنا حق طلاق جلد بازی و کوتاہ اندیشی سے نہیں بلکہ ناگزیر حالات میں استعمال کرنا
چاہیئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "تمام جائز کاموں میں سے سب سے
زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے" اسی طرح آپ نے فرمایا کہ "طلاق
دینے سے باز رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو محض ذائقہ
بدلنے کے لیے نت نئے ساتھی تلاش کرتے پھریں" ——— حضرت عمرؓ سے ایک
دفعہ ایک شخص نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ انھوں نے وجہ پوچھی
تو وہ شخص کہنے لگا "وجہ تو کوئی نہیں بس مجھے اس کی شکل ناپسند ہے"۔ اس پر حضرت
عمرؓ نے فرمایا "بھلے آدمی! اگر فیصلہ شکل وصورت کی پسند ناپسند پر ہی چھوڑ دیا جائے
تو کیا خیال ہے آج شام تک اسی مدینہ (منورہ) میں کتنے ہی گھر سلامت رہ جائیں
گے؟ آخر احسان، ذمہ داری اور مروت، جوانمردی کس چیز کا نام ہے؟
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۔ لیکن اگر اس
نصیحت کے باوجود تم پہلی بیوی کو چھوڑنے اور دوسری شادی کرنے پر بعض ضروری

Marfat.com

وجہ کی بنا پر مجبور ہو۔ تو قانون تمہیں روکتا نہیں مگر۔ . . . (یہ شرط آگے بیان ہوتی ہے) ——— یہ حقیقت ہے کہ احساسِ ذمہ داری، مروت، عالی حوصلگی اور ضبطِ نفس جیسی بلند اخلاقی و تمدنی قدروں کا احترام انسان کے دل میں قانون کے ذریعے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے ذہنیت کو بدلنے اور فکر میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوتی ہے ——— اس لیے قرآن نے یہاں "مکروہ میں خیر کثیر کے امکانات" کے دلکش نظریہ کے ذریعے انداز فکر میں تعمیری انقلاب برپا کرنے کی حکیمانہ تدبیر کے ساتھ ساتھ مرد کو، خاص حالات میں محض دل سے ناپسندیدگی سے مجبور ہو کر بھی تفریق [illegible] کر لینے کی حکیمانہ اجازت دے دی ہے۔ اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دل کی پسند ناپسند کی بنا پر عورت کو حقِ خلع دیا۔ اور سوسائٹی کے فرد کو ذہنیت بگڑنے والے غیر پسندیدہ اثرات اور فساد سے بچانے کے لیے قانون میں ایسی گنجائش ضرور رکھی جانی چاہیے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ "أبغض الحلال إلى الله الطلاق" اور "إن الله لا يحب الذواقين والذواقات" جیسے ارشادات نبوی استوار و پائدار عائلی زندگی کے تقدس و تحفظ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا . . . . . مگر اب تم اس رقم سے ایک پیسہ بھی واپس لینے کے مجاز نہیں جو تحفہ یا مہر کے طور پر تم اس بیوی کو دے چکے ہو۔ خواہ یہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو [illegible] ہونے والے مال سے اگر کچھ ادائیگی باقی ہے تو اسے بھی روکنے کا کوئی حق نہیں۔ بلا وجہ تم واپس لینا یا روک لینا تو صریح ظلم ہے ہی۔ اور اگر بہتان لگا کے [illegible]

لہ دینی قوانین نے اس معاملہ میں بے بصیرتی سے کام لیا [illegible] کے نتائج اہلِ دانش سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

Marfat.com

پھر کوئی جھوٹا الزام (زناکاری یا نافرمانی وغیرہ کا) لگاؤ گے تو اس سے بڑھ کر اور کیا گناہِ عظیم ہوگا؟

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ پھر اس سے بڑھ کر بے حمیتی اور کم ظرفی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ جس عورت نے اپنا سارا جسم تمہارے سپرد کردیا اب اس سے مہر یا دیئے ہوئے تحفے بھی واپس لینے لگو ـــــ بلکہ اتنی اخلاقی پستی کی تو قانون بھی اجازت نہیں دے سکتا۔ آخر تم نے نکاح جیسے مضبوط شرعی و قانونی پیمانِ وفا کے ساتھ اسے قبول نہیں کیا تھا؟ جب اسی پختہ و مستحکم عہد پر بھروسہ کرکے عورت اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کرتی ہے۔ تو اب اس کے قانونی حق (جن میں مہر سرفہرست ہے) کیوں کر غصب کیے جا سکتے ہیں؟ یہ دناءت ہی نہیں جرم بھی ہے۔ اسی لیے حنفیہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ پر ہی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عورت نے اپنی قانونی ذمہ داری پوری کردی۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

اور مت نکاح کرو ایسی عورتوں سے جن سے نکاح کرچکے تمہارے باپ

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

عورتوں میں سے مگر ہاں جو ہو چکا (سو ہو چکا)

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا

بلاشک یہ ہے ایک بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات

اور جو عورتیں تمہارے باپ کے نکاح میں رہی ہوں ان سے ہرگز نکاح نہ کرو مگر جو کچھ پہلے ہو چکا (سو ہو چکا) درحقیقت یہ ایک بڑی بے حیائی ہے اور قابلِ نفرت فعل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ

اور بُرا طریقہ ہے حرام کر دی گئی ہیں

عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور

اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ

اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور

اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ

اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری (وہ) سوتیلی لڑکیاں

الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

جو تمہاری پرورش میں (رہی) ہوں (اور جو

اور نہایت بُرا طریقہ ہے۔ تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں۔ بیٹیاں، بہنیں۔ پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں۔ بھانجیاں۔ اور تمہاری رضاعی مائیں اور رضاعی بہنیں۔ [illegible] اور تمہاری بیویوں کی [illegible] بیویاں [illegible] جو (گویا) تمہارے [illegible] پرورش رہی [illegible] مگر صرف ان

Marfat.com

نِسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

لیکن اگر (ابھی) تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ

تو (پھر) تم پر کوئی گناہ نہیں (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) اور بیویاں

اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

تمہارے (ان) بیٹوں کی، جو کہ ہیں تمہاری اپنی پشت سے

اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا

(یہ بھی حرام) اور (یہ بھی) کہ تم یکجا کرو

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ

دو بہنوں کو مگر ہاں جو ہو چکا (سو ہو چکا)

سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا

رَّحِيْمًا ۝٢٣ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

مہربان ہے — اور شوہر دار

بیویوں کی لڑکیاں (حرام ہیں) جن سے تم ہمبستر ہو چکے ہو۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) ہمبستری نہ ہوئی ہو تو (ان کی طلاق یا موت پر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گرفت نہیں ہے اور تمہاری بہوئیں یعنی تمہارے حقیقی صلبی بیٹوں کی بیویاں (بھی حرام ہیں) اور یہ بات بھی (تم پر حرام) ہے کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ مگر جو پہلے ہو چکا (سو ہو چکا)۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور شوہر دار عورتیں جو

Marfat.com

النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

عورتیں (بھی حرام ہیں) بجز ان کے جو تمہارے ہاتھ آئیں

اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

(میدان جنگ میں) یہ اللہ کا لازمی نوشتہ (قانون) ہے تمہارے لیے

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

اور حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے (ایسی عورتیں) ان (مذکورہ بالا) کے علاوہ

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ

یعنی بشرطیکہ تم چاہو ان کو نکاح (میں) لانا اپنے مال کے ذریعے پاکدامنی کے لیے [illegible] قید نکاح میں لانے کے لیے

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ

ہو کر نہ کہ محض مستی نکالنے والے بن کر پھر جو تم نے لطف صحبت اٹھایا ہو

بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

(یعنی) ان (منکوحہ عورتوں) میں سے تو ان کو دے دو ان کے (پورے) مہر جو

فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

مقرر (ہوئے) - اور تم پر کوئی گناہ نہیں

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ

اس (مقدار) کے بارے میں جس (کی کمی بیشی) پر تم باہم رضامند ہو جاؤ

کسی دوسرے کے نکاح میں
ہوں (وہ بھی حرام ہیں)
البتہ جو عورتیں (جنگ
میں) تمہارے ہاتھ آئیں
وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔
یہ اللہ کا قانون ہے جس
کی پابندی تم پر (لازمی ہے)
اور (یہ جتنی) قسمیں شمار ہوئی
ہیں ان کے ماسوا (جتنی)
عورتیں ہیں۔ انہیں اپنے
اموال (اور مہر) کے
ذریعے حاصل کرنا تمہارے
لیے حلال ہے بشرطیکہ
[illegible] کر رہنا [illegible]
[illegible] کہ آزاد شہوت
[illegible]
[illegible]
[illegible] زندگی کا
لطف اٹھاؤ انہیں ان
مقرر مہر (بطور فرض) ادا کرو
البتہ [illegible] ہو جانے کے
بعد بھی اگر تم باہمی رضامندی
سے (اس میں) کسی کمی یا
بیشی [illegible] کر لو تو

Marfat.com

اس میں کوئی حرج نہیں بیشک اللہ علیم و دانا ہے۔	الْفَرِيْضَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ (مہر کے) مقرر ہو جانے کے بعد بیشک اللہ بڑا جاننے والا عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ بڑا حکمت والا ہے

لغوی ونحوی اشارات:۔

فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا: کان کی خبر ہو کر منصوب ہیں۔ مقت بمقت، بمعنی بھانا شدید نفرت کرنا۔ سَبِيْلًا: فعل سَآءَ (برا ہوا) کی تمیز منصوب ہے۔ حُرِّمَتْ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس سے اُمَّهٰتُكُمْ، بَنٰتُكُمْ وغیرہ سب اس کے مفعول مالم یسم فاعلہ (نائب فاعل) ہو کر حالت رفع میں ہیں۔ اَرْضَعَ (افعال) کے معنی ہیں ماں کا بچے کو دودھ پلانا اور رَضَاعَةٌ (مصدر ثلاثی رضع یرضع کے معنی ہیں بچے کا دودھ چوسنا یا پینا ۔۔۔ رَبَآئِبُ کا واحد رَبِيْبَةٌ ہے جس کے معنی ہیں بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکی ۔۔۔ ایسے لڑکے کو رَبِيْبٌ کہتے ہیں۔ اردو میں ایسے بچے کو گیلڑ اور پنجابی میں "پچھلگ" کہتے ہیں۔ حُجُوْرِكُمْ: (مرکب اضافی) حرف جار (فی) کی وجہ سے مجرور ہے۔ حُجُوْر کا واحد حِجْرٌ ہے جس کے معنی ہیں گود اور پرورش۔ دَخَلَ میں دخل مختلف صلات کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے دَخَلَ بِ ... کے معنی ہیں ... سے ہمبستر ہونا حَلَآئِلُ کا واحد حَلِيْلَةٌ (بیوی) ہے۔ اَصْلَاب کا واحد صُلْبٌ ہے بمعنی پشت اور مراد اس سے نسل ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ فعل حُرِّمَتْ کا (آخری) نائب فاعل ہو کر مرفوع ہے۔ مُحْصَنَةٌ کے لفظی معنی ہیں "حفاظت میں لی ہوئی عورت" اور قرآن مجید میں یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے (۱) شوہر دار عورت (۲) پاکبازعورت (۳) آزاد عورت (بمقابلہ کنیز) یہاں (آیت ۲۴ میں شوہر دار عورتیں مراد ہیں۔ كِتٰبَ اللّٰهِ میں كِتٰبَ مصدر ہے اور مفعول مطلق کے

Marfat.com

مفعول میں منصوب ہے۔ اُحِلَّ فعل ماضی مجہول ہے۔ مُحْصِنِيْنَ۔ تَبْتَغُوْا (اِبْتِغَاءٌ۔ تلاش کرنا، خواہاں ہونا) کی ضمیر فاعل سے حال ہو کر منصوب ہے۔ فَرِيْضَةً فعل اٰتُوْ (فَاٰتُوْهُنَّ) کی تمیز ہو کر منصوب ہے۔ اور یہ فَرَضَ یَفْرِضُ فَرْضٌ (مقرر کرنا۔ ضروری قرار دینا) سے مصدر ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

ان آیات میں محرّماتِ نکاح کا بیان ہے یعنی جن عورتوں سے مطلقاً یا خاص صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ محرمات کی یہ فہرست بھی قرآن کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ دوسرے مذاہب اس معاملے میں یا تو نیم خاموش ہیں یا افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔

یہاں محرمات میں کل پندرہ قسم کی عورتوں کا ذکر ہوا ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے:-

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ . . . . سَبِيْلًا (آیت ۲۲) :- زمانۂ جاہلیت کی قبیح رسموں میں سے ایک یہ بھی کہ باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) سے بھی نکاح کر لیا جاتا تھا۔ اگرچہ عام طور پر خود اہل عرب بھی اسے ناپسند کرتے تھے بلکہ اس کا نام ہی "نکاحِ مقت" یعنی "گھناؤنا نکاح" تھا۔ اور ایسے آدمی کو جو سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا بطور حقارت ضَيْزَنْ (باپ کا حصہ دار) کہتے تھے۔ مگر اسلام نے اسے قطعاً حرام قرار دیا۔۔۔۔ مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ سے مراد وہ عورتیں بھی ہیں جو نانا یا دادا کے نکاح میں رہ چکی ہوں۔ آنحضرت نے اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو موت کی سزا دی ہے ۔۔۔۔ اکثر فقہاء اس عورت کو بھی بیٹے پر حرام قرار دیتے ہیں جس کے ساتھ اس کے باپ کے ناجائز تعلقات رہے ہوں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ :- آگے بیان کی ہوئی تمام عورتوں سے نکاح کرنا

Marfat.com

حرام قرار دیا گیا ہے۔

اُمَّھٰتُکُمْ:۔ سگی اور سوتیلی، دونوں طرح کی مائیں حرام ہیں۔ اس طرح باپ کی مائیں (دادیاں) اور ماں کی مائیں (نانیاں) بھی "تمہاری ماؤں" میں شامل ہیں۔ سب کا حکم حرمت کا ہے۔

وَبَنٰتُکُمْ:۔ صلبی بیٹیوں کے علاوہ صلبی اولاد کی بیٹیاں یعنی پوتیاں نواسیاں بھی "تمہاری بیٹیوں" میں شامل ہیں اور اس سبب تم پر حرام ——— جمہور فقہاء کا فتویٰ یہی ہے کہ ناجائز تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لڑکی بھی اپنے "حقیقی" باپ پر حرام ہے۔

وَاَخَوٰتُکُمْ:۔ اس میں حقیقی بہنوں کے علاوہ سوتیلی (علاتی یا اخیافی) بہنیں بھی آگئیں۔

وَعَمّٰتُکُمْ:۔ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں (دادا) کی بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی سب شامل ہیں۔

وَخٰلٰتُکُمْ:۔ اس میں ماں اور ماں سے اوپر والیوں (نانی) کی بہنیں، سگی، سوتیلی سب آگئیں۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ:۔ بھائی بہن سگے ہوں یا سوتیلے (علاتی یا اخیافی) ان کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور بھانجیاں بھی ایک شخص کے لیے اپنی بیٹی کی طرح حرام ہیں۔

وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ:۔ قرآن نے دودھ پلانی (دائی) کا ذکر "ماں" کے لقب سے اور دودھ شریک لڑکی کا ذکر "بہن" کے لقب سے کیا ہے ——— اور اس طرح رضاعت کو نسب کی طرح شمار کیا ہے۔ ارشاد نبوی **یُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ** (دودھ پلانے سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی بنا پر حرام ہیں) نے اس کی مزید وضاحت فرما دی ہے ———

Marfat.com

اس لیے ایک لڑکے یا لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہو، اس کے لیے، وہ عورت ماں کے حکم میں اور اس کا شوہر باپ کے حکم میں ہوتا ہے اور تمام وہ رشتے جو حقیقی ماں باپ کے تعلق سے حرام ہو جاتے ہیں (مثلاً بہن بیٹی پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی وغیرہ یہ سب رضاعی ماں اور باپ کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں — فقہا میں اس بات پر اختلاف ہے کہ کس مقدار میں دودھ پینے اور کس عمر تک پینے سے "قانونی رضاعت" ثابت ہوگی بعض نے شائبہ رضاعت تک کو بھی موجب حرمت ٹھہرایا ہے اور بعض نے اس میں "معقول حد" کا اعتبار کیا ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں — اصل بنیادی اور اہم بات تو یہ ہے کہ اسلام نے رضاعت کو اسباب حرمتِ نکاح میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بڑا احتیاط طلب مسئلہ ہے۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ:- اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں سب آگئیں کیونکہ وہ بھی ان کی مائیں ہیں — اس بات پر شیعہ سُنی سب کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کے ساتھ صرف عقد نکاح ہو جانے سے ہی اس کی ماں نانی وغیرہ نکاح کرنے والے (خاوند) پر حرام ہو جاتی ہیں چاہے خلوت نہ ہوئی ہو — اگرچہ بعض صحابہؓ و تابعین مثلاً حضرت علیؓ، زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زبیرؓ اور جابرؓ سے اس بارے میں یہ اختلاف منقول ہے کہ وہ نکاح کے ساتھ صحبت کی شرط ضروری قرار دیتے تھے۔ مگر اس پر کسی فرقے کا عمل نہیں ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ:- صرف وہ سوتیلی بیٹی آدمی پر حرام ہے جس کی ماں سے نکاح کے بعد خلوت بھی ہو چکی ہو — چاہے اس لڑکی نے سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ آیت میں گود میں پرورش پانے کا ذکر شرط کے طور پر نہیں، بلکہ عرف و عادت کے بیان کے طور پر یا محض اس رشتہ کی نزاکت ظاہر کرنے کے لیے ہوا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ:-
یعنی ماں سے مجرد نکاح اس کی بیٹی (یعنی ناکح کی سوتیلی بیٹی) کی حرمت کے لیے کافی

Marfat.com

نہیں بلکہ حرمت کے لیے اس کی ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ اگر صرف نکاح ہی ہوا ہو اور ہم بستری سے پہلے ہی طلاق یا موت واقع ہو جائے تو ایسی عورت کی لڑکی سے نکاح کر لینا جائز ہے جن صحابہؓ نے ساس کی حرمت کے لیے بھی اس کی بیٹی سے نکاح کے علاوہ ہمبستری کی شرط ضروری قرار دی ہے ان کا استدلال یہی ہے کہ یہ عبارت وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ سے بھی متعلق ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ:۔ صرف اپنے حقیقی صلبی بیٹے کی بیوی آدمی پر حرام ہوتی ہے۔ اسی طرح صلبی اولاد کی اولاد یعنی پوتوں، نواسوں کی بیویاں بھی دادا، یا نانا پر حرام ہوں گی۔ یہ صلبی کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اہل عرب منہ بولے بیٹے (متبنّٰی) کی بیوہ یا مطلقہ کو بھی حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس جاہلی نظریہ کی بیخ کنی کی۔ سورہ احزاب آیت ۲۱ میں اس کی مزید تردید موجود ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ:۔ دو بہنیں جو باہم سگی ہوں یا سوتیلی اور نسبی ہوں یا رضاعی، ان کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نو مسلموں کو جن کے نکاح میں دو بہنیں تھیں، قبول اسلام کے بعد صرف ایک کو رکھ لینے اور دوسری کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح حضورؐ نے دو بہنوں کے علاوہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے فقہاء نے ایک اصول نکالا ہے کہ کوئی سی ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اس کا نکاح دوسری کے ساتھ حرام ہو۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ:۔ یہ الفاظ "نکاح مقت" اور "جمع بین الاختین" کی حرمت کے حکم کے بعد دونوں دفعہ اس لیے دہرائے گئے ہیں کہ یہ دونوں صورتیں جاہلیت میں رائج تھیں (ماں بہن وغیرہ کی حرمت پہلے بھی تسلیم کی جاتی تھی) لہٰذا ایک تو اس لیے یہ کہا کہ تمہارے ماضی پر گرفت نہیں کی جائے گی بشرطیکہ اب حکم آجانے کے

Marfat.com

بعد اپنی اصلاح کر لو۔ اور اگر کسی کے نکاح میں سوتیلی ماں یا دو بہنیں ہیں تو وہ فوراً اس سوتیلی ماں یا ایک بہن سے الگ ہو جائے ۔۔۔۔ دوسرے اس "آنچہ گزشت است عفو ست" کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس حکم سے پہلے اگر نکاح کی ان ناجائز صورتوں کے نتیجے میں کوئی اولاد ہوئی ہے تو اسے جائز اولاد ہی سمجھا جائے گا یہ حکم "موثر بماضی" طریقے پر نافذ نہیں ہو رہا ۔۔۔۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ کسی شوہردار عورت سے جس کا خاوند موجود ہے اب "دوسرا نکاح حرام ہے ۔۔۔۔ کسی کی منکوحہ کو بھگا لے جا کر دوسری جگہ اس کے ساتھ نکاح کر لینے سے وہ حلال نہیں ہو جائے گی ۔۔۔۔ البتہ اس کا صرف ایک استثناء ہے کہ میدانِ جنگ میں جو عورتیں گرفتار ہوں گو ان کے کافر شوہر دار الحرب (دشمن کے علاقے) میں موجود ہوں ۔۔۔۔ اب قانون اس رشتۂ نکاح کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایسی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے۔ اور بطور ملک یمین تمتع بھی ۔۔۔۔ ملک یمین پر مفصل نوٹ صفحہ (۴۳) پر گزر چکا ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ :- اپنے نظام خانگی کو اللہ کے مقرر کیے ہوئے قوانین کی پابندی کے ساتھ درست رکھو۔ محرمات کے بارے میں یہ احکام کسی انسانی دماغ کے وضع کردہ نہیں بلکہ اللہ نے مقرر کیے ہیں۔ اس لیے ان کی اہمیت کا احساس رکھو۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ :- حرمت نکاح کے بارے میں مندرجہ بالا اصولوں کا پابند رہتے ہوئے اور ممنوع رشتوں کو چھوڑ کر باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں مگر اس حلال ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس سے جیسے جی چاہے جنسی تعلقات قائم کر لیے جائیں۔ بلکہ اس کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں اور وہ یہ ہیں کہ:-

(۱) اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ :- باقاعدہ رشتہ طلب کرو اور قانونی، تمدنی طریقے پر مال خرچ کر کے باقاعدہ شادی کرو ۔۔۔۔ یوں تو ہر [illegible]

Marfat.com

ہیں شادی پر مال خرچ کرنے کا دستور ہے مثلاً تحائف وغیرہ دینا جس سے مرد کی رغبت اور عورت کا اعزاز ثابت ہو، مگر یہاں خاص طور پر ادائیگی مہر مراد ہے جو نکاح کا لازمی جزء ہے۔ اور لفظ اِبْتِغَاء طلب کرنا۔ تلاش کرنا سے اشارۃً یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ شادی کی تجویز پیش کرنا یا درخواست کرنا مرد کا کام ہے اسے قبول کرنا یا منظوری دینا، عورت یا اس کے اولیاء کا کام ہے۔

(۲) مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ:۔ مقصد پاکبازانہ اور باعفت زندگی بسر کرنا ہو۔ مستقل تاہل۔ گرہستی زندگی۔ پائدار رفاقت اور ذمہ دارانہ نباہ کا ارادہ موجود ہو۔ اور اس کا اظہار باقاعدہ نکاح کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے ——— ذمہ داریوں سے گریز اور محض کھلی شہوت رانی مقصود نہ ہو۔ پیسہ تو نکاح میں بھی خرچ ہوتا ہے اور سفاح (شہوت رانی) میں بھی۔ دونوں میں فرق احصان (مقید و پابند ہونا) ہی سے ہوتا ہے۔ جو نکاح میں موجود ہے اور سفاح میں مفقود۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً:۔ اگرچہ مہر نکاح کا جزء ہے مگر بیوی سے تمتع جنسی کے بعد تو اس پوری رقم کی ادائیگی واجب ہوجاتی ہے۔ لوگ جاہلیت میں بھی عورت کے اس حق سے بے خبر تھے اور آج بھی کچھ کم غفلت نہیں برتی جاتی ——— بعض حضرات نے جو ان الفاظ سے نکاح متعہ کا جواز نکالا ہے اس کے جواب میں، باقی تمام دلائل سے قطع نظر، صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ متعہ کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی معزز اور شریف آدمی کبھی اپنی بہن یا بیٹی کو عارضی نکاح میں دینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اور نہ آج تک ایسا ہوا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ:۔ مہر بالعموم نکاح سے پہلے بندھ جانا چاہیئے۔ مگر ایک دفعہ کوئی رقم مقرر کر لینے کے بعد بھی میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا بھی سکتے ہیں اور بڑھا بھی سکتے ہیں۔ مگر اس میں کسی جبر یا فریب کا دخل نہیں ہونا چاہیئے (نیز

Marfat.com

دیکھئے اسی سورت کی آیت ۴ کے ماتحت۔ صفحہ ۵۰-۵۱ پر

اسبابِ حرمتِ نکاح اور محرمات کی اقسام (خلاصہ)

سورۃ النساء کی ان تینوں آیتوں (۲۲ تا ۲۴) میں محرمات کے جو احکام بیان ہوئے ان سب کا تجزیہ کرنے سے حرمتِ نکاح کے چار بڑے سبب معلوم ہوتے ہیں:-

۱۔ نسب۔

۲۔ رضاعت۔

۳۔ مصاہرت۔

۴۔ کوئی عارضی شرعی مانع۔

نسب کی بنا پر سات عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ماں۔ بیٹی۔ بہن۔ پھوپھی خالہ بھتیجی۔ بھانجی۔

رضاعت کی بنا پر بھی وہی عورتیں حرام ہوتی ہیں۔ جو نسب کی بنا پر حرام ہیں۔ اگرچہ آیات میں صرف رضاعی ماں اور بہن کا ذکر ہے۔

مصاہرت (ازدواجی رشتے) کی بنا پر چار قسم کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔

(۱) باپ کی بیوی (۲) بیٹے کی بیوی (۳) بیوی کی ماں اور (۴) بیوی کی بیٹی۔

دیگر موانع شرعیہ:- اگرچہ نکاح کے بہت سے شرعی موانع ہیں جو کچھ تو قرآن کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتے ہیں اور کچھ سنت سے مگر سورۃ النساء کی آیات زیر بحث میں دو موانع مذکور ہوئے ہیں:-

(۱) مانع جمع یعنی بیوی کی دوسری بہن سے پہلی کی موجودگی میں نکاح حرام ہے۔

(۲) مانع زوجیت یعنی کسی کی منکوحہ عورت سے خاوند کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام ہے۔

ایک اور پہلو سے غور کیا جائے تو محرمات کی دو قسمیں بنتی ہیں (۱) مؤبدہ (۲) مؤقتہ

Marfat.com

محرمات مؤبدہ یعنی ایسی عورتیں جو ہر حال میں دائمی طور پر حرام ہوتی ہیں۔ اس قسم میں نسب، رضاعت اور مصاہرت کی بنا پر تمام محرمات شامل ہیں یعنی کل گیارہ قسم کی عورتیں سات نسب و رضاعت کی بنا پر اور چار مصاہرت کی بنا پر —
ان کے علاوہ زنا اور لعان کی بنا پر بھی حرمت موبدہ ثابت ہوتی ہے مگر اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ لعان کا ذکر سورہ النور (پ ۱۸) میں ہے۔

محرمات موقتہ یعنی ایسی عورتیں جن کے ساتھ کسی ایسے شرعی مانع کی وجہ سے نکاح حرام ہو کہ اگر وہ مانع دور کر دیا جائے تو نکاح جائز ہو جائے۔ اس کی مثالیں سورۃ النساء میں تین ہیں۔

۱۔ **مانعِ جمع**:۔ یعنی بیوی کی بہن یا اسی اصول کے تحت بیوی کی پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی وغیرہ سے نکاح حرام ہے۔ مگر جب بیوی مر جائے یا اسے طلاق ہو جائے تو اس کی بہن وغیرہ سے شادی ہو سکتی ہے۔

۲۔ **مانعِ زوجیت**:۔ یعنی منکوحہ عورت جس کا پہلے سے خاوند موجود ہے، اس سے بھی نکاح حرام ہے لیکن جب وہ مطلقہ یا بیوہ ہو جائے تو اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

۳۔ **مانعِ عدد**:۔ یعنی چار عورتوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح ناجائز ہے (یہ حکم ان آیات سے پہلے آیت ۳ میں بیان ہوا ہے)۔
قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے تین اور عارضی موانع کا بھی پتہ چلتا ہے یعنی کفر، عدت اور طلاق مغلظہ۔ (دیکھیے سورہ البقرہ: ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۳۵)

رہی یہ بات کہ ان محرمات کے تعین کی وجہ کیا ہے اور [illegible] سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے؟ تو مسلمان کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی [illegible] احکام کو کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ہونے کی سند حاصل ہے — لیکن غور [illegible] کیا جائے تو بعض علوم عصریہ مثلاً حیاتیات (Biology)، عمرانیات (Sociology)

Marfat.com

معاشیات(Economics) وغیرہ کی روشنی میں بھی یہ احکام بیشمار مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی نظر آتے ہیں، مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ	اور تم میں سے جو اتنی استطاعت
اور جو نہ — پائے (رکھتے) تم میں سے	اور نہ رکھتا ہو کہ خاندانی
طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ	(آزاد) مسلمان عورتوں
مقدور اس کا کہ نکاح کر سکے آزاد (خاندانی)	سے نکاح کر سکے تو اسے
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ	چاہیئے کہ وہ تمہارے
مسلمان عورتوں سے سو (وہ تلاش کرے) تمہارے قبضہ میں آئی	مسلمانوں کے قبضہ میں
اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ	آئی ہوئی کنیزوں میں
ہوئی عورتوں میں سے یعنی تمہاری لونڈیوں میں (جو مسلمان ہوں)	سے کسی سے نکاح کر لے
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ	یعنی تمہاری اپنی لونڈیوں
اور اللہ خوب واقف ہے تمہارے ایمان کی حالت سے۔ تم سب	سے جو مومنہ بھی ہوں اور
مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ	اللہ تمہارے ایمانوں کا
آپس میں ایک ہو۔ پس نکاح کرو ان (لونڈیوں سے)	حال خوب جانتا ہے
بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ	تم سب ایک ہی جنس
اجازت لے کر ان کے مالکوں سے اور تم ادا کرو	کے افراد ہو۔ پس ان
	لونڈیوں [illegible]
	کی اجازت سے ان
	کے ساتھ نکاح کر لو اور
	معقول طریقے پر ان کے
	مہر ادا کرو (یعنی باضابطہ)
	نکاح کرو تاکہ وہ

Marfat.com

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ	بن کر رہیں۔ نہ آزادانہ
ان کے مہر دستور کے موافق (مگر اس طرح کہ وہ) قید نکاح کی پابند بیوی بن کر رہنے والی ہوں	شہوت رانی کرتی پھریں
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ	نہ چوری چھپے آشنائیاں
نہ کہ محض شہوت رانی کی طلبگار اور نہ ہی (خانگیوں کی طرح) چوری	کریں۔
اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ	
چھپے آشنائی کرنے والی (ہوں)۔ پھر جب وہ (لونڈیاں) قید نکاح میں آجائیں	پھر جب وہ قید نکاح میں آکر محفوظ ہو جائیں اور
اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ	اس کے بعد کسی بدچلنی
اور پھر اگر (بعد از نکاح) وہ مرتکب ہوں بدکاری کی، تو ان پر ہوگی	کی مرتکب ہوں۔ تو ان
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ	کی سزا اس سزا سے آدھی ہوگی جو آزاد (خاندانی) عورتوں کے لیے مقرر ہے
نصف (سزا) اس سے جو آزاد عورتوں کے لیے (رکھی گئی) ہے	
مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ	
سزا - یہ (اجازت) اس کے لیے ہے جو	یہ اجازت تم میں سے ان لوگوں کے لیے رکھی
خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ	گئی ہے جن کو تجرد میں
ڈرے گناہ (کر بیٹھنے) سے تم میں سے - اور جو	گناہ سے اجتناب دشوار نظر آتا ہے۔ ورنہ اگر
تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ	ضبط نفس سے کام لو
صبر کرسکو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ	تو یہ تمہارے لیے بہتر

Marfat.com

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۵﴾
بخشنے والا مہربان ہے

لغوی ونحوی اشارات :۔

طَوْلًا :۔ لَمْ یَسْتَطِعْ کا مفعول ہوکر منصوب ہے طَوْلٌ کے معنی ...
اور تونگری ۔ اَلْمُحْصَنٰتِ :۔ یَنْکِحَ کا مفعول منصوب ہے یہاں مُحْصَنٰت ...
مطلب آزاد خاندانی عورت ہے ۔ فَتَیٰتِکُمْ :۔ مرکب اضافی مجرور بحرف ...
فَتَیَات کا واحد فَتَاۃٌ (چھوکری) ہے اور یہ لفظ لونڈی کے لیے ...
مُحْصَنٰتٍ ضمیر هُنَّ کا حال ہوکر منصوب ہے ۔ ... مُتَّخِذٰتِ ...
ہے ۔ اَخْدَانٍ :۔ مضاف الیہ ہوکر مجرور ہے ۔ اس کا واحد خِدْنٌ ہے جس ...
گہرا یار ساتھی (Comrade) اور یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے بولا ...
اَلْعَنَتَ :۔ خَشِیَ کا مفعول ہوکر نصب میں ہے اور یہ عَنِتَ یَعْنَتُ ...
میں پھنسنا) سے مصدر ہے ۔

تفہیم وتفسیر :۔

اس آیت میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں (۱) لونڈی سے نکاح (۲) لونڈی ... سزا ۔ دونوں مسائل میں فقہی اختلافات موجود ہیں ۔ مگر تفصیلات کو چھوڑ کر ... امور کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے :۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ . . . . اَخْدَانٍ :۔

(۱) جو آدمی آزاد خاندانی عورت سے شادی کرنے یعنی اس کے مہر، نفقہ وغیرہ ... کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ کسی مسلمان کی مسلمان کنیز سے شادی کر لے ۔ کیونکہ کنیز کا ... وغیرہ بہت کم ہوتا ہے ۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک عدم استطاعت اور ... کی شرطیں لازمی نہیں ہیں ۔ بلکہ آزاد عورت سے نکاح کی قدرت رکھتے ہوئے ...

Marfat.com

(کتابیہ) لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ شافعی رح کے نزدیک یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں
(۲) لونڈی کے ساتھ نکاح اس کے مالک کی اجازت سے ہوگا۔ گویا وہ ولی نکاح ہوگا۔ خود نکاح کے لیے لونڈی کی رضامندی ضروری ہے۔ مالک اپنی جس لونڈی کا نکاح آگے کر دے گا اب خود اس کے لیے وہ حرام ہوگئی۔ البتہ خدمت لے سکتا ہے
(۳) مہر کی ادائیگی نہایت ضروری ہے منکوحہ کے لونڈی ہونے کی وجہ سے ادائے مہر کو غیر اہم نہ سمجھا جائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر خود لونڈی کو دیا جائے گا یا اس کے مالک کو۔
(۴) لونڈی سے نکاح کرتے وقت اس کے چال چلن کی تسلی کر لو (کیونکہ ان کے ماحول اور ان کی معاشرتی حالت سے عموماً ان میں اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں) ——) یا کم از کم نکاح کے ذریعے اس کی اصلاح متوقع ہو۔
(۵) بہرحال ایسی عورتوں سے نکاح مت کرو جو یا تو زنا کرانے کا مال ہوں یعنی کھلی ہوئی کسبیاں (مسافحات) ہوں یا تہذیب و قانون کے پردوں میں رہ کر اپنا ایک خفیہ "حلقہ یاراں" قائم کیے ہوئے ہوں یعنی چھپی ہوئی خانگیاں (مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ) ہوں۔ ایسی بیوی کرنے سے تو صبر ہی کر لینا بہتر ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ ..... مِنَ الْعَذَابِ :-

(۱) لونڈی زنا کی مرتکب ہو تو اسے صرف پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو آزاد عورت کی سزا کا نصف ہے۔ سورہ النور (پ۱۸) میں زانیہ کی سزا سو کوڑے بیان ہوئی ہے۔ اور جمہور مفسرین و فقہاء کے نزدیک سورہ النور میں زنا کی جو حد بیان ہوئی ہے وہ "آزاد غیر شادی شدہ عورت" کے لیے ہے۔ کیونکہ "آزاد شادی شدہ زانیہ" کے لیے سنگساری (رجم) کی سزا سنت سے ثابت ہے۔
(۲) جو لوگ رجم کی سزا کے منکر ہیں وہ اس آیت (النساء: ۲۵) میں اَلْمُحْصَنٰتِ سے مراد "شادی شدہ عورت" لیتے ہیں۔ اور پھر یوں استدلال کرتے ہیں کہ "شادی شدہ عورت" کی سزا اگر رجم تسلیم کریں تو اس "کا نصف" نہیں ہو سکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ سورہ النور

Marfat.com

میں بھی "شادی شدہ عورت کی سزا" ہی بیان ہوئی ہے ——— رجم کی تردید میں اور کوئی دلیل ہو یا نہ ہو کم از کم اس آیت (النساء: ۲۵) سے یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ مُحْصَنٰت بمعنی "شادی شدہ عورت" لینے سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا "جو آدمی شادی شدہ عورت سے نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو"۔ اور اس کی نامعقولیت ظاہر ہے ——— لونڈی کی سزا بہر حال "شادی شدہ عورت کی سزا" کا نصف نہیں بلکہ "آزاد عورت کی سزا" کا نصف ہے اور سورہ النور میں بیان کردہ سو کوڑوں کی سزا "آزاد عورت کی سزا" ہے۔ رہی یہ بات کہ سورہ النور میں کس قسم کی "آزاد عورت" مراد ہے۔ کنواری یا بیاہی یا دونوں۔ تو اس کے لیے فریقین کے اور دلائل ہیں سورہ النساء کی یہ آیت اس میں کچھ "مدد نہیں" کر سکتی۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ	اللہ کو منظور ہے کہ تم پر (اپنے احکام) واضح کردے اور جو نیک لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی راہیں دکھادے (یعنی ان کے طریقوں پر چلانے) اور تم پر توجہ فرمائے اور وہ جاننے والا اور دانا ہے۔
اللہ چاہتا ہے کہ کھول کر بیان کر دے تمہارے لیے (احکام) اور	
يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ	
تمہیں بتائے / دکھائے حالات / راستے ان لوگوں کے جو تم	
قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط	
سے پہلے تھے اور (تاکہ) توجہ فرمائے تم پر	
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾	
اور اللہ بڑا جاننے والا بڑا دانا ہے۔	

Marfat.com

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ	اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے۔
اور اللہ (تو) یہ چاہتا ہے کہ مہربانی (توجہ) فرمائے تم پر۔	
وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ	مگر جو لوگ خواہشوں کے بندے ہیں انھیں یہ منظور ہے کہ تم راہ راست سے ہٹ کر بہت دور جا نکلو۔
اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیچھے پڑے ہیں (اپنی)	
الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا	
خواہشات کے ۔ کہ تم دور جا پڑو (راستے سے) بہت	
عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ	
ہی دور اللہ چاہتا ہے یہ کہ	اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف کرنے کیونکہ انسان کمزور ہی پیدا کیا گیا ہے۔
يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ	
تخفیف (بوجھ ہلکا) کردے تم سے اور پیدا (ہی) کیا گیا ہے	
الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾	
انسان کمزور (کمزوریوں کے ساتھ)	

لغوی ونحوی اشارات :۔

سُنَنَ :۔ یَھْدِیَ کا مفعول ثانی ہو کر منصوب ہے۔ اس کا واحد سُنَّۃٌ ہے جس کے معنی ہیں۔ چہرہ طریقہ۔ حالت ــــ مَیْلًا :۔ مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے۔ مَالَ ۔ یَمِیْلُ ۔ بالکل ہی ایک طرف جھک جانا۔ ہٹ جانا۔ الْاِنْسَانُ: خُلِقَ (فعل ماضی مجہول) کا نائب فاعل مرفوع ہے۔ ضَعِیْفًا :۔ یہ الانسان کا حال

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے یا تمیز ہوکر۔

تفہیم وتفسیر:۔

یہ تینوں آیتیں ایک طرح سے ان تمام احکام پر جو آغازِ سورت سے یہاں تک بیان ہوتے ہیں، تبصرہ ہیں۔ اور ان میں ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب اور دشمنانِ دین سے خبردار رہنے کی تنبیہ بھی موجود ہے۔ قرآن کے ذریعے اللہ نے جو راستہ بندوں کے لیے متعین کیا ہے اور معاشرت، تمدن اور اخلاق کے جو اصول بتائے گئے ہیں یہی ہر زمانے کے نیکو کاروں کا بنیادی دستور العمل رہا ہے۔ ان احکام میں تنگی اور سختی نہیں بلکہ نرمی اور تخفیف ہے اور انسان کی تمام کمزوریوں کا لحاظ ان میں رکھا گیا ہے۔ ہوائے نفس کے پرستار اور فسق میں گرفتار افراد ہمیشہ ان احکام میں عیب نکالتے اور لوگوں کو اس سے دور رکھتے ہیں کوشاں رہے ہیں۔ چاہے وہ عہد رسالت کے یہود و منافقین ہوں، یا آج کے مسیحی مستشرقین ہوں یا تنگ نظر اور شعائر دشمن قسم کے "روشن خیال" مفکرین۔

اے ایمان لانے والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے [illegible] لین دین چاہیے آپس کی رضامندی سے	يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَأْكُلُوٓا اے ایمان لانے والو! مت کھاؤ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ مال اپنے آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ یہ کہ ہو کوئی لین دین تمہاری باہمی رضامندی

Marfat.com

مِنْكُمْ ۛ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

سے — اور مت قتل کرو — اپنی جانوں کو آپس میں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

بیشک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ

اور جو کوئی کرے گا ایسا کام سرکشی سے اور

ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ

دھاندلی سے ۔ تو عنقریب ہم ڈالیں گے اسے آگ میں

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ

اگر تم بچتے رہو گے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے

عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ

تو ہم دور کر دیں گے تم سے تمہاری برائیاں اور

نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ہم جگہ دیں گے تم کو ایک مقام عزت میں

اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ یقیناً اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے

اور جو شخص ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا اس کو ضرور ہم آگ میں جھونک دیں گے اور یہ اللہ کے لیے بڑا آسان کام ہے۔

جن کاموں کے کرنے سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تم سے تمہاری برائیاں دور کر دیں گے اور تم کو مقام عزت میں جگہ دیں گے۔

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :-

تِجَارَۃً :- تَکُوْنَ (کان) کی خبر منصوب ہے۔ تَرَاضٍ :- رضی سے باب تفاعل کا مصدر ہے اور عَنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا :- حال یا تمیز یا مفعول لہ ہوکر منصوب ہے۔ نُصْلِیْ :- صلی سے اِفعال کا صیغہ مضارع ہے۔ (اِصْلَاء - آگ میں ڈال دینا)۔ یَسِیْرًا :- خبر کان منصوب ہے۔ کَبَآئِرَ :- اس کا واحد کَبِیْرَۃٌ ہے یہاں کَبَآئِرَ فعل تَجْتَنِبُوْا کا مفعول منصوب ہے اور مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ اس (کبائر) کا مضاف الیہ ہے۔ مُدْخَلًا :- مصدر (مفعول مطلق) ہوکر یا ظرف (مفعول فیہ) ہوکر منصوب ہے۔

تفہیم وتفسیر :-

ان تینوں آیتوں (۲۹-۳۱) کے مفہوم میں کوئی پیچیدگی نہیں اور نہ ہی کسی تفسیری نکتہ آفرینی کی ضرورت ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ ناجائز کمائی سے، خونریزی وسفاکی سے، ظلم ودھاندلی سے اور اس قسم کے دوسرے "شدید جرائم" سے منع کیا گیا ہے اور نافرمانی پر عذاب کی وعید مگر اطاعت کی طرف کوشش پر بھی اچھے نتائج مرتب ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ لہذا اصل ضرورت تو عمل کی ہے، البتہ حسب ذیل امور خاص طور پر ذہن نشین ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق دے :-

لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ :- یہاں باطل طریقے اور ناجائز ذریعوں سے مراد خیانت وبددیانتی کی ساری صورتیں تو ہیں ہی ——— کمائی اور آمدنی کے تمام غیر مشروع طریقے بھی اس میں شامل ہیں۔ اکتساب معاش کا جو طریقہ شریعت اور اخلاق میں ناجائز ہے وہ سب ناحق اور باطل ہے چاہے کوئی ملکی قانون اسے جواز کی سند بھی دے دے مثلاً سود، عصمت فروشی وغیرہ۔

اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً :- تجارت یعنی خرید وفروخت اور سوداگری پر نفع لینا جائز ہے۔ گاہک کو معلوم ہوتا ہے کہ دکاندار کچھ نہ کچھ منافع لے رہا ہے مگر نہ یہ خیانت

Marfat.com

ہے نہ شریعت میں ممنوع۔

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ:۔ اس باہمی رضامندی میں ـــــ گاہک و دکاندار کی باہمی رضامندی کی طرح ـــــ کسی طرح بھی ناجائز دباؤ اور فریب و دغا کا کوئی شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ تراضی کے معنی ہی فریقین کی رضامندی ہیں۔ اگر ایک فریق کی رضامندی کسی جبر یا فریب کا نتیجہ ہے مثلاً رشوت، جوئے یا نقلی مال میں ـــــ تو یہ "باہمی" رضامندی نہیں بلکہ "باطل طریقوں" میں سے ایک طریقہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ:۔ یہ نہایت جامع فقرہ ہے۔ اس کے تین مفہوم نکلتے ہیں۔ اور تینوں ہی درست ہیں۔

(۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ یعنی ہر انسانی جان کا بحیثیت انسان احترام کرو اور اسے تلف نہ کرو۔

(۲) خودکشی نہ کرو۔ یعنی دنیاوی حالات یا معاملات سے تنگ آکر ـــــ خودکشی اسلام میں حرام ہے۔ اور احادیث میں خودکشی پر عذاب کی وعید بیان ہوئی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بعض مذاہب میں خودکشی عبادت کی ایک قسم ہے۔

(۳) باطل طریقوں سے مال کھا کر اور ساری قوم میں یہ زہر پھیلا کر خود اپنی اور اپنے ملک و قوم کی ہلاکت کا سامان نہ کرو۔

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا:۔ احکامِ الٰہی کی دیدہ دانستہ خلاف ورزی، محرمات کا عمداً ارتکاب، دھونس دھاندلی کا قصداً استعمال اور ظلم و زیادتی پر فخر و ناز کرنے والا واقعی کسی رحم کا مستحق نہیں اور ایسے لوگوں کے لیے ـــــ **نُصْلِيهِ نَارًا** کے وعید کے بعد **وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا** غالباً اس لیے آیا ہے کہ ایسا آدمی عموماً اپنے لیے کسی دنیوی یا اُخروی سزا کا تصور بھی ناممکن خیال کر لیتا ہے۔

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ:۔ شریعت نے جن باتوں سے منع کیا ہے وہ سب ایک درجے میں نہیں۔ اس لیے آدمی کو کم از کم کبائر سے

Marfat.com

ضرور بچنا چاہیئے۔ لیکن گناہِ کبیرہ کون سا عمل ہوتا ہے ؟ اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کچھ منقول ہے۔ اس میں شرک ، والدین کی نافرمانی قتلِ ناحق ،غصب ، زنا ،تکبر ،جھوٹی قسم ۔جھوٹی گواہی ۔سود خوری یتیم کا مال کھانا ، کفار کے مقابلے پر پیٹھ پھیرنا ۔ پاکباز عورتوں پر تہمتِ زنا لگانا ،چوری ، خیانت ،شراب نوشی وغیرہ کا ذکر ہے ۔ پھر کبیرہ کا مفہوم متعین کرنے کے کچھ اصول بھی ہیں مثلاً ہر وہ عمل جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں مذکور ہو اور اس کے ارتکاب پر سزا اور عذاب کی واضح وعید بھی موجود ہو یا جس میں واضح طور پر دین کی ہتکِ حرمت کا پہلو نکلتا ہو۔ اسی طرح کسی فعلِ ممنوع کے کرنے والے کا ذہنی اندازہ جن حالات میں وہ فعل سرزد ہوا اور بندوں اور دین کے حق میں اس فعل کے نتائج بھی گناہ کی شدت کے مدارج متعین کرتے ہیں ـــــ یہی وجہ ہے کہ صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہے ـــــ بہرحال کبائر سے اجتناب دینی فکر کی سنجیدگی کی علامت ہے اور اسی لیے اس پر تکفیرِ سیئات کا وعدہ ہے۔

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلے پر زیادہ دیا ہے اس کا ارمان نہ کیا کرو۔ مردوں کو اپنی کمائی (اعمال) میں سے حصہ [illegible] اور [illegible]توں کو ان کی اپنی کمائی (اعمال) [illegible] حصہ ملے گا۔	وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ
	اور کچھ ارمان نہ کرو اس (چیز) کا جس میں بڑائی دی ہے اللہ نے
	بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ
	تم میں سے ایک کو دوسرے پر مردوں کے لیے
	نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ
	حصہ ہے اس میں سے جو (عمل) انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے
	نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ
	حصہ ہے اس میں سے جو (عمل) انھوں نے کمایا

Marfat.com

وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ	البتہ اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔
اور طلب کرو اللہ سے اس کا فضل بیشک	
اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا ﴿۳۲﴾	
اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے	

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَللّٰهُ :۔ فَضَّلَ کا فاعل مرفوع ہے۔ اور بَعْضَكُمْ۔ فَضَّلَ کا مفعول منصوب ہے۔ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ میں اللّٰهَ مفعول منصوب ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ میں اسم اِنَّ ہوکر منصوب ہے۔ عَلِـيْمًا :۔ کان کی خبر ہے۔

تفہیم وتفسیر:۔

اس آیت میں اجتماعی زندگی میں شب و روز پیش آنے والی ایک عام مگر اہم نفسیاتی الجھن کے بارے میں نہایت سکون بخش اور حکیمانہ ہدایت دی گئی ہے :۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ :۔

اللہ نے سب انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے درمیان مختلف پہلوؤں سے بیشمار فرق رکھے ہیں۔ مثلاً ذُکورۃ و اُنوثۃ (نر و مادگی) حسن و بدصورتی، خوش الحانی و بدآوازی، جسمانی قوت و ضعف ـــــ ذہانت و غباوت، صحت و مرض، سرمایہ و افلاس، عیش و محرومی، آقائی و بندگی، شہرت و گمنامی اور لذتوں اور تلخیوں میں سے کسی کو کچھ دیا ہے اور کسی کو کچھ ـــــ اسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدن کی بوقلمونی کا انحصار ہے اور اپنی فطری حد تک یہ تنوع عین تقضائے حکمت بھی ہے ـــــ مگر انسان کی یہ ایک نفسیاتی کمزوری ہے کہ جب وہ کسی کو کسی حیثیت سے اپنے مقابلہ پر زیادہ خوش قسمت پاتا ہے تو بے چین ہو جاتا ہے اور اس بے چینی کا غلط ردعمل کئی

Marfat.com

طرح ظاہر ہوتا ہے کبھی تو وہ ناجائز تدبیروں سے اپنی محرومی یا کمی کی تلافی کی کوشش کرتا ہے کبھی اپنے سے فائق کو اس نعمت سے محروم کرنے یا سرے سے اسے معدوم ہی کرنے پر اُتر آتا ہے کبھی مرعوب ہو کر اس قسم کے وہبی وطبعی امتیازات وفضائل کو ہی معیارِ حق قرار دے کر ان کی پرستش شروع کر دیتا ہے اور کبھی یاس وقنوطیت سے مغلوب ہو کر خودکشی کر گزرتا ہے ـــــ آیت میں ایسی ذہنیت سے بچنے کی تعلیم یوں دی گئی ہے کہ اس قسم کی طبعی و وہبی دنیوی برتری یا فوقیت کو قربِ حق میں مطلق دخل نہیں۔ اور نہ ہی اس کی بنا پر ایک دوسرے پر رشک کرنا اور ایک دوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت و تمنا کرنا درست ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ :۔ قربِ حق کا معیار صرف عمل واکتساب ہے۔ اللہ کے ہاں نجات ومغفرت یا بلندیِ درجات کا مدار ارادی واختیاری اعمال پر ہے نہ کہ کسی پیدائشی وہبی یا محض اتفاقی امتیاز پر ـــــ آیت کے شانِ نزول کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ بعض عورتوں نے، جن میں اُم سلمہ رضؓ بھی شامل تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے احساسِ کمتری کا اور مردوں پر رشک کا یوں اظہار کیا کہ ہم تو بے کار ہی پیدا ہوئی ہیں۔ مرد جہاد کا ثواب بھی پاتے ہیں اور غنیمت سے حصہ بھی۔ پھر میراث میں بھی مردوں کا حصہ دگنا ہے ہم عورتیں تو ہر طرح سے نقصان ہی میں رہیں۔ چنانچہ اس آیت میں عورتوں کے اس احساسِ کمتری کو دور کرتے ہوئے یہ تعلیم دی گئی کہ بعض تکوینی وتشریعی مصلحتوں کی بنا پر یہ تفاوت وامتیاز ہے مگر خدا کے قانونِ جزا کے سامنے مرد وعورت یکساں ہیں۔ حصول نجات یا قرب حق میں عورت کسی طرح بھی مرد سے فروتر نہیں۔ مرد محض مرد ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ اجر نہیں پا جائے گا اور عورت کے اجر میں محض عورت ہونے کی وجہ سے کمی نہیں ہوگی۔ یہی اصول دوسرے قدرتی وطبعی امتیازات میں سمجھ لیجئے

آیت میں ضمناً ایک بہت بڑے مسئلے "مساواتِ مرد وزن" کا صحیح فیصلہ

حل موجود ہے ــــ کاش کہ معاشی وسیاسی میدان میں "عورت کو ہر طرح مرد کے برابر مواقع" کا نعرہ لگانے والیاں اور ان کے ہمنوا اس قرآنی نکتہ کو سمجھ لیتے کہ مرد و عورت کے لیے "متفاوت مواقع کے باوجود برابر کے نتائج" کی بنیاد پر صحت مندانہ مسابقت کا اصل میدان تو "اکتسابِ عملِ خیر" کا میدان ہے۔

وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ اللہ کے فضل کی بےشمار صورتیں ہیں اگر اس نے کسی کو اپنے کسی خاص فضل میں سے کچھ دیا ہے۔ تو تم اس قسم کی تمنا کرنے کی بجائے کہ "کاش یہ چیز مجھے ملی ہوتی" اللہ سے اس کے فضل اور توفیقِ حسنِ عمل کی دعا مانگا کرو۔ وہ اپنے علم وحکمت سے تمہارے مناسب حال فضل کی کئی صورتیں پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرے کو اپنے سے زیادہ خوش قسمت پا کر حسرت وارمان کا اظہار اس لیے بھی غلط ہے کہ یہ احساسِ محرومی اور غلبۂ یاس کا سبب بنتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ سے فضل وکرم کا طلبگار ہونا، سکونِ خاطر، غنائے قلب اور خود اعتمادی کا موجب بنتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا	اور ہم نے ہر اس مال کے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ مریں (ہر ایک کے لیے) وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں سے تمہارے عہد و پیمان ہیں ان کا حصہ
اور ہر ایک چیز کے ہم نے مقرر کر دیئے وارث / حق دار اس (مال) میں سے	
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ	
جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت دار	
وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ	
اور جن لوگوں کو باندھ رکھا ہے / پابند عہد کیا ہے تمہارے عہدوں نے / تمہاری قسموں نے	

Marfat.com

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ		(ابھی) انہیں دو یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ (نگران) ہے۔
پس دے دو ان کو — ان کا حصّہ — بیشک اللہ		
كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾		
ہر چیز — پر — گواہ / مطلع — ہے		

لغوی ونحوی اشارات:۔

لِكُلٍّ کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی یہ لِكُلِّ شَيْءٍ مِّمَّا تَرَكَ ... سے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لِكُلِّ احدٍ مِّنَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ سمجھا جائے۔

مَوَالِيَ:۔ جَعَلْنَا کا مفعول منصوب ہے۔ اس کا واحد مَوْلٰی ہے جس کے معنی وارث بھی ہوتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہیں۔ اَيْمَانُكُمْ:۔ عَقَدَتْ کا فاعل ہو کر مرفوع ہے۔ اَيْمَان کا واحد يَمِيْنٌ ہے جس کے معنی دایاں ہاتھ بھی ہوتے ہیں اور قسم بھی۔ یہاں موخرالذکر معنی مراد ہیں۔

تفہیم وتفسیر:۔

جاہلی عرب میں یہ دستور تھا کہ دو شخص باہم قول وقرار کر کے اس طرح دوست و مددگار بن جاتے کہ ایک دوسرے کے قرضوں اور واجبات کے ذمہ دار ایک دوسرے کی میراث کے حق دار ہوتے تھے۔ اس عہد کو حلف الموالاۃ اور ایسے آدمیوں کو آپس میں ایک دوسرے کا مَوْلَى الموالاۃ کہتے تھے۔ اسلام نے شروع میں یہ دستور اس طرح قائم رکھا کہ انصار ومہاجرین میں مواخات قائم کر کے باہم میراث جاری کر دی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس قسم کے عہدی وارث کا حصہ کل ترکے میں ⅙ متعین کر دیا گیا تھا۔ مگر بعد میں سورہ الاحزاب اور سورہ الانفال میں وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

Marfat.com

والی آیتیں نازل ہوئیں تو نسبی قرابت کو میراث کا بنیادی اصول قرار دیا گیا پھر سورۃ النساء میں آیات میراث کے نزول پر تو سب اقرباء کے حصے مقرر ہو گیے اور اب عہدی وراثت کی گنجائش نہ رہی   آیت زیر بحث کے پہلے حصّے (وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا . . . الْأَقْرَبُونَ) میں اسی عہدی وراثت کے طریقے کو منسوخ کیا گیا ہے۔ اس حصّے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے "موالی نسب" مقرر ہو گئے۔ لہٰذا موالی الموالاۃ کا حصہ نہ رہا۔ لیکن دوسرے حصّے (وَالَّذِينَ عَقَدَتْ . . . نَصِيبَهُمْ) میں عہدی وارثوں کو جو اُن کا حصہ دینے کا حکم ہے۔ اس کے دو مطلب لیے گیے ہیں۔

(۱) زندگی میں بطور صلہ محبت جو چاہو ان کو دے دو۔

(۲) اقارب ورثاء نہ ہونے کی صورت میں ایسے لوگ وارث ہوں گے۔

اسلامی قانون وراثت میں اب بھی موالی الموالاۃ کو اپنے درجہ پر وارث قرار دیا جاتا ہے بشرطیکہ ان سے اوپر کا کوئی وارث موجود نہ ہو۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ	مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔
مرد حاکم سر دھرے یعنی عورتوں پر ہے	
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ	اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے ایک یعنی (مرد) کو دوسرے یعنی (عورت) پر بڑائی دی ہے۔ نیز اس بنا پر بھی کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں
اس لیے کہ بڑائی دی ہے اللہ نے ان میں سے ایک کو	
عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا	
دوسرے پر اور اس لیے کہ وہ خرچ کرتے ہیں	
مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ	پس جو نیک بخت بیبیاں
اپنے مالوں میں سے پس نیک بخت بیبیاں (تو)	

Marfat.com

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ

فرماں بردار ہوتی ہیں (اور) نگہبان ہوتی ہیں (خاوند کی) پیٹھ پیچھے (ان کی)

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ

ہر اس چیز کی کہ حفاظت کی تاکید کی / توفیق دی ہے اللہ نے مگر جو عورتیں ایسی ہوں
اس لیے کہ ... اور

تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

کہ تمہیں اندیشہ ہو ان کے سر چڑھنے / کی سرکشی کا تو پہلے تو ان کو سمجھاؤ

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

اور (باز نہ آئیں تو) علیحدہ رہو ان سے خوابگاہوں میں (اور اس پر بھی باز نہ آئیں)

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

ان کو مارو / دھول دھپہ کردو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں

فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ

تو تم بھی نہ ڈھونڈو ان پر ... کے خلاف ... راہ (الزام)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۳۴)

بیشک اللہ ہے (سب سے) برتر / بالا (اور سب سے) بڑا

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو ضد و نااتفاقی کا ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان

ہیں وہ (تو) اطاعت
شعار ہوتی ہیں اور (مرد)
کی پیٹھ پیچھے (یعنی) ان
کی حفاظت میں ...
ان کے حقوق کی بھی نگہداشت
ہوتی ہیں اور جو عورتیں
ایسی ہوں کہ تم کو ان کی
سرکشی کا اندیشہ ...
پہلے انہیں ...
سمجھاؤ اور ...
خوابگاہوں میں ...
... باز نہ آئیں ...
باز نہ آئیں تو ...
پٹائی کردو ...
اطاعت کرنے لگیں ...
بھی (ناحق) ...
خلاف بہانہ ...
...
اللہ (موجود ...)
برتر اور بڑا ہے
اور اگر تم (لوگوں) کو ان
میاں بیوی کی باہمی ...
کی بنا پر معاملہ کے بگڑ
جانے کا اندیشہ ...

Marfat.com

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

تو مقرر کرلو ایک ثالت (منصف) مرد کے خاندان سے

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

اور ایک ثالث (منصف) عورت کے خاندان سے اگر ان

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ

دونوں کی نیت ہوگی (واقعی) اصلاح حال کی تو موافقت پیدا کرے گا اللہ

بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

ان دونوں کے درمیان بیشک اللہ سب کچھ

عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

جاننے والا بڑا باخبر ہے

تو ایسا کرو کہ ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک ثالث عورت کے خاندان سے (چن کر) مقرر کرلو۔ اگر ان دونوں کی نیت واقعی اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت (کی کوئی صورت) پیدا کردے گا بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑا باخبر ہے۔

لغوی ونحوی اشارات :۔

اَلرِّجَالُ :۔ مبتدا مرفوع ہے۔ قَوّٰمُوْنَ :۔ خبر نکرہ مرفوع ہے اور یہ قوّام کی جمع سالم ہے جو قَامَ يَقُوْمُ بِالْاَمْرِ وَعَلَى الْاَمْرِ (ذمے لینا۔ نگرانی کرنا) سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں (۱) کسی کام کے لیے ذمہ داری کا اہل (۲) کسی کام کا بااختیار ذمہ دار۔ قَيِّم اور قَوَّام ہم معنی ہیں مگر قوّام زیادہ بلیغ ہے۔ عَلَى النِّسَآءِ :۔ جار مجرور متعلق خبر ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ :۔ مبتدا ہو کر رفع میں ہے اور قٰنِتٰتٌ اور حٰفِظٰتٌ اس کی خبریں۔ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ میں اللّٰهُ فاعل مرفوع ہے اور اس میں مَا مصدریہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا "اللہ کے حفاظت کرنے

Marfat.com

ہے"۔ اور مَا بمعنی اَلَّذِی بھی ہوسکتا ہے۔ اگر اس صورت میں ضمیر عائد محذوف ہے گویا وہ حَفِظَهُ اللّٰهُ ہے اس طرح ترجمہ یوں ہوگا "جسے اللہ نے محفوظ رکھا ہے" —— نُشُوْزَهُنَّ :۔ مرکب اضافی ہے اور تَخَافُوْنَ کا مفعول منصوب ہے —— نَشَزَ يَنْشِزُ نُشُوْزًا کے معنی ہیں :۔ مقابلے پر اُتر آنا۔ دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہو جانا۔ اَلْمَضَاجِع کا واحد مُضْجَعٌ ہے جو ضَجَعَ يَضْجَعُ (پہلو کے بل لیٹنا) سے اسم ظرف ہے۔ فَلَا تَبْغُوْا :۔ بَغٰى يَبْغِىْ (تلاش کرنا) سے فعل نہی ہے اور سَبِيْلًا اس کا مفعول منصوب ہے۔ اس جگہ سَبِيْل کے معنی ہیں گرفت یا الزام عَلَيْهِنَّ متعلق فعل ہے اس طرح فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا کا ترجمہ ہوگا "مت ڈھونڈو ان کے خلاف الزام"۔ میرے خیال میں اس عبارت کی ایک اور لغوی و نحوی توجیہہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ اسے بَغٰى يَبْغِىْ عَلٰى فُلَانٍ (کسی پر زیادتی و سرکشی کرنا) سے سمجھا جائے (یعنی عَلٰى صلۂ فعل ہے)۔ اور سَبِيْلًا کو فعل کی تمیز منصوب سمجھا جائے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا "مت زیادتی کرو ان پر بلحاظ گرفت و الزام کے" (واللہ اعلم)۔ حَكَمًا : وَابْعَثُوْا کا مفعول منصوب ہے —— بَعَثَ يَبْعَثُ :۔ اٹھانا۔ بھیجنا۔ مقرر کرنا۔

تفہیم و تفسیر :۔

یہاں موضوع کی اہمیت کے پیش نظر پہلے کچھ تمہیدی کلمات ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کی اجتماعی زندگی میں کنبہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی بھی اجتماعی نظام حیات اپنے افراد کی عائلی زندگی کو اپنے مجموعی تمدنی مزاج سے ہم آہنگ کئے بغیر چل نہیں سکتا —— اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نظام اجتماعی کے عائلی اصول زندگی کی حقیقتوں اور فطرت انسانی کی مصلحتوں پر مبنی ہونے چاہئیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ خود ان حقیقتوں اور مصلحتوں کا تعین کرنے میں محض عقل انسانی پر بھروسہ کیا جائے یا وحیٔ الٰہی پر —— مگر یہ عجیب بات ہے اور مرد و عورت کے تعلق کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ عائلی زندگی کے متعلق دستوری یا قانونی انداز میں سوچتے وقت بھی

Marfat.com

حقائق سے زیادہ جذبات غالب آجاتے ہیں۔

(۲) سورۃ النساء کی ان دو آیتوں (۳۴ و ۳۵) میں بھی عائلی زندگی کے متعلق نہایت اہم احکام بیان ہوئے ہیں ـــــ خصوصاً اس "ہیجان انگیز" سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ عائلی زندگی میں بالادستی مرد کو حاصل ہونی چاہیئے یا عورت کو؟ اور کیوں؟ـــــ لہٰذا ان آیات کو سمجھتے وقت ایک مسلمان مرد یا عورت کو جنسی تعصب کے جذبات سے خالی ہو کر ان تکوینی حقیقتوں، تشریعی حکمتوں اور انسانی مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جن پر یہ احکام مبنی ہیں اور جن کی طرف خود وحی الٰہی نے رہنمائی بھی فرما دی ہے۔

(۳) آیت ۳۴ کے شانِ نزول میں جو واقعہ مروی ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عائلی قوانین کے بارے میں جذبات سے مغلوب عقل کی بجائے علم الٰہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابی سعید بن الربیع انصاری نے کسی بات پر ناراض ہو کر اپنی بیوی کو ایسا طمانچہ مارا کہ عورت کے منہ پر نشان پڑ گیا ـــــ زیادتی خدا جانے کس کی تھی۔ لیکن یہ بی بی اپنے باپ (محمد بن مسلمہ انصاری) کو ہمراہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنی شکایت پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی طرح تھپڑ مار کر بدلہ لینے کی اجازت دی۔ یہ باپ بیٹی وہاں سے نکل کر ابھی گھر بھی نہیں پہنچے تھے کہ حضورؐ نے آدمی بھیج کر راستے سے ہی واپس بلا لیا۔ انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا ابھی ابھی جبریلؑ یہ آیت لے کر آئے ہیں۔ پھر بدلہ لینے سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرَدْنَا اَمْرًا وَاَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا۔ وَالَّذِیْ اَرَادَ اللّٰهُ خَیْرٌ۔
(یعنی ہم [illegible] چاہا مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہوا۔ مگر جو اللہ کو منظور ہوا ہے بہتری اسی میں [illegible]

اب ان آیات کے ایک ایک جملہ کو لیجیے:۔

Marfat.com

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ:۔ قوّام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا جاتا ہے اور گو اصل عربی لفظ کی سی وسعت و بلاغت اس میں نہیں تاہم یہ بالکل درست ترجمہ ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے یہاں حاکم کے معنی ہی یہ سمجھے جاتے ہیں۔ "جسے کسی کو خواہ مخواہ تنگ کرنے کا اختیار ہو"۔ حالانکہ لفظ "حاکم" کے درست مفہوم میں اختیارات کے ساتھ ذمہ داریوں کا تصور بھی شامل ہے اور یہی معنی قوّام کے ہیں۔ قوّام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے معاملات کو درست طریقے پر چلانے اس کو تکلیف اور نقصان سے بچانے اور اس کی جملہ ضروریات بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔ اور وہ اس ذمہ داری کا اہل بھی ہو۔ ان معنوں میں مرد عائلی زندگی میں عورت کا قوّام یعنی حاکم ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اسی لیے قوّام کا ترجمہ "تدبیر کار کنندہ" کیا ہے ۔۔۔۔ حفاظت۔ نگرانی اور تدبیر کار کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اختیارات حاصل ہونا ضروری ہیں اور ان اختیارات میں حقِ اطاعت سب سے مقدم ہے۔

(۲) عورت پر مرد کی یہ حاکمیت ہر قابلِ ذکر تمدن میں تسلیم کی گئی ہے کم وبیش تمام مذاہب بھی اسی پر متفق ہیں۔ افراط اور تفریط سے قطع نظر اقوام و مذاہب کی ساری تاریخ اس اصول کو تسلیم کرتی نظر آتی ہے کہ عورت کو مرد کی اس حاکمیت کی ضرورت ہے۔ ؎

نے پردہ نہ تہذیب نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا محافظ ہے فقط مرد

(۳) مرد کی "قوّامیت" کا یہ حق عورت کے جائز قانونی حقوق اور شرعی واجبات پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مرد کے یہ حاکمانہ اختیارات "معروف" کی شرعی قید سے مقید اور ازدواجی زندگی کی حد تک محدود ہیں۔ اس کی بہترین تفسیر خود قرآن نے ہی سورہ البقرہ کی اس آیت میں نہاں [illegible] کر دی ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ

Marfat.com

عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (عورتوں کے لیے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے ان پر حقوق ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔
جو اقتصادی اور مدنی حقوق عورت کو اسلام نے دیئے ہیں ——— اور کسی دوسرے مذہب یا قانون نے اتنے حق عورت کو نہیں دیئے ——— مرد ان میں سے کوئی حق عورت سے نہیں چھین سکتا۔

(۴) تمدنی زندگی میں کنبہ سب سے پہلا اجتماعی یونٹ ہے جس میں کم از کم ایک مرد اور ایک عورت شامل ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ طے کر دیا جائے کہ متنازعہ فیہ امور میں اس یونٹ کے کس فرد کو حکم نافذ کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ کہنا کہ "دونوں اتفاق رائے سے کام کریں، لایعنی ہے۔ اتفاق رائے سے روکا کب گیا ہے؟ سوال تو یہی ہے کہ جب اتفاق رائے نہ ہو سکے تو کیا کیا جائے؟ یہاں ضروری ہے کہ ایک کی رائے کو مقدم کیا جائے اور قرآن نے یہی حق مرد کو دیا ہے۔ جس جس مسئلے میں شرعی قانون مرد و عورت، دونوں کے لیے موجود ہے اس میں تو کسی کو بھی اپنی رائے نافذ کرنے کا حق ہی نہیں ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (کسی مومن مرد یا عورت کو حق نہیں کہ کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی موجودگی میں اپنا اختیار استعمال کرنے لگیں)۔ رہی یہ بات کہ یہ حق مرد کو کیوں دیا گیا ہے تو قرآن پاک اس کی دو وجہیں بیان کرتا ہے:۔

(۱) بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ:۔ اول تو وہ طبعی وہبی برتری جو مرد کو عورت پر اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۳۲ میں یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ روحانیت کی دنیا میں یعنی قرب حق اور حسن عمل کے لحاظ سے تو مرد و عورت کی حیثیت اللہ کے سامنے مساوی ہے ——— البتہ بعض طبعی امور میں تفاوت ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ تفاوت

Marfat.com

اللہ کے ہاں اعمال کی مقبولیت پر تو اثر انداز نہیں ہوتا۔ مگر دنیوی معاملات اور انتظامی امور میں ضرور ایک کو دوسرے پر غلبہ اور تفوق دیتا ہے اور ہر ایک کا دائرہ عمل متعین کر دیتا ہے۔ مرد و عورت میں یہ "فطرتی فرق" اور مرد کا یہ "قدرتی تفوق" محض سطحی اور صوری قسم کا بھی نہیں ہے کہ مثلاً چونکہ مرد کی مونچھیں ہوتی ہیں اور عورت کی نہیں اور اختیارات کے لیے موزوں مونچھوں والا ہی ہوتا ہے لہذا مرد حاکم ٹھہرے ہرگز نہیں۔ قرآن کا "نظریہ تفضیل مرد" محض ایک ہوائی اور فرضی بات نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہے جس کی صداقت پر حیاتیات (Biology) نفسیات (Psychology) اور عمرانیات (Sociology) کے جدید ترین انکشافات گواہ ہیں۔ مرد کی جسمانی قوت اور عورت کی نزاکت، مرد کی شجاعت و جرأت اور عورت کی رقت قلب و شفقت ___ مرد کی فکر و ادراک اور عورت کی جذباتیت، مرد میں حفاظت کی قدرت اور عورت کو حفاظت کی ضرورت، مرد میں مستقل صلاحیت کارکردگی اور عورت میں عدت، حمل و رضاعت کی مجبوریاں۔ یہ تو اس فرق کی صرف چند عام مثالیں ہیں مستثنیات کا ہر جگہ امکان ہے۔ مگر بات جب اصول نظام کی ہو تو مجموعی صورت حال اور اکثریتی حیثیت کا لحاظ رکھا جائے گا نہ کہ کسی منفرد کیفیت کا ___ اس طرح قرآن کریم عورت کو اس کا ٹھیک فطری و طبعی مقام دیتا ہے جس میں نہ تو بیجا تحقیر و تذلیل کا کوئی پہلو ہے اور نہ ہی مساوات و آزادی کی کوئی گنجائش۔ عورت کا مقصد تخلیق ماں بننا ہے نہ کہ لیڈر بننا۔ جتنی عزت دنیا میں لیڈر بننے والیوں کی ہوتی ہے اتنی ماں والیوں کو کہاں نصیب ہے؟

(۲) وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ مرد کو عورت پر فوقیت کی دوسری وجہ اقتصادی و معاشی ہے یعنی ازدواجی زندگی میں مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہے اور وہ اس کے اخراجات کا کفیل ہوتا ہے۔ اور زیر کفالت کو اپنے کفیل کے احکام کے تابع ہونا چاہیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر

Marfat.com

ہے کہ اسلام میں عورت کو مستقل حقوق ملکیت حاصل ہیں۔ اور ان حقوق کے نتیجے میں چاہے وہ کتنی ہی امیر کیوں نہ ہو، ازدواجی زندگی کی مالی ذمہ داریوں کے بارے میں اس پر قطعاً کوئی قانونی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ صرف یہی نہیں بلکہ خاوند اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے ذاتی مالی امور میں دخل دینے کا حقدار نہیں ہے۔ اس طرح مسلمان عورت بیک وقت دوہرے اقتصادی و مدنی حقوق سے متمتع ہوتی ہے۔ ہر قانونی حق (Right) کے مقابلے پر ایک قانونی واجب (Duty) بھی ہوتا ہے۔ عورت کو خاوند پر نفقہ وغیرہ کا جو حق حاصل ہے اس کے مقابل اس پر خاوند کا حقِ اطاعت واجب ہے۔

آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی نظام میں روزی کمانا اور بیوی بچوں کے خرچ کا بوجھ اٹھانا مرد کے ذمے ہے۔ بنیادی طور پر اسلام نے عورت کو غمِ روزگار کی تلخیوں اور نسوانیت کش معاشی مشقتوں (Economic Drudgery) سے الگ سی رکھا ہے اور اس کے مادرانہ فرائض اور پرورش و تربیت کی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ عائلی زندگی کی گھریلو ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہونے کے لیے محض جزوقتی توجہ کافی (Part-time job) نہیں ہے۔ اس کے لیے کُل وقتی جاں نشانی کی ضرورت ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ

پس اس اصول کی بناء پر کہ ازدواجی زندگی میں سربراہ مرد ہوگا۔ اسلامی معاشرے میں عورت کی صلاحیتوں کو جاہلی مقاصد کی جستجو میں غارت ہو جانے کی بجائے نیکی اور پارسائی اور ایمان و عمل صالح کی صورت میں بروئے کار آنا چاہیئے۔ اس نقطۂ نظر سے نیک بخت بیبیاں اور مثالی خواتین وہ سمجھی جائیں گی جن میں کم از کم یہ دو صفات ہوں۔

Marfat.com

(۱) ایک تو یہ کہ وہ قَانِتَات یعنی فرماں بردار ہوں۔ قُنُوت کے معنی ہیں ادب اور اطاعت اور اس سے مراد خداوند اور خداوندوں کی فرماں برداری ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے متعلق حکم یہی ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ (اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو) اسی طرح مریم علیہا السلام کے متعلق ہے۔ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (وہ اللہ کے فرماں برداروں میں سے تھیں) اس طرح لفظ قانتات سے یہ بات خود بخود معلوم ہو گئی کہ عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت خدا کی اطاعت کے تابع ہے۔ گناہ اور معصیت کے کام میں خاوند کی اطاعت ضروری نہیں ہے بلکہ ایسی اطاعت خود گناہ ہے ـــــ خدا کی فرماں برداری میں شوہر کی فرمانبرداری بھی شامل ہے مگر شوہر کی فرمانبرداری میں خدا کی نافرمانی شامل نہیں ہے ـــــ قانتت کے لفظ میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ عورت اپنے خاوند کی مزاج شناس بنے اور اس بات کی کوشش کرے کہ وہ مرد کے لیے ذہنی و نفسیاتی سکون کا باعث ہو۔ اسے چاہیئے کہ وہ ازدواجی زندگی اور اس کے گرد گھومنے والے تمام مسائل میں مرد کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کر کے اس کی الجھنوں میں کمی اور اس کی مسرتوں میں اضافہ کرے۔

(۲) نیک بیویوں میں دوسری خوبی یہ ہونی چاہیئے کہ وہ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ کی مصداق ہوں یعنی وہ خاوند کی غیر موجودگی میں بھی اس کے حقوق کی حفاظت کریں۔ انہیں معلوم ہو کہ اللہ نے کن چیزوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے وہ اس بات پر شکر گزار ہوں کہ اللہ نے ان کو گھر کی محفوظ زندگی کا موقع دیا ہے وہ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اور وہ اللہ کی توفیق سے اپنی عصمت، شوہر کے راز و امانت، اس کے مال و جائداد اور اس کی عزت و ناموس کی نگہداشت اس کی پیٹھ پیچھے بھی کرتی ہیں ـــــ الغرض وہ امانت، ذمہ داری اور ذمہ داری کے اعتماد کی اہل ثابت ہوں۔ بہترین بیوی کے اوصاف کے بارے میں یہ حدیث نبوی اس آیت کی بہترین تفسیر ہے: "خَیْرُ النِّسَآءِ اِنْ نَظَرْتَ اِلَیْھَا سَرَّتْکَ وَاِنْ اَمَرْتَھَا اَطَاعَتْکَ وَاِنْ غِبْتَ عَنْھَا حَفِظَتْکَ

Marfat.com

فِیْ مَالِهَا وَ نَفْسِهَا (بہترین بیوی وُہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے جب تم اسے کوئی بات کہو تو وہ فوراً مانے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو وہ تمہارے پیچھے اپنے مال اور اپنے جسم کی حفاظت کرے)

لمحۂ فکریہ :- ہماری یونیورسٹیاں اور کالج جو اعلیٰ تعلیم یافتہ فرنگیت مآب مائیں تیار کر رہے ہیں۔ ان کو قرآن کے اس "نظریۂ صالحات" سے کتنی مناسبت ہے؟ (فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ؟ سوچو رُخ کدھر ہے؟)

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ :۔ مگر جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی سے اندیشہ مند ہو۔ نیکی اور شائستگی سے عاری بلکہ نہایت بدمزاج اور بدخصلت عورتوں سے کوئی سوسائٹی کبھی یکسر پاک نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی عورتیں ہمیشہ عائلی زندگی میں ایک "مسئلہ دشوار" ثابت ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کے کامل اور ہمہ گیر قانون ہونے کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس "عالمگیر مسئلے" پر خاموش نہ رہتا۔ چنانچہ اب اس آیت میں عورتوں کی اسی "چوتھی قسم" کا تذکرہ ہے کہ جن کی سرکشی تمہارے لیے ایک خوفناک مسئلہ بن جائے۔ خائف ہونا (تَخَافُوْنَ) سے مراد محض بدگمانی یا دُور کا احتمال نہیں کیونکہ ظن و وہم تو خود ہی قرآن میں ممنوع ہیں ان پر کسی شرعی حکم کی بنیاد کیوں رکھی جا سکتی ہے؟ ــــــ عورت کا اپنے جائز شرعی حقوق پر اصرار کرنا بھی نشوز میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ نشوز (سرکشی) سے مراد یہ ہے کہ عورت شوہر کی نافرمانی پر کمر ہی باندھ لے ــــــ خاوند کے ازدواجی حقوق کی ادائیگی سے انکار کر دے۔ خاوند کو ناجائز طریقوں سے ستانے لگے۔ محبت و تعاون کی بجائے بغض و مخالفت اور پُرمسرت و پُرسکون ازدواجی زندگی کی بجائے ایک تصادم اور بغاوت کی صورت پیدا ہو جائے۔ اور اس ساری صورت حال کی ذمہ دار عورت ہی ہو تو کیا کیا جائے؟ (نشوز مرد کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور اس کا ذکر اسی سورہ کی آیت ۱۲۸ میں آ رہا ہے)

فَعِظُوْهُنَّ :- ایسی سرکش و نافرمان بیویوں کا پہلا نفسیاتی علاج یہ ہے

Marfat.com

کہ انھیں نرمی اور سلیقے سے سمجھاؤ۔ اس میں مرد کے لیے بھی نصیحت ہے کہ غصّہ میں آکر فوراً کوئی سخت کارروائی نہ کر گزرے۔ فوراً بدخوئی پر اُتر آنا جتنا عورت کے لیے مذموم ہے اتنا ہی مرد کے لیے بھی۔ خیال رہے یہاں لفظ "وعظ" ہے جس کے معنی ڈرانا دھمکانا یا زبانی وارننگ دے دینا نہیں بلکہ ازراہِ خیر خواہی سمجھانا اور راہِ راست پر لانے کی مخلصانہ کوشش کرنا اس کے مفہوم میں شامل ہے

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ۔ اگر وعظ و نصیحت کارگر نہ ہو تو اس نفسیاتی علاج کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایسی عورتوں سے روٹھ جاؤ اور اس روٹھنے کا اظہار اس طرح کرو کہ ان سے بولنا ترک کر دو اور ان سے تعلقات ہمبستری منقطع کر لو۔ خیال رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر مرد کو گھر چھوڑنے سے منع فرمایا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اسی گھر میں رہتے ہوئے یہ تادیبی بائیکاٹ کرے"۔ وسائل میں "ہجر" کی اس سزا میں جو نفسیاتی و معاشرتی حکمتیں ہیں ان کو اصحابِ بصیرت بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر عورت محض ترپاہٹ کی بنا پر شوخی کا مظاہرہ کر رہی ہوگی اور اس کی اصل نیت میں خرابی نہیں ہوگی تو مرد کا یہ اقدام اس پر یقیناً بہت شاق گزرے گا۔ اس لیے سے ترکِ تعلقات کی یہ تدبیر ایک علاج بھی ہے اور عورت کا "درجہ نفس" متعین کرنے کا ایک پیمانہ یا اس کی "ہوائے نفس" کا رخ متعین کرنے کا بیرومیٹر بھی

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۔ اب اگر یہ "بستری مشاہدہ"[1] ical Ob servation بھی "مرض" کے لاعلاج ہونے کا پتہ دے یعنی عورت ترکِ تعلقات کر لینے اور روٹھ جانے پر بھی ٹس سے مس نہ ہو تو آخری چارہ کار کے

---

[1] کسی مرض کے حالات و علامات کتاب میں پڑھنے کی بجائے خود مریض کے بستر پر کھڑے ہو کر مشاہدہ کرنے کے لیے طبی اصطلاح ہے۔ اس کی اصل لاطینی لفظ (Clinicus) بمعنی "بستر" ہے۔ وفیہ ما فیہ۔

Marfat.com

طور پر ایسی عورتوں پر جسمانی سزا کا "نسخہ" بھی استعمال کر کے دیکھ لیا جائے کیونکہ بعض انسانی طبائع پر ڈنڈے کے "شفا بخش" اثرات فوراً ظاہر ہوتے ہیں :-

---

عورت کو مار پیٹ کی اس اجازت میں بعض غیر مسلم مغربی مفکرین کو (جو ہمیشہ سے اونٹ کو نگلنے اور مچھر کو چھاننے کے عادی ہیں) اسلام کے "گھٹیا مذہب" ہونے کے دلائل میں سے ایک "زبردست" دلیل نظر آئی جس پر اپنے کچھ "روشن خیال" بھی جھینپنے لگے ہیں —— اس لیے یہاں اس مسئلہ کی ذرا وضاحت کر دینا ضروری ہے

(۱) مارنے کی یہ اجازت صرف اس عورت کے لیے دی گئی ہے جس میں اچھی اور نیک بیوی کی لازمی صفات، مثلاً خاوند کی فرماں برداری اور اس کی غیبت میں اس کے حقوق، مال، ناموس کی حفاظت نہ پائی جائیں۔ بلکہ جو غلط راستے پر پڑ کر احساس ذمہ داری سے اتنی عاری ہو چکی ہو کہ خاوند سے رغبت دولبری کا اظہار اور چاہت و گرمجوشی کا سلوک تو در کنار، وہ رشتۂ ازدواج کے کم از کم قانونی اور معاشرتی تقاضوں کا بھی لحاظ نہ کرے۔

(۲) اصلاح حال کی ان تینوں تدبیروں (سمجھانا، روٹھنا اور پیٹنا) کا استعمال لازمی اور ضروری نہیں بلکہ ان کی صرف مشروط اجازت ہے۔ پھر ان تینوں تدبیروں کو یک وقت نہیں بلکہ درجہ بدرجہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جہاں پہلی کارگر ہو وہاں دوسری کی ضرورت نہیں۔ تیسری تدبیر (پٹائی) تو آخری چارۂ کار کے طور پر بیان ہوئی ہے۔

(۳) مار پیٹ کی یہ [illegible] مجبوری اجازت بھی بطور ایذا و انتقام نہیں بلکہ بغرض اصلاح حال دی گئی ہے۔ [illegible] میں اول تو نصیحت اور کنارہ کشی کو سزا پر مقدم کیا گیا ہے اور پھر سزا کی اجازت [illegible] فوراً بعد (جیسا کہ آگے آرہا ہے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر سزا سے مطلوبہ نتائج [illegible] اطاعت زوج) حاصل ہو جائیں تو آئندہ سزا کا استعمال بلکہ بیوی کو ستانے کے لیے بہانوں کی تلاش بھی مت کرو۔ اگلی آیت ۳۵ میں اس بات کا صاف قرینہ موجود ہے کہ اگر مار پیٹ بھی بے سود ثابت ہو تو اس تدبیر کو

Marfat.com

بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں بلکہ اب اس جھگڑے کو دوسرے طریقے (ثالثی) پر حل کرنے کی کوشش کرو۔

(۴) چونکہ اس سزا کا مقصد انتقام نہیں بلکہ اصلاح ہے اس لیے سزا کے اس "حق" کو بھی اندھا دھند استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کو ایسی چیز سے نہ مارا جائے جس سے جسم پر زخم پڑ جائے یا جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔ اسی طرح حضورؐ نے عورت کے منہ پر مارنے اور بے رحمی سے مارنے سے بھی منع فرمایا ہے ـــــ اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ارشادات کی بنا پر ہے کہ تمام مفسرین نے اس حصہ آیت کی تفسیر میں "اس مار" کے ہلکی ہلکی ہونے پر زور دیا ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سزا ایسی نہیں ہونی چاہئے جس سے شدید چوٹ آجائے۔ سزا ایسی بھی نہ ہو کہ کوئی بڑا نشان پڑ جائے۔ اور نہ ہی ایسی کہ جس کا درد بے چین کر دے۔ بلکہ بعض سے تو یہ بھی منقول ہے کہ یہ مار مسواک یا رومال جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ اور بعض دوسرے ائمہ (جن میں امام شافعی رح بھی شامل ہیں) نے ترکِ ضرب کو مستحسن قرار دیا ہے۔

(۵) قرآن مجید ساری دنیا کے لیے کتاب ہدایت ہے ترقی یافتہ اور پس ماندہ ہر طرح کی قوم کے لوگ، ادنیٰ و اعلیٰ ہر ذہنی سطح کے لوگ، نیک و بد ہر مزاج و طبیعت کے لوگ، شائستہ و گنوار، طبقے کے لوگ اس کے مخاطب ہیں۔ مزید برآں ہر دور اور ہر زمانے میں بشری ضروریات اور انسانی ماحول کی بیشمار صورتیں پیش آتی ہیں دنیا میں بہت سے طبقے اور بہت سے معاشرے ایسے ہیں (مہذب یورپ اور امریکی دنیا بھی اس سے خالی نہیں ہے) جہاں عورت کے لیے جسمانی سزائیں عام ہیں اور اپنے مفید نتائج کے باعث عام ہیں ـــــ مزاج ذہن کو درست رکھنے کی یہ تدبیر ان ہی ہے کہ اس قسم کے طبقوں کے لیے ہے۔ اور یوں فلسفہ سمجھانا الگ بات ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کے کسی بھی شعبہ ایک ہی مرتبے تین بار فرمانا

کی عملی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کے درست یا غلط استعمال پر بحث ہو سکتی ہے۔

(۶) حاکم اور نگرانِ امور کو اس کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے کچھ ایسے اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا استعمال بدرجۂ مجبوری ہی جائز ہوتا ہے ــــ ایسے اختیارات کا غلط استعمال نہایت خطرناک ہوتا ہے، جیسا کہ ہم اپنی سیاسی، معاشرتی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر محض غلط استعمال کے خطرے کی بناء پر حاکم کو ایسے اختیارات سے کلیتہً محروم کر دینا بھی خلافِ مصلحت ہوتا ہے۔ مرد کی عورت پر "قوامیت" اور اسے نافرمان عورت کو ایک مرحلے پر سزا دینے کی اجازت، اسی اصول کی بناء پر ہے۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس سلسلے میں مقصدِ شارع کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اسے مشکوٰۃ المصابیح میں ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی کے حوالے سے ایاسؓ بن عبداللہ کی روایت پر بیان کیا گیا ہے:۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو عورتوں کے پیٹنے سے منع فرما دیا۔ زمانۂ جاہلیت میں ہر قسم کے حقوق سے محروم عورتوں کو جب یکبارگی عالمؐ نے دوسرے حقوق کے علاوہ یہ رعایت بھی دلائی تو نتیجتاً بعض عورتوں پر اس کا ردعمل کچھ ایسا ہی ہوا جیسے اپنے ہاں الوا والیاں اسمبلی میں کوئی میدان مار لیں۔ چنانچہ حضورؐ تک یہ شکایات بھی پہنچنے لگیں کہ عورتیں "شیر" ہو گئی ہیں۔ اس پر حضورؐ نے دوبارہ ایسی نافرمان عورتوں کے لیے سزا کی اجازت دے دی۔ اب حضورؐ کے گھر میں مختلف عورتوں کی طرف سے اپنے خاوندوں کی زیادتی کی شکایات موصول ہونے لگیں۔ اس پر حضورؐ نے ایک تقریر فرمائی جس میں ارشاد کیا ــــ "لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی زیادتیوں کی شکایات لائی ہیں ایسے خاوند ہرگز تمہارے (معاشرے کے) اچھے آدمیوں میں سے نہیں ہیں"۔

(ت) اور سچی بات تو یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج کو انقطاع سے روکنے اور ایک کنبہ کی گھریلو زندگی کو تباہی سے بچانے کے لیے ہر ناخوشگوار اقدام، حتیٰ کہ مادیٹ

Marfat.com

بھی، گوارا ہے۔ فرد کے جس فعل کے نتائج معاشرے کے دوسرے لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوں اس فرد کو اس فعل سے روکنے کی ہر کوشش مستحسن ہے

وَاضْرِبُوْهُنَّ کو دونوں آیتوں (۳۴: ۳۵) کے پورے مضمون اور سیاق و سباق کے ساتھ پڑھیئے تو واضح ہو جاتا ہے کہ جسمانی سزا کا یہ اقدام بھی ایک کنبہ کی عائلی زندگی کو انتشار سے بچانے کے لیے چند مؤثر اقدامات میں سے ایک اقدام ہے جنہیں نہایت حکیمانہ بصیرت اور مصلحانہ احتیاط کے ساتھ ایک منطقی ترتیب میں تجویز کیا گیا ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا:۔ اگر عورت اپنا رویہ درست کر لے۔ کم از کم بظاہری فرماں بردار بن جائے تو اب تمام تادیبی کارروائی (ترکِ تعلق ہو یا مار پیٹ) فوراً بند کر دو۔ اپنے آپ کو کسی مزید تادیبی کارروائی میں حق بجانب ثابت کرنے، اور عورت کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لیے خواہ مخواہ بہانے نہ ڈھونڈتے پھرو ۔۔۔ کیونکہ اس صورت میں سزا یا سزا کی کوشش، اصلاح کی بجائے، فساد کا کام دے گی، اور ان تدبیروں سے مقصود اصلاح تھی نہ کہ فساد۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا:۔ انسان کی یہ ایک کمزوری ہے کہ جب وہ ایک دفعہ ڈنڈے کے زور سے کسی اچھے مقصد میں بھی کامیاب ہوتا ہے تو وہ ڈنڈے کو ہی اپنا نشان عظمت سمجھ لیتا ہے۔ پھر وہ اپنے تمام جائز و ناجائز مطالبات منوانے کے لیے اس کا استعمال کرنے لگتا ہے۔ لیکن اگر خدا سے بزرگ و برتر کی رفعت و عظمت کا احساس دل میں ہو اور آدمی یہ سوچے کہ اس علیؔ و کبیرؔ کے حقوق میں کتنی کچھ کوتاہیاں مجھ سے نہیں ہوتیں؟ تو کسی پر ظلم و زیادتی کجا ایسا آدمی تو اپنے مطالبات میں بھی یقیناً نرم پڑ جائے گا۔

Marfat.com

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔

(۱) اور اگر میاں بیوی کی باہمی ضد سے تعلقات اتنے بگڑ گئے ہوں کہ اب ان دونوں سے گھر کے گھر اس کشمکش کو سلجھا سکنے کی توقع نہ ہو تو اصلاح حال کی ایک تدبیر یہ ہے کہ میاں اور بیوی میں سے ہر ایک کے خاندان کا ایک ایک قابلِ اعتماد اور نیک آدمی اس غرض کے لیے مقرر کیا جائے کہ وہ دونوں مل کر اسبابِ اختلاف کی تحقیق کریں۔ پھر آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور خلوص نیت کے ساتھ تصفیہ کی کوئی صورت نکالنے کی کوشش کریں۔

(۲) یہ ثالث یا حکم مقرر کون کرے گا؟ فَابْعَثُوْا میں خطاب "تم" سے ہے جس کا مطلب یوں تو ساری امت اسلامیہ ہے مگر صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد ان میاں بیوی کے خاندان کے لوگ، یا ان کے آس پاس رہنے والے مسلمان یا اسلامی حکومت کے مقامی حکام، عدالتیں ہیں ——— قرآن کریم میں نکاح و طلاق سے متعلق متعدد احکام میں جمع مخاطب کے صیغے میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کہ ایسا ہو تو "تم" یوں کرو۔[۱] اس کے ساتھ اگر اس حقیقت کو بھی سامنے رکھ جاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں کئی دفعہ مسلمان عورتیں اور مرد اپنی عائلی شکایات حضورؐ کی خدمت میں لاتے تھے اور حضورؐ اس میں مناسب فیصلے فرماتے تھے۔ حضورؐ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں بھی اس قسم کے واقعات کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ ان آیات اور ان واقعات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں قرآن کے عائلی قوانین کا نفاذ ... کے ازدواجی زندگی سے متعلق تنازعات از قسم نکاح۔ طلاق ... تعدد۔ رضاعت۔ نشوز۔ خلع۔ ثالثی۔ مہر۔ نفقہ۔ حضانت۔

---

[۱] مثلاً دیکھئے سورۂ البقرہ: ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۲۹ الطلاق: ۲ وغیرہ۔

Marfat.com

قذف۔ لعان وغیرہ کے متعلق فیصلے بذریعۂ عدالت ہونے چاہئیں۔

(۳) مِّنْ اَهْلِهٖ اور مِّنْ اَهْلِهَا کی شرط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان ثالثوں کو چاہے برادری والے خود مقرر کریں یا اسلامی عدالت مگر دونوں ثالث میاں اور بیوی کے خاندان سے ہونے چاہئیں محض علاقے کے "چوہدریوں اور وڈیروں" پر مشتمل کوئی مصالحتی بورڈ اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ لوگ میاں بیوی کے اس جھگڑے کو بھی اپنی مقامی سیاست کے زیر اثر کرنے کی کوشش کریں اور مزید فساد پھیلائیں۔ ہاں اگر میاں بیوی کے خاندانوں میں سے کوئی آدمی بھی موجود نہ ہو تو عام مسلمانوں میں سے دو ایسے آدمی لے لیے جائیں جن میں سے ایک مرد کے لیے قابل قبول ہو دوسرا عورت کے لیے۔

(۴) ان ثالثوں کے سامنے دریافت طلب امور (Terms of Reference) کیا ہوں گے؟ اور ان کے اختیارات کیا ہوں گے؟ کیا وہ صرف صلح کرا سکتے ہیں یا مناسب سمجھیں تو علیحدگی بھی کروا سکتے ہیں۔ اور وہ صرف تجاویز و سفارشات پیش کر سکتے ہیں یا ان کا فیصلہ نافذ بھی ہو جائے گا؟ اس بارے میں ائمہ کی آراء مختلف ہیں مگر متعدد تفسیری و فقہی اقوال اور خلفائے راشدین کے بعض فیصلوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں کو مقرر کرتے وقت برادری یا عدالت خود ہی ان چیزوں کی وضاحت کر دے جنہیں ثالثوں نے طے کرنا ہو۔

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۔ اگر ان دونوں کی نیت واقعی مصالحت و موافقت کی ہوگی تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔ [illegible] بظاہر پہلے "دونوں" (اِنْ يُّرِيْدَآ کی ضمیر تثنیہ) سے مراد ثالث ہیں اور دوسرے "دونوں" (بَيْنَهُمَا کی ضمیر تثنیہ) سے مراد زوجین ہیں اور یہی مفہوم زیادہ درست ہے۔ مگر دونوں جگہ زوجین یا ثالث بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ بہرحال کسی بھی جھگڑے میں صلح صفائی کا امکان اس بات پر منحصر ہے کہ فریقین کے دل میں بھی اصلاح حال کی خواہش ہو اور بیچ والوں کی نیت بھی درست ہو اور وہ دل سے یہ

Marfat.com

چاہتے ہوں کہ فریقین میں کس طرح صفائی ہو جائے۔ اور تینوں کو درست رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں میاں بیوی اور دونوں ثالث اس بات کا خیال کر لیں کہ وہ اپنے غلط رویہ یا اپنے فیصلہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے کتنے ہی اچھے "قانونی دماغ" کا ثبوت کیوں نہ دیں۔ خدائے علیم و خبیر سے اصل حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

<table>
<tr><td>وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا</td><td rowspan="12">اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ اور دیکھو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ (بھی اچھی طرح پیش آؤ اور رشتہ دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور ہم مجلس ساتھی سے اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں (ان سب کے ساتھ بھلائی اور احسان کا</td></tr>
<tr><td>اور عبادت کرو اللہ کی اور مت شریک کرو</td></tr>
<tr><td>بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ</td></tr>
<tr><td>اس کے ساتھ کوئی چیز اور ماں باپ کے ساتھ</td></tr>
<tr><td>اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى</td></tr>
<tr><td>حسن سلوک (رکھو) نیز قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں</td></tr>
<tr><td>وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى</td></tr>
<tr><td>اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی</td></tr>
<tr><td>وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ</td></tr>
<tr><td>اور اجنبی پڑوسی اور ساتھی</td></tr>
<tr><td>بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا</td></tr>
<tr><td>ہم نشین اور راہ گیر اور (لونڈی غلام)</td></tr>
</table>

Marfat.com

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جو تمہارے پاس ہیں (ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک کرو) بیشک اللہ ہرگز نہیں

يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا

پسند کرتا اُسے جو اترانے والا (اور)

فَخُوْرَا ﴿٣٦﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

شیخی کرنے والا ہو وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں

وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

اور حکم تعلیم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کی

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

اور چھپاتے ہیں اس کو جو دے رکھا ہے اُن کو اللہ نے

مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

اپنے فضل سے۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ

عذاب ذلیل کرنے والا اور وہ جو

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ

خرچ کرتے (رہتے) ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو

معاملہ رکھو) بیشک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو نشۂ پندار میں مست اور خودستائی پر نازاں ہو۔ (نیز) ایسے لوگ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جو کچھ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور (ایسے ناشکروں) کے لیے ہم نے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور ایسے لوگ [illegible] ناپسند ہیں جو محض لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنے مال اسے خرچ کرتے ہیں۔ اور نہ

Marfat.com

وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ	(درحقیقت) نہ ان کا اللہ پر ایمان ہے نہ روز آخرت پر۔
اور نہ (تو) ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور نہ (ہی) روز	
الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ	اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کا ساتھی شیطان ہو تو (اس سے) برا ساتھی (اور کون ہو سکتا ہے؟
آخرت پر اور جس کا ہو شیطان	
لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾	
ساتھی تو بہت برا ہے (وہ) ساتھی	

لغوی ونحوی اشارات :۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا :۔ اس میں اِحْسَانًا ایک فعل محذوف یعنی اَحْسِنُوْا کا مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے۔ اَلْجَارِ :۔ (مادہ جور) کے اصل معنی "حفاظت چاہنے والا" اور "حفاظت دینے والا" ہوتے ہیں پھر یہ پڑوسی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع جِیْرَانٌ ہے۔ اَلْجُنُبِ کے ایک معنی "دور" یا "دور کا" ہوتے ہیں۔ اس جگہ یہی مراد ہیں۔ اَلْجَنْبِ :۔ کے معنی "پہلو" ہیں۔ ابْنِ السَّبِيْلِ کے لفظی معنی "راستے کا بیٹا" ہیں اس سے مراد مسافر ہوتا ہے۔ عَذَابًا مُّهِيْنًا :۔ مرکب توصیفی ہے اور فعل اَعْتَدْنَا کا مفعول ہو کر منصوب ہے۔ رِئَاءَ النَّاسِ :۔ مرکب اضافی ہے اور اس میں رِئَاءَ کا نصب یا تو "يُنْفِقُوْنَ" کا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے ہے اس صورت میں ترجمہ "لوگوں کو دکھانے کے لیے" ہوگا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا "لوگوں کو دکھاتے ہوئے"۔ قَرِيْنًا :۔ پہلا قَرِيْنًا تو کان (يَكُنْ) کی خبر ہو کر منصوب ہے (الشَّيْطٰنُ اسم کان ہو کر مرفوع ہے) دوسرا قَرِيْنًا (فَسَآءَ کے بعد) تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی فَسَآءَ قَرِيْنًا کا لفظی ترجمہ ہوا "پس برا ہو گیا وہ بلحاظ ساتھی ہونے کے"۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

گزشتہ آیات میں "خاندانی و عائلی تعلقات" کی تنظیم و اصلاح کا بیان تھا، اب ان آیات میں "انسانی تعلقات" کا ذکر ہے۔ پہلی آیت (۳۶) میں خیر و بھلائی کو درجہ بدرجہ سوسائٹی کے ہر اس فرد تک وسیع کرنے کا حکم ہے جس کے ساتھ تمہارا کسی نوعیت کا بھی رابطہ ہو۔ دوسری دو آیتوں (۳۷ - ۳۸) میں بعض رذائل اخلاق کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ اِحْسَان (انسانوں سے بھلائی) کی بجائے اِیْذَاء (انسانوں کو دکھ دینا) ہے۔ اس طرح یہ تینوں آیتیں اسلام کی اخلاقی تعلیم کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا:- اسلام میں تمام مکارمِ اخلاق کی بنیاد عبودیت یعنی اللہ کی بندگی ہے کسی دوسری "چیز" کو اللہ کی اس آقائی کے حق میں شریک ٹھیرانے سے ہی اخلاقی نظام میں فساد شروع ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ عقیدۂ توحیدِ خالص، اسلام کی تمام تعلیمات کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو انسانی تعلقات اور معاملات کو عبادت کی سطح پر لاتا ہے (اللہ کی نگرانی کا احساس دلا کر) اور عبادات کو تمام معاملات کی درستی کی بنیاد ٹھیراتا ہے (تزکیہ و تطہیر کی تربیت دے کر)۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا:- انسان کی نیکی اور بھلائی کا پرتو یا اثر اگر سوسائٹی تک پہنچتا ہے (اور اسے پہنچنا چاہیئے) تو اس کا سب سے پہلا مظاہرہ والدین کے ساتھ ہونا چاہیئے انسانی تعلقات کی وسعت کتنی ہی کیوں نہ ہو اس کا نقطۂ آغاز والدین اور اولاد کا تعلق ہے۔ تمام حیوانات کی طرح انسانی والدین میں بھی اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لیے جبلی محبت و شفقت ودیعت کی ہے البتہ عمر رسیدہ والدین کی خبر گیری اور ان کے ساتھ بھلائی ہی اس مدنی الطبع حیوان (انسان) کی امتیازی خصوصیت اور اس کی عمرانیت و اجتماعیت کا پہلا سبق ہے

Marfat.com

قرآن کریم نے والدین کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کی متعدد جگہ تاکید کی ہے۔ (مثلاً البقرہ : ۸۳، الانعام : ۱۵۱، بنی اسرائیل : ۲۳، ۲۸، العنکبوت : ۸، لقمان : ۱۴، ۱۵ اور الاحقاف : ۱۵) کتب احادیث میں اس موضوع پر مستقل ابواب موجود ہیں ـــــ یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن نے والدین کی "ہر معاملے" میں اطاعت لازمی نہیں ٹھہرائی مگر ان کے ساتھ ہر حال میں حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے

وَبِذِی الْقُرْبٰی :- اجتماعی علم الحیات ((Social Biology)) میں مادر پدرانہ اور فرزندانہ تعلق کے بعد، قریبی رشتہ داری کی بنیاد پر روابط کی تنظیم انسانی سوسائٹی کی تشکیل اور تربیت کا دوسرا مرحلہ ہے۔ بظاہر رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک ایک جبلی اور فطری بات معلوم ہوتی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اجتماعی زندگی میں جھگڑوں اور حق تلفیوں کا آغاز بھی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ خاندان اور برادری کے پہلو سے مساوات کی بنا پر بعض دفعہ ایک غریب رشتہ دار اپنے امیر رشتہ دار کے معاشرتی و معاشی امتیاز کو ہیچ جانتا اور اس کی امداد قبول کرنے کو ہتک سمجھتا ہے۔ اس طرح قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک جتنا ضروری ہے اتنا دشوار بھی ہے غالباً اسی لیے قرآن کریم میں اور احادیث نبویہ میں قریبی رشتہ داروں کے حق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ خیال رہے کہ ناجائز کنبہ پروری اور خویش نوازی ((Nepotism)) اس "اِحْسَانْ" کے تحت نہیں آتے کیونکہ اس کی بنیاد کسی دوسرے کی حق تلفی اور "اِیْذَاءْ" پر ہوتی ہے۔

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ :- "فطری تعلقات" پر اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھنے کے بعد اب "اجتماعی مقاصد" کو سمجھنے اور ان کو پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یتیم اور مسکین (مالی امداد کا مستحق) اپنی ضرورت مندی کی بنا پر اور ہمسائے رشتہ دار ہوں یا اجنبی اپنے معاشرتی قریبی تعلق کی بنا پر حسنِ سلوک کے مستحق ہیں ـــــ یہ بھی خیال رہے

Marfat.com

کہ یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کی حق تلفی یا ایذا رسانی سے پرہیز کا حکم نہیں دیا جا رہا۔ کیونکہ یہ تو گناہ ہے ہی ــــ بات ان سے بھلائی اور حسنِ سلوک کی ہو رہی ہے۔ صرف یہی کافی نہیں کہ کسی کو ہم سے شر کا خطرہ نہ ہو بلکہ لوگوں کو ہم سے نفع اور بھلائی کی توقع ہونی چاہیے۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ :- آخر میں ایسے تعلق کی بناء پر بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس کی نوعیت معمولی اور عارضی قسم کی ہو، یا جہاں کسی کے ساتھ بالا دستی اور "فرماں دہی" کا تعلق ہو پہلی صورت میں مثال "الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ" ہے جس میں ہر طرح کے ہم مجلس و ہم نشین لوگ مثلاً ہم جماعت، ہم مدرسہ ہم سفر حتیٰ کہ کھیل، دکان، بازار، مسجد، ریل یا بس وغیرہ میں چند منٹوں کے رفیق بھی شامل ہیں۔ یہ عارضی رفاقت بھی کم از کم اظہار شائستگی کی حد تک حسنِ سلوک کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی طرح مسافر محض مالی امداد کے لیے نہیں، بعض معلومات کے لیے بھی آپ کے حسنِ سلوک کا محتاج ہوتا ہے ــــ کسی پر بالا دست یا "صاحب" ((Boss)) ہونے کی صورت میں بھی آدمی اپنے ماتحت سے حسن سلوک کو وقار کے منافی بلکہ اس پر سختی کرنے کو اپنی انتظامی صلاحیتوں کا اظہار سمجھ لیتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

اس ایک آیت میں معاشرے کے ہر طبقے کے ساتھ اور انسانی تعلقات کے ہر مرحلے پر، بلا تمیز مذہب و ملت، حسنِ سلوک کی یہ تاکید اور پھر اسے عقیدۂ توحید کے ساتھ ملا کر بلکہ اس کے تقاضا اور نتیجے کے طور پر بیان کرنا، قرآن کی بے نظیر تعلیمات کا ایک شاہکار ہی نہیں، ہمارے لیے کئی لحاظ سے درسِ عبرت بھی ہے"۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا: قریب اور دور کے انسانوں سے نیکی اور حسنِ سلوک کو "عبودیت" کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اب ابتداء رساں رذائل کو اللہ کی ناپسندیدگی کے ساتھ، للبنہ ٹھہرایا ہے۔ جو چیزیں کسی آدمی کو ادائے حقوق اور حسنِ سلوک سے روکتی ہیں، ان میں خود بینی اور نمائش وحبّ جاہ سرفہرست ہیں۔ مُخْتَالًا اسے کہتے ہیں جو اپنی بڑائی کے زعم میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں، پڑوسیوں یا کمزوروں کی طرف توجہ کرنا بھی اپنے لیے کسر شان سمجھتا ہے۔ فَخُوْرًا اسے کہتے ہیں جو جوہر سے خالی مگر شیخی بگھارنے میں تیز اور "تھوتھا چنا باجے گھنا" کے مصداق خود اپنی زبان سے دوسروں کے سامنے اپنے ذاتی یا خاندانی مفاخر بیان کرتا رہتا ہو۔

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ: یہاں بخل سے مراد مال و دولت کے خرچ کرنے میں کنجوسی بھی ہے کیونکہ عموماً جو خود راہ خدا میں یا انسانیت کی بہتری کے لیے کچھ خرچ نہیں کرنا چاہتے

وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا نہ کریں تاکہ ان کی برائی نمایاں نہ ہو۔ بخل سے مراد عام تنگ نظری اور تنگ دلی کا اظہار بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی شخص یا جماعت کے جائز مطالبات ماننے یا انہیں حقوق و مراعات دینے کی مخالفت کرنا اور کرانا، تمام اختیارات کو اپنی ذات میں سمیٹنے کی کوشش کرنا، غریبوں پر ترقی کے دروازے بند کرنا، تجارت اور صنعت میں اجارہ داریاں قائم کرنا، ریل کے ڈبے میں جگہ ہونے ہوئے بھی دوسروں کو ادھر آنے سے باز رکھنا وغیرہ۔ ہماری معاشرتی وسیاسی بلکہ علمی زندگی میں بھی اس بخل کے نمونے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے آدمیوں سے بھلائی کو پھیلانے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ: اپنی دولت، اپنے علم، اپنے ہنر یا اپنی کسی اور ایسی "خوبی" کو خفیہ اور پوشیدہ رکھنا جس کے استعمال

Marfat.com

یا اظہار میں اپنی ذات کو، دین کو یا لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو بھی مذموم ہے۔ روایات کے مطابق یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زراندوز اور بخیل ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی کتابوں کی پیشنگوئیوں کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کرتے تھے ـــــ مگر آیت کے الفاظ عام ہیں ـــــ اور "کتمانِ فضل" کی متعدد صورتوں کو شامل ہیں۔ دراصل یہ رجحان، کبر و خودستائی کے مقابلے پر تفریط کا پہلو اور بخل ہی کی ایک صورت ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا: ۔ اس تکبر و خودستائی، بخل و تنگ دلی اور کتمانِ فضل کا سرچشمہ کفر ہے چاہے کھلم کھلا ہو یا پوشیدہ اس لیے اس کے بیان کے بعد اس سزا کا ذکر کیا جو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ ایسے لوگ اگر مال خرچ بھی کرتے ہیں تو ادائے حقوق یا انسانوں سے حسنِ سلوک کے لیے نہیں بلکہ ریاء و نمود کے موقع پر خرچ کرتے ہیں۔ جب دراصل خدا اور آخرت پر یقین نہ ہو تو لوگوں میں واہ واہ! یا کم از کم چرچا ہی ہو جانے کے علاوہ اور کسی "جزا" کا تصور ہی کہاں سے آسکتا ہے؟

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا: ۔ شیطان کی رفاقت کی اصل کیفیت یا اس کا روحانی وبال ہم نہ بھی سمجھ سکیں تاہم یہ بات بالکل واضح ہے کہ برے دوستوں کی صحبت میں پھنسے ہوئے کسی [illegible] سے، یا شیطان صفت مشیروں میں گھرے ہوئے کسی حاکم سے بھلائی کی توقع محال ہے۔

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ	اور بھلا اس بات سے ان لوگوں پر کون سی آفت ٹوٹ پڑتی اگر وہ اللہ
اور (آخر) کون سی آفت آجاتی ان پر اگر وہ ایمان لے آتے اللہ پر	

Marfat.com

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اور روز آخرت (پر) اور خرچ کرتے اس میں سے جو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ

دے رکھا ہے ان کو اللہ نے - اور اللہ ان سے

عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

خوب واقف ہے بیشک اللہ ہرگز (ظلم نہیں کرتا / حق نہیں رکھتا) (کسی پر / کا)

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ

ذرہ برابر (بھی) اور اگر ہو گی

حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

(کوئی) نیکی تو (وہ) دوگنا کردے گا اس کو اور دے گا

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

اپنے پاس سے بڑا ثواب

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ

سو کیا (حال) ہو گا؟ جب ہم لائیں گے ہر اُمت

اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ

میں سے ایک گواہ (کو) اور ہم لائیں گے تجھ کو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)

اور روز آخرت پر ایمان
رکھتے اور جو کچھ اللہ نے
انھیں دے رکھا ہے،
اس میں سے (راہ خدا
میں) خرچ کرتے۔ آخر
اللہ سے ان (کی نیکی) کا
حال چھپا تو نہیں رہتا
تھا۔ بیشک اللہ کسی پر
ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا
بلکہ (وہ تو ایسا کریم ہے
کہ) اگر (کسی کی) ایک نیکی
ہوگی تو اس (کے اجر)
کو دوچند کردے گا اور
(پھر) اپنی طرف سے
(مزید) اجر عظیم دے گا۔
(اور سوچو) اس وقت
کیا حال ہوگا (ان کا)
جب ہم ہر اُمت سے
ایک (ایک) گواہ طلب
کریں گے اور ان لوگوں
پر آپ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ

Marfat.com

لفظی ترجمہ	بامحاورہ ترجمہ
عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾	وسلم) کو بطور گواہ پیش کریں گے ۔
ان لوگوں پر (بطور) گواہ	
يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اس وقت وہ سب لوگ، جنہوں نے رسولؐ (کی بات) کو نہ مانا اور اس کی نافرمانی کرتے رہے تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین کا پیوند ہو جائیں اور (وہاں) یہ لوگ اللہ سے اپنی کوئی بات چھپا بھی نہیں سکیں گے ۔
اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (ہوگا)	
وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى	
اور نافرمانی کی (ہوگی) پیغمبر کی (کہ) کاش برابر کر دی جائے / ہموار کر دی جائے	
بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ	
(گاڑ دیئے کے بعد) ان پر زمین (مٹی) اور نہ چھپا سکیں گے	
اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾	
اللہ سے کوئی بات	

لغوی ونحوی اشارات :-

مَاذَا : یہ ایک ہی اسم ہے (معنی کیا؟) اور مبتدا محل رفع میں ہے ۔ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ :- مرکب اضافی ہو کر يَظْلِمُ کا مفعول ثانی ہو کر منصوب ہے ۔ مِثْقَال تَفْعَال يَثْقُلُ (وزن جانچنا) سے اسم آلہ ہے اور پیمانہ بمعنی وزن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ اِنْ تَكُ : میں تَكُ دراصل تَكُنْ تھا ۔ کثرت استعمال سے نون گرا دیا جاتا ہے ۔ اگرچہ نون کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے ۔ حَسَنَةً :- خبر کان ہو کر منصوب ہے ۔ شَهِيْدًا : بِكَ کی ضمیر کا حال ہو کر منصوب ہے ۔ عَصَوُا الرَّسُوْلَ :- عَصَوْا اصل میں عَصَيُوْا تھا ۔ الرَّسُوْلَ کی نصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہے

Marfat.com

تُسَوّٰی : مضارع مجہول ہے صیغہ مونث "زمین" کے لیے ہے۔ سَوّٰی یُسَوِّی کے معنی ہیں: برابر کر دینا، ہموار کر دینا۔ اَلْاَرْضُ : نائب فاعل ہو کر مرفوع ہے۔ "زمین کا برابر کر دیا جانا" محاورہ ہے بمعنی دفن ہو جانا، زمین میں سما جانا ـــــ کیونکہ گڑھے وغیرہ کو بھرنے کے بعد اوپر سے مٹی برابر کی جاتی ہے ـــــ حَدِیْثًا : لَا یَکْتُمُوْنَ کا مفعول ثانی ہو کر منصوب ہے، مفعول اول اللّٰہَ ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

۱ عوام کے ساتھ بھلائی اور نیکی کا راستہ چھوڑ کر ایذا رسانی اور برائی کا راستہ اختیار کرنے کے اسباب میں سے دو بڑے سبب یہ ہیں کہ یا تو
(۱) ایمان اور نیکی و احسان میں "فرضی" نقصانات اور تکالیف نظر آتی ہیں یا
(۲) کفر اور بدی کے "حقیقی" نتائج سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔ ان آیات میں اس اندھی ذہنیت اور معکوس اندازِ فکر کا بڑا موثر علاج موجود ہے۔

وَمَا ذَا عَلَیْھِمْ لَوْ اٰمَنُوْا . . . . وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا:- اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لانے اور دین کی راہ میں اخلاص کے ساتھ مال خرچ کرنے سے انسان کسی ناقابل برداشت مصیبت میں گرفتار نہیں ہو جاتا۔ بلکہ سوچا جائے تو صرف راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور ممکن خطرات کی حد تک تو نیکی اور بدی ـــــ دونوں راستے ـــــ یکساں ہیں۔ بدی کے لیے بھی مال، جان اور وقت کی اتنی ہی قربانی دینی پڑتی ہے جتنی نیکی کے لیے مگر نتائج اور انجام کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے برعکس ہیں اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون کس راستے پر گامزن ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ . . . . . مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا:- اب اگر کوئی برے انجام والا راستہ ہی اختیار کرتا ہے تو نتائج کے لیے مذمت و ملامت کا مستحق بھی خود ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی پر ذرہ برابر ظلم

Marfat.com

نہیں کرتا۔ اسی طرح نیکی کی راہ میں مشکلات کا سامنا کرنے والے کو بھی یہی حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا یعنی کسی کے حق اور اُجرت میں ذرا برابر کمی نہیں کرتا۔ اس کے ہاں کسی کے حساب میں کوئی ناکردہ بدی خواہ مخواہ نہیں لکھ لی جاتی اور نہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جاتی ہے۔ بلکہ نیکی کے بارے میں تو اس کا قانونِ رحمت یہ ہے کہ وہ اسے دوچند کرتا ہے اور اپنے پاس سے زائد از استحقاق بلکہ بلا استحقاق اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ جن "معمولی مشکلات" کا انجام اتنا خوش گوار ہو۔ زہے نصیب جو سفرِ زندگی میں ان سے دوچار ہو!

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ...... وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۔

(۱) کفر اور برائی کا راستہ اول تو لازماً عیش و تن آسانی کا راستہ نہیں ہے، اور اگر ایسا ہو بھی، جب بھی اس کا انجام اتنا خوفناک ہے کہ اس کے خیال سے ہی روح لرز اٹھتی ہے۔ ذرا اس دن کا تصور تو کرو جس دن سب اگلے پچھلے لوگ اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے۔ جب ہر امت کا رسول اپنے مخاطب منکروں اور عملاً منکر نام لیواؤں پر یہ گواہی دے گا کہ اس (رسولؑ) نے خدا کا پیغام ٹھیک ٹھیک ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان گواہوں (رسولوں) کی سچائی پر، اور خود اپنے دور کے لوگوں پر تبلیغ رسالت کی شہادت دیں گے۔ جب مجرم کے لیے عدالت سے کچھ پوشیدہ رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ جب نہاں تر نہاں عیاں ہو جائیں گے۔ جب انکارِ رسالت اور نافرمانئ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا سے بچنے کے لیے موت کی تمنا بھی بے سود ہوگی۔ "مناظرِ قیامت" کا بیان قرآن کریم کا ایک اہم موضوع ہے۔ یہ آیات بھی اس "منظر کشی" اور اثر آفرینی کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔

(۲) ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے فرمایا "ابی! مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تم سے قرآن سنوں"۔ یہ بات سن کر ابیؓ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ انہوں نے سورۃ النساء سے تلاوت کی۔ جب اسی آیت (۴۱)

Marfat.com

پر پہنچے تو حضورؐ نے گلوگیر آواز میں فرمایا "اُبَیّ! بس کرو"۔ اُبَیّؓ نے دیکھا کہ حضور کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسی طرح اور روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت (۴۱) پر پہنچتے تو لوگوں کی عاقبت نا اندیشی اور اپنی ذمہ داری کے احساس سے آنسو چشم مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ ۱؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا	اے ایمان لانے والو!
اے ایمان والو! قریب نہ جاؤ!	جب تم نشہ کی حالت
الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى	میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں
نماز کے اس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ	تک کہ (ہوش میں آ
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا	جاؤ اور یہ) جاننے لگو کہ تم (منہ سے) کیا کہہ
تم جانو جو کچھ تم / کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ	رہے ہو۔ اسی طرح
جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى	جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) جب
حالت جنابت میں مگر (یہ کہ) گزرنے والے ہو راستے سے یہاں تک کہ	تک کہ غسل نہ کر لو۔ (۴۳)
یہ کہ تم رستے چلے جا رہے ہو (تو اس صورت میں پانی سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں)۔	

۱؎ انکارِ حشر و نشر پہ بنی "قرآنی فکر" نے یَوْمُ الدِّیْنِ اور شَیْءٌ عَجِیْبٌ کو "یوم انقلاب" اور "تمانگان ریاست" کا "مفہوم" پہنا کر زیغِ قلب کا ہی نہیں، کور ذوقی کا بھی ثبوت دیا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۹:۲۲)

Marfat.com

تَغْتَسِلُوْا ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

غسل کر لو اور اگر تم ہو بیمار

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

یا سفر میں (ہو) یا آیا (ہو) تم میں

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

سے کوئی جائے ضرور / آب ریز سے یا تم نے قربت کی

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

(یو اپنی) بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

تو ارادہ کرو زمین پاک (کا)

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

پس تم مسح کرو (ہاتھ پھیر لو) اپنے چہروں پر اور

اَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اپنے ہاتھوں پر بے شک اللہ بڑا معاف

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے

اور (اسی طرح) اگر ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے ہو کر آئے، یا تم نے (اپنی) بیویوں سے ہمبستری کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک مٹی سے (ایسا) کام لو کہ...

(اس سے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :-

وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی : جملہ حالیہ ہے اس میں سُکٰرٰی خبر مرفوع ہے۔ اس کا واحد سَکْرَان (نشہ میں مست) ہے۔ مَا تَقُوْلُوْنَ : میں مَا موصولہ یا مصدریہ ہے۔ اردو میں استفہامیہ کے ساتھ ترجمہ صرف محاورے کے لیے کیا گیا ہے۔ جُنُبًا : لَا تَقْرَبُوْا کا حال ہوکر منصوب ہے۔ جُنُبٌ واحد تثنیہ جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عَابِرِیْ سَبِیْلٍ :- عَابِرِیْ دراصل عَابِرِیْنَ تھا۔ (جو حال ہونے کی وجہ سے عَابِرُوْنَ کی منصوب شکل ہے) پھر اضافت کی وجہ سے نؔ گر گیا۔ عَبَرَ یَعْبُرُ :- پار کرنا، عبور کرنا مَرْضٰی کا واحد مَرِیْضٌ ہے مِنَ الْغَآئِطِ :- جار مجرور مل کر فعل جَآءَ کا مفعول ہے۔ غَائِطٌ دراصل غَاطَ یَغُوْطُ (گڑھا کھودنا یا گڑھے میں داخل ہونا) اسم فاعل ہے اور محاورے میں نشیبی زمین کو کہتے ہیں چونکہ عرب میں (ہر دیہاتی تہذیب کی مانند) لوگ قضائے حاجت کے لئے لوگوں کی نظر سے اوجھل ہونے کے لیے آبادی کے قریب کی نشیبی زمینوں میں جاتے تھے اس لئے غائط سے آنا "معنی" رفع حاجت کرنا" استعمال ہونے لگا۔ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ :- النِّسَآءَ مفعول ہوکر منصوب ہے۔ مُلَامَسَةٌ (مصدر) کے معنی" باہم ایک دوسرے کو چھونا" ہیں۔ پھر مجازاً "معنی مباشرت استعمال ہوتا ہے۔ فَتَیَمَّمُوْا :- تَیَمُّمٌ (مصدر) کے اصل معنی" کسی کام یا چیز کا قصد کرنا" ہیں اب یہ فقہی اصطلاح کے طور پر طہارت کے ایک مخصوص طریقے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صَعِیْدًا طَیِّبًا :- مرکب توصیفی فَتَیَمَّمُوْا کا مفعول ہوکر منصوب ہے۔ صَعِیْدٌ اونچی میدانی زمین کو کہتے ہیں۔

تفہیم و تفسیر :-

اللہ اور رسول پر ایمان کے اظہار کی پہلی عملی صورت اور رذائل اخلاق سے نجات وتطہیر کی پہلی تربیت عبادات ہیں۔ اور عبادات میں نماز کو متعدد وجوہ کی بنا پر سب سے

Marfat.com

زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے اب اس آیت میں نماز کے کچھ روحانی واخلاقی آداب اور ادائے نماز کے لیے بعض ہنگامی سہولتوں کا ذکر کیا گیا ہے:-

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔

(۱) نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کا یہ حکم اسلام میں تحریم خمر کے تین مراحل میں سے درمیانی مرحلہ تھا۔ پہلا مرحلہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۹ کا نزول تھا جس میں صرف یہ ظاہر کر کے چھوڑ دیا گیا کہ شراب مجموعی طور پر نہایت بُری چیز ہے اور اللہ کو پسند نہیں بعض صحابہ اس وضاحت کے بعد از خود شراب سے پرہیز کرنے لگے تھے۔ مگر چونکہ صریح ممانعت نہیں تھی اس لیے بہت سے لوگ بدستور اسے استعمال کرتے رہتے تھے۔ ایک آدھ واقعہ تو ایسا بھی ہوا کہ کوئی صاحب نشے کی حالت میں ہی نماز پڑھنے یا پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور بہر کچھ کچھ پڑھ دیا۔ اس مرحلے پر سورۃ النساء کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ اوقات نماز میں (تو) شراب سے باز رہو۔

(۲) یہ آیت غالباً ۳ھ میں جنگ اُحد سے پہلے یا بعد نازل ہوئی (کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم خمر کا قطعی حکم، جو سورہ مائدہ میں ہے) ۳ھ میں ہی نازل ہوا تھا۔ اور وہ حکم اس سورۃ النساء والے حکم سے بہرحال بعد کا ہے) یوں تو آغاز اسلام سے ہی نماز ہر مسلمان پر لازمی تھی مگر مدینے کو مسجد نبوی کی تعمیر اور اذان و باجماعت نماز کے قیام نے دین میں نماز کی اہمیت کو اور بڑھا دیا تھا۔ ان حالات میں "نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنے" کا مطلب "ایک دینی فریضے سے محرومی" کا احساس دلانا تھا، نہ کہ نماز سے چھٹی دلانے کا طریقہ بتانا۔ کالج میں "یونیفارم" کے بغیر نہ آنے کی پابندی کالج سے چھٹی حاصل کرنے کا آسان طریقہ نہیں ہے صحابہ کرام نماز کی اہمیت سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لیے اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ان لوگوں نے جنہیں اب تک

Marfat.com

شراب کے استعمال کی عادت تھی، اپنے شراب نوشی کے اوقات بدل دینے
اور دراصل یہ ایک بڑا حکیمانہ اور نفسیاتی اقدام تھا۔ کیونکہ شراب کے معاملے میں
عادت (Addiction) ہی اصلاح کی ساری کوششوں پر پانی
پھیر دیتی ہے۔ اور عادت کو "توڑنا" عادت کو "چھوڑنے" کی طرف پہلا قدم ہے
(۳) نشہ میں "نماز پر پابندی" کے اس حکم کے کچھ عرصے بعد سورۃ المائدہ کی آیات
۹۰ : ۹۱ میں خود "نشے پر پابندی" کا حکم نازل ہوا جس سے آقائے دوجہاں صلی
اللہ علیہ وسلم نے شراب کی قطعی حرمت کا مطلب سمجھا اور اس کے بعد حضورؐ نے
شراب کے استعمال، اس کی تیاری اور اس کی بیع وغیرہ سب کے حرام ہونے کا
صریح حکم دیا۔ . . . .

. . . .

نام نہاد عیاش . . . .

مسلمان حکمران اور ان کے امراء ہمیشہ "سرکاری علما" سے عجیب و غریب بنیادوں
پر شراب کے حلال ہونے کے فتوے لے کر اپنے مجرم ضمیر کو دھوکا دینے کی
کوششیں کرتے رہے۔ کبھی شراب کی تیاری کے کیمیائی عمل میں سے کوئی "نئی نکتہ"
نکالا گیا۔ کبھی "جہاں پناہ" کی زندگی کو رعایا کے لیے ضروری قرار دے کر ان کی
"درازیٔ عمر کے بہانے" ڈھونڈے گئے۔ اس لیے اگر آج بھی ولایتی شرابوں
کے رسیا بعض "فضلاء" اپنے ہم مشرب آقایانِ نعمت کو خوش کرنے کے لیے یا
اپنے ہی مجرم ضمیر کی تسکین کے لیے، اپنی "اسلامی تحقیقات" کو جواز خمر کے "تعاقب"
میں لگاتے ہوتے ہیں، تو یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے آخر ع

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

(۴) آیت میں اصل لفظ "سکر یعنی نشہ (Intoxication) سے متعلق ہے اس لیے
اس کا حکم صرف شراب (خمر) کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ہر نشہ آور شے کے لیے

Marfat.com

عام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ ہر وہ چیز جس کا کثیر مقدار میں استعمال نشہ پیدا کرتا ہے۔ اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

(۵) اس آیت کا حکم بالکل منسوخ بھی نہیں بلکہ ایک طرح اب بھی باقی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال بجائے خود حرام ہے۔ مگر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا یا مسجد میں جا گھسنا دوہرا اور عظیم تر گناہ ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ میں بعض صحابہؓ اور ائمہؒ (مثلاً ابن عباسؓ اور شافعیؒ) کے نزدیک صلوٰۃ سے مراد نماز بھی ہے اور نماز کی جگہ بھی۔ اس لیے نشے کی حالت میں مسجد کے اندر جانے کی بھی ممانعت ہے۔

(۶) حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ نماز میں آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کے منہ سے کیا لفظ نکل رہے ہیں اس لیے بعض روایات میں نیند کے غلبے کے وقت نماز کو چھوڑ کر سو جانے کی ہدایات ملتی ہیں۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ یہ نماز سے بچنے کا حیلہ نہیں بلکہ نماز کو بطریق احسن پڑھنے کی ترغیب ہے ـــــــ ہمارے زمانے کے بعض حضرات اس عبارت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص نماز کی عربی عبارات کا مطلب نہیں سمجھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ پھر نماز کی تفہیم و تعلیم کی مہم چلانے کی بجائے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ نماز عربی کی بجائے اپنی مادری زبان میں پڑھنی چاہیئے۔ نماز کے تہذیبی و ثقافتی پہلوؤں سے قطع نظر روحانی و تعلیمی لحاظ سے بھی یہ تجویز غیر معقول ہے ـــــــ نماز کے معانی جاننے کی افادیت اور اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ نماز میں خشوع و خضوع صرف نماز کی عبارتوں کو سمجھنے پر موقوف نہیں ہے۔ البتہ نماز میں یہ معلوم ہونے سے کہ میں کون سے لفظ بول رہا ہوں اور ان الفاظ کو ہوش و احساس کے ساتھ (Conciously) ادا کرنے سے ایک ایسی یکسوئی اور توجہ ضرور حاصل ہوتی ہے جو خشوع کی طرف پہلا قدم ہے ـــــــ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ہم جو اکثر اپنی نمازیں

Marfat.com

معانی سے واقف ہونے کے باوجود بھی، خود کار مشین کی طرح ادا کرتے ہیں' کیا اس میں، کم از کم مقصدِ نماز سے محرومی کی حد تک، نشہ کی حالت میں پڑھی گئی نماز سے مشابہت نہیں ہے؟

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ۔

(۱) نشے کی طرح جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ جب تک غسل نہ کر لو۔

(۲) جنابت (اور جُنُب کا مادہ ج ن ب ہے جس میں "پہلو بہ پہلو ہونا" اور "دُور ہونا" کے متضاد معنی پائے جاتے ہیں مگر اب فقہی اصطلاح میں یہ بدن کی شرعی ناپاکی کی چند خاص صورتوں کا نام ہے۔ اس میں احتلام حیض و نفاس اور مرد و عورت کا عملِ مباشرت شامل ہیں[۱] ان تمام صورتوں میں غسل کیے بغیر نماز جائز نہیں ہے۔ اور اسی لیے اسے ناپاکی کی حالت کہا گیا ہے۔ یعنی نماز کے لیے جس ظاہری پاکیزگی کی ضرورت ہے وہ حاصل نہیں ہوتی، ورنہ اس حالت میں آدمی درحقیقت نجس نہیں ہو جاتا۔

(۳) اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے یہاں دو معنی کیے گئے ہیں۔

(i) سفر کی حالت میں جنابت سے طہارت، غسل کے بغیر (تیمم کے ذریعے) حاصل ہو جاتی ہے (جس کا آگے ذکر آ رہا ہے) کیونکہ سفر میں پانی عموماً دستیاب نہیں ہوتا۔

(ii) الصلوٰۃ سے نماز کے علاوہ جائے نماز یا مسجد مراد لینے والے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ حالت جنابت میں مسجد میں بھی نہ جاؤ، الا یہ کہ کسی ضرورت سے مسجد میں سے گزرنا پڑے تو حرج نہیں۔ ان معنوں کی

---

[۱] یہاں اس کی اس سے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے مگر چونکہ یہ طہارت کے خاص اہم احکام ہیں اس لیے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھ لی جائے۔

Marfat.com

تائید دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک تو یہ روایت کہ بعض انصار کے گھر مسجد نبوی کے ساتھ اس طرح سے واقع تھے کہ انھیں حالت جنابت میں (باہر جاکر پانی وغیرہ لینے کے لیے بھی) مسجد نبوی سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس لیے آیت کا یہ حصّہ ان لوگوں کے لیے نازل ہوا اور مفہوم میں عموم ہے۔ دوسرے اس بات سے کہ حالت سفر میں غسل جنابت کی بجائے تیمم کا ذکر اسی آیت میں آگے الگ آرہا ہے۔ اس لیے ایک ہی مضمون کی تکرار نہیں ہوسکتی۔

(۴) جنابت کی حالت میں نماز کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت اور طواف کعبہ بھی منع ہے۔

(۵) حالتِ جنابت کے بعد غسل کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے؟ بعض علماء نے اس کے متعدد طبی ونفسیاتی فوائد بھی گنوائے ہیں جو اپنی جگہ سب درست ہیں۔ مگر اصل وجہ تو یہی کافی ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے —— اور اللہ کا کوئی حکم حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہے۔ تشریع کی ساری حکمتوں کا جان لینا نہ ہمارے لیے ممکن ہے نہ ضروری۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔

اگر تم (۱) بیمار ہو یا (۲) سفر میں ہو کہ ان دونوں صورتوں میں پانی کا استعمال یا حصول دشوار ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں تمہیں (۱) بیت الخلا سے آنے (غائط کی تشریح پہلے ہو چکی ہے) یا (۲) عورت سے ہمبستر ہونے کا اتفاق ہو جس سے طہارت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے [لمس کے اصل لفظی معنی تو صرف "چھونا" ہیں۔ مگر یہاں اس کے مجازی معنی فعل جنسی مراد لیے گئے ہیں][1]

---

[1] یہ صحابہ وتابعین کے ایک گروہ کی رائے ہے اور یہی معنی امام ابوحنیفہ رح نے اختیار کیے ہیں بعض دوسرے صحابہ نے لمس سے مراد مطلق چھونا مراد لیا ہے اور اس (باقی برصفحہ ۱۷۰

Marfat.com

اس عبارت میں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے "بیت الخلاء سے آنے" اور "ہمبستر ہونے" کے مفہوم کو کس حسنِ تعبیر کے ساتھ بیان کیا ہے حقیقتاً یہ آدابِ کلام کے بہترین سبقوں میں سے ایک سبق ہے اور قرآن کی پاکیزگی و شستگی کا نمونہ۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً :- اور تمہیں پانی نہ مل سکے ــــ پانی کی ضرورت طہارت بدن کے سلسلے میں غسل کے لیے بھی ہوتی ہے اور وضو کے لیے بھی ــــ اور پانی کا نہ ملنا دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ پانی حقیقتاً موجود ہی نہ ہو۔ مثلاً صحرا یا سفر میں۔ دوسرے یہ کہ پانی موجود تو ہو مگر آدمی اسے استعمال نہ کر سکتا ہو، مثلاً بیماری کی وجہ سے ممنوع ہو یا ڈول وغیرہ پانی نکالنے کا سامان پاس نہ ہو۔ فقہاء نے اسی لیے "پانی کے نہ ملنے" کی متعدد "حکمی" صورتیں گنوائی ہیں مثلاً پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے کا خوف ہو، گاڑی چھوٹ جانے یا چوروں، درندوں کا ڈر ہو، یا صرف پینے اور پکانے کی ضرورت کا پانی موجود ہو وغیرہ۔ اسی طرح پانی سے مراد بھی وہ پانی ہے جو شرعاً قابلِ وضو ہو۔

یہاں تک کے حصۂ آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ اگر وضو یا غسل کی ضرورت ہو (جس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں) مگر پانی نہ مل سکے (اور اس کی بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں) تو . . . . . .

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا :- تو تیمم کر لو جس کی

(بقیہ صفحہ ۱۶۹) "چھونے" کو ناقضِ وضو قرار دیا ہے یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے بعض ائمہ نے درمیانی راستہ نکالا ہے یعنی یہ کہ اگر مرد و عورت جذباتِ شہوت سے ہاتھ لگائیں تو وضو نہ رہے گا ورنہ نہیں ــــ اس طرح گویا اس حصۂ آیت میں حکم ہی نواقضِ وضو کا ہے کیونکہ غسل کا حکم تو اوپر جنابت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

مختصر کیفیت یوں ہے کہ

(۱) پہلے تو پاک مٹی کی تلاش کرو جس سے تیمم کرنا ہے۔ تیمم کے اصل معنی قصد ہیں اور صَعِیْدًا[1] بھی۔ دراصل مٹی کو نہیں بلکہ زمین کے بالائی رخ کو کہتے ہیں اس لیے بعض ائمہ (اور حنفیہ) کے نزدیک "زمین کی قسم" کی تمام پاک چیزوں سے تیمم جائز ہے چاہے ان پر گرد و غبار ہو یا نہ ہو۔

(۲) پھر اس مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔ تیمم میں ہاتھ پاؤں کے مسح کا حکم سورہ مائدہ آیت ۶ میں بھی ہے۔ اور وہاں (سورہ المائدہ میں) یہ وضاحت بھی ہے کہ مسح اسی مٹی سے کیا جائے گا (مِنْهُ)۔ مگر تیمم کا پورا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی پہلے پاک مٹی پر (یا جیسا کہ بعض ائمہ کی رائے ہے کسی بھی گرد آلود شے پر) اپنے دونوں ہاتھ مارے پھر پہلے تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو منہ پر پھیر لے اور اس کے بعد بازوؤں پر کہنیوں تک (یا اس سے کچھ پہلے تک) ہاتھ پھیر لے۔ بعض ائمہ کے نزدیک بازوؤں کا مسح کرنے سے پہلے دوبارہ ہاتھ زمین پر مارے۔

(۳) ہمارے زمانے کے بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں (بلکہ عہد رسالت میں یہودی بھی اس بات پر تمسخر کرتے تھے) کہ اس طرح منہ اور بازوؤں پر مٹی والے ہاتھ پھیر لینے میں حصولِ طہارت کی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے دراصل تیمم کو آدمی کے اندر طہارت کی طلب اور طہارت کا احساس تازہ رکھنے کی نفسیاتی تدبیر کے طور پر بیان کیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے آدمی کو کافی دنوں تک پانی کا استعمال دشوار ہو تو تیمم کے ذریعے

---

[1] "زمین کی قسم" کی چیزوں کی شناخت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ آگ میں ڈالنے سے وہ چیز نہ جلے نہ پگھلے مثلاً گیرو پتھر وغیرہ۔ بعض ائمہ (مثلاً شافعی رح) کے نزدیک تیمم صرف مٹی سے ہی ہو سکتا ہے کسی دوسری چیز سے نہیں۔

Marfat.com

دراصل شریعت کے قوانینِ طہارت کی پابندی کرتا رہے گا اور اس طرح ہمیشہ طہارت و عدمِ طہارت کا فرق اس کے ذہن میں اور ہر قسم کے حالات میں احکام ربانی کی تعمیل کا جذبہ اس کے دل میں موجود رہے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں دیا گیا

نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ

کچھ حصہ کتاب (ربانی) سے (کہ) وہ مول لے رہے ہیں

الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن

گمراہی اور چاہتے ہیں کہ

تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ

تم بھی بھٹک جاؤ راستے سے اور اللہ

أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ

خوب واقف ہے تمہارے دشمنوں سے اور کافی ہے

بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ

اللہ (کا) حمایتی (ہونا) اور کافی ہے اللہ (کا)

کیا ان لوگوں کی حالت تمہارے سامنے نہیں ہے جنہیں کتاب (الٰہی کے علم) کا کچھ حصہ دیا گیا ہے کہ وہ خود (الٹا) گمراہی کے خریدار بنے ہوئے ہیں۔ اور چاہتے (یہ) ہیں کہ تم بھی راہ (راست) سے بھٹک جاؤ۔ اور اللہ تمہارے (ان) دشمنوں سے خوب واقف ہے۔ اور (تمہارے لیے (کیا) بلحاظ حمایت اور (کیا) بلحاظ مددگاری (ہر طرح) اللہ ہی کافی ہے۔

Marfat.com

نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا

مدد گار (ہونا) ان لوگوں میں سے جو یہودی ہو گئے (ایسے بھی ہیں جو)

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

پھیر دیتے ہیں کلام (الفاظ) کو اس کے

مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

موقعوں سے اور کہتے ہیں "ہم نے سنا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

اور (مگر) ہم نے نہیں مانا" اور (ہماری) "سن" (تجھے) "سنائی نہ دے"

وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ

اور (لفظ) "راعنا" (بولتے ہیں)، توڑ موڑ کر اپنی زبانوں کو اور

طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ

عیب لگانے (طعنہ زنی کرنے) کے لیے دین (کے بارے) میں اور اگر یہ لوگ

قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ

(یوں) کہتے کہ "ہم نے سنا" اور "ہم نے قبول کیا" اور (ہماری) "سن" اور

وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

اور (یا) "ہم پر نظر کر" (کہتے) تو یہ ہوتا زیادہ بہتر ان کے حق میں اور

یہودیت کے علمبرداروں
میں سے (تو) کچھ ایسے
لوگ بھی ہیں جو الفاظ
کو (بھی) ان کے اصلی جگہ
سے پھیر دیتے ہیں
اور (عام) گفتگو بھی کرتے
ہیں (تو بڑے عجیب
ناشائستہ اور ذومعنی انداز
میں (مثلاً وہ "سمعنا
وعصینا" اور "اسمع
غیر مسمع" کہتے
ہیں) یا (مثلاً "راعنا"
کا لفظ یوں توڑ موڑ کر
زبان سے نکالتے ہیں
جس سے دین حق کے
خلاف تشنیع، [illegible]
[illegible]

أَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ	راست بازی کا طریقہ ہوتا۔ مگر ان پر تو ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے اس لیے (ان میں سے) کم ہی (ایسے ہیں) جو ایمان لے آئیں گے
زیادہ درست ہوتا) مگر ان پر (تو) لعنت کی ہے اللہ نے	
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا	
ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر	
قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾	
تھوڑے سے	

لغوی ونحوی اشارات :۔

نَصِيْبًا : اُوْتُوْا کا مفعول ثانی ہو کر نصب میں ہے ۔ السَّبِيْلَ : تَضِلُّوْا کا مفعول ہو کر منصوب ہے ۔ ضَلَّ يَضِلُّ بھٹک جانا ۔ وَلِيًّا اور نَصِيْرًا کی نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہے ۔ الْكَلِمَ : مفعول منصوب ہے اس کا واحد كلمة ہے ۔ مَوَاضِعِهٖ میں ضمیر الکلم کے لیے ہے ۔ جب جمع کے حروف اپنے واحد سے کم ہوں تو اس کے لیے ضمیر مذکر لانا جائز ہوتا ہے ۔ غَيْرَ مُسْمَعٍ : حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ۔ مُسْمَعٍ کے لفظی معنی ہیں "جس کو بات سنائی جائے" ۔ اس طرح اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کا ترجمہ ہوا "سُن مگر اس حال میں کہ تو ایسا نہ ہو کہ جسے بات سنائی جائے" اور اس کلمہ کے ایک معنی تو یہ نکلتے ہیں کہ "سن تجھے کوئی ناپسندیدہ بات سنائی نہ دے" دوسرے اس کے اندر یہ مفہوم بھی موجود ہے کہ "سن تجھے کوئی بات سنائی نہ دے یعنی تو بہرا ہو جائے" ـــــ لَيًّا : مفعول ہو کر يَقُوْلُوْنَ کا منصوب ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے ۔ اس مصدر کا مادہ لوی ہے ۔ طَعْنًا : مفعول لہ ہو کر منصوب ہے ۔ خَيْرًا اور اَقْوَمَ ، کان کی خبر ہو کر منصوب ہیں ۔ قَلِيْلًا مستثنیٰ منصوب ہے اور مصدر محذوف (ایمانًا) کی صفت بھی ہو سکتا ہے ۔ اس

Marfat.com

صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ "پورا ایمان نہیں بلکہ تھوڑا ہی لائیں گے۔"

تفہیم و تفسیر:-

ان آیات میں عہد رسالت کے ان یہودیوں کا ذکر ہے جو مدینے میں رہتے تھے اور جو اسلام کی مخالفت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ناشائستگی اور بدتمیزی کی پست سے پست سطح پر اتر آئے تھے حالانکہ حضورؐ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک انہی لوگوں کو کہنا چاہیے تھا کیونکہ نہ صرف اسلامی عقائد (توحید، رسالت، آخرت وغیرہ) ان کے لیے غیر مانوس نہ تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں بھی ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ ان یہودیوں کی پست ذہنیتوں، ان کی خفیہ شرارتوں اور ان کے ناپاک ارادوں کے اس بیان میں عصر حاضر کے مسلمانوں کے دوست نما دشمنوں اور گھر کے یہودیوں کے بارے میں فکر انگیز اشارے موجود ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ:-

(۱) جن لوگوں کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا سے مراد یوں تو سب ہی اہل کتاب ہو سکتے ہیں مگر یہاں خاص طور پر یہود مدینہ مراد ہیں۔

(۲) نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ (کتاب کا کچھ حصہ) کے متعدد معنی ہو سکتے ہیں۔

(i) آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب یعنی توریت، انہیں ملی تھی کتاب کی صورت میں جو کچھ ربانی ہدایت انسانوں کو دی گئی اس کی تکمیل تو قرآن میں ہوئی ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کی آسمانی کتابیں اصل کتاب ہدایت کا دیگر کچھ حصہ ہی تھیں۔

(ii) وہ لوگ "اپنی کتاب کا بھی بیشتر حصہ ضائع کر چکے تھے اور وہ تحریف اور الحاق سے محفوظ نہ رہی تھی۔ اس طرح اب جسے وہ اپنی آسمانی کتاب کہتے ہیں وہ در اصل اس کتاب کا کچھ حصہ ہی ہے۔

Marfat.com

(iii) وہ پوری کتاب پر عمل کرنے کی بجائے اس کے چند خاص مباحث میں دلچسپی لیتے ہیں اور محض ذہنی عیاشی کے طور پر بعض "دل پسند" موضوعات پر اپنے فکر و قلم کی جولانیاں دکھاتے ہیں۔ اس طرح وہ کتاب کی روح اور اس کے اصل مقصد و مدعا سے بالکل غافل اور بیگانہ ہو چکے ہیں۔

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ:۔

(۱) یہودی خود تو علمِ توریت کے باوجود کفر و گمراہی کا راستہ اختیار کیے ہوئے تھے ہی مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔

(۲) آج کے "مغربی اہل کتاب" (عیسائی مشنری اور یہودی مستشرقین) بھی اپنی اپنی ساری کوششیں اس بات پر صرف کر رہے ہیں کہ مسلمان، ان کا مذہب اختیار کریں یا نہ کریں کسی طرح اپنے دین (اسلام) سے برگشتہ یا کم از کم بے پروا ہو جائیں

(۳) "خریدنے" (اشتراء) اور "چاہنے" (ارادہ) کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیدہ دانستہ غلط راستے کو اختیار کئے ہوئے ہیں، اور سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے ہیں:۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔

(۱) اللہ تمہارے ان تمام دشمنوں سے آگاہ ہے لہٰذا تم ان سے ڈر کر دین کو مت چھوڑو۔ اللہ کی حمایت اور اس کی نصرت تمہارے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد کسی اور کی حمایت و نصرت کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کے خلاف کسی کی بھی نصرت و حمایت کچھ کام نہیں دے گی۔

(۲) اپنے دین کے دشمنوں کا حال معلوم کرنے اور انہیں صفات، و اعمال سے پہچاننے کے لیے آج بھی اللہ (کا کلام) ہی تمہیں مدد دے سکتا ہے اور ایسے دشمنوں کے بارے میں اپنی پالیسی وضع کرتے وقت اللہ کی حمایت و مددگاری پر یقین تمہارا رہنما ہونا چاہیئے ——

Marfat.com

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا:۔

(۱) تمہارے یہ اعداء اور گمراہی کے یہ خریدار (زیادہ تر) وہ ہیں جو یہودی مذہب اختیار کیے ہوئے یا اس کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔

(۲) یہ لوگ وہ ہیں جو اپنے پیغمبروں کے اصل دین (اسلام) کو چھوڑ کر اب نرے "یہودی" بن کر رہ گیے ہیں یعنی اس "لیبل" کو ہی، یا مخصوص یہودی جزئی مسائل کو ہی اصل دین سمجھ رہے ہیں۔

(۳) مدینے میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے۔ جو نسلاً یہودی نہ تھے مگر یہود کا مذہب اور ان کے عقاید و شعائر اختیار کر چکے تھے[۱]۔ شرارت و دنائت میں یہ بھی نسلی یہودیوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جیسے آج کا مغرب گزیدہ "مسلمان" دین کو نقصان پہنچانے میں کسی غیر مسلم مغربی "مفکر" سے کم نہیں ہوتا۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ:۔

(۱) اہل کتاب خصوصاً یہودی اپنی الہامی کتاب توریت میں دانستہ تحریف لفظی کے مرتکب بھی ہوتے رہے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس پر خود مغربی نقادوں کی آراء مبسوط کتابوں میں موجود ہیں تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

(۲) تحریف سے مراد معنوی تحریف بھی ہے یعنی یہ لوگ اپنی دور از کار تاویلات اور الفاظ کو من مانے "مفہوم" پہنا کر آیات کتاب کے معنی کچھ سے کچھ بنا دینے میں بھی ماہر تھے۔ تحریف کے اس میدان میں حاملین قرآن بھی یہودیوں سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ کام ایک گروہ نے روایات کی مدد سے سرانجام دیا ہے تو دوسرے گروہ نے روایات کے انکار اور محض قرآنی فکر کی آڑ میں یہی کام کیا ہے۔

---

[۱] اسلام سے پہلے مدینے میں اوس و خزرج کی بعض اولاد عورتیں بعض دفعہ یہ نذر مانتی تھیں کہ اگر انہیں بیٹا نصیب ہو تو وہ اسے یہودی بنائیں گی۔

Marfat.com

(۳) "تحریف کلمات" کا مطلب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ (یہودی) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھتے اور باتیں سنتے پھر باہر جاکر لوگوں کے سامنے حقائق و معانی کو توڑ مروڑ کر اور غلط طریقے سے بیان کرتے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جائے، اور ان کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔ اس مفہوم کی تائید سورہ المائدہ کی آیت ۴۱ سے ہوتی ہے جہاں مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی "نفقہ کالمی" کارستانیوں کی مذمت کی گئی ہے۔

وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ـــــ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ:۔ یہودِ مدینہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کی دشمنی میں اتنی پست سطح پر اتر آئے تھے کہ عام معاشرتی حسن آداب ((Manners)) سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ کم ظرفی کی یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عام گفتگو میں بھی نہایت گستاخی و ناشائستگی کے ساتھ عجیب ذو معنی اور ایسے الفاظ استعمال کرتے جن کے معنوں میں ایک پہلو طنز و تمسخر کا موجود ہوتا تھا۔ چونکہ ان کی یہ گستاخیاں تلفظ اور الفاظ ہی کے برے استعمال پر مبنی تھیں۔ اس لیے یہاں محض اردو ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے اصل عربی الفاظ کو پیش رکھنا ضروری ہے مثلاً

(۱) سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ "ہم نے آپ کی بات سن لی اور آپ کے کسی مخالف کی بات کو نہیں مانا" ـــــ لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ "ہم نے تمہاری بات سن تو لی لیکن اسے قبول نہیں کیا" ـــــ یا سَمِعْنَا (ہم نے سنا) تو اونچی آواز سے کہتے مگر ساتھ ہی آہستہ سے عَصَيْنَا (ہم نے نہیں مانا) بھی کہہ دیتے ـــــ یا أَطَعْنَا (ہم نے مانا) کا لفظ زبان کو مروڑ کر اس طرح کرتے کہ معلوم ہوتا عَصَيْنَا ہی کہہ رہے ہیں[1] ـــــ یہاں یہ بات یاد رہے کہ جیسے ہمارے ہاں کسی قابل احترام آدمی

---

[1] یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ زبان پر سَمِعْنَا تھا مگر عمل عَصَيْنَا پر تھا یعنی زبانِ قال سے سَمِعْنَا مگر زبانِ حال سے عَصَيْنَا:۔

Marfat.com

کی بات سن کر "بہت اچھا جناب!" یا "بسر و چشم" قسم کے الفاظ بولے جاتے ہیں ایسے موقع پر عربی میں "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" یا "اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ" کہتے ہیں۔

(۲) اسی طرح اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہتے تھے یعنی حضور سے جب کوئی بات کہنا چاہتے تو عام عربی انداز کے مطابق کہتے اِسْمَعْ (سنیے!) مگر پھر ساتھ ہی غَيْرَ مُسْمَعٍ بھی کہتے جو ذو معنی ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ "آپ اتنے محترم ہیں کہ کوئی مخالف اور رنج دِہ بات آپ کے کان میں نہ جائے" یا یہ کہ آپ کو سننے کا حکم نہیں دیا جا سکتا بلکہ درخواست ہی کی جا سکتی ہے"۔ لیکن اس کا دوسرا مطلب (اور یہی ان کے ذہن میں ہوتا تھا) یہ بھی تھا کہ "تمہیں کوئی اچھی بات سنائی نہ دے یا تجھے سرے سے کچھ سنائی ہی نہ دے یعنی بہرا ہو جائے"۔

(۳) گفتگو میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے بظاہر اس غرض کے لیے استعمال ہونے والا ایک عام لفظ رَاعِنَا بولتے جس کا ظاہری مطلب یہ ہے "ہماری رعایت فرمایئے" مگر وہ اس میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھتے جس سے لفظ رَاعِيْنَا بن جاتا جس کے معنی "لے ہمارے چرواہے" کے تھے اور عبرانی زبان میں (جو یہود کی مذہبی زبان تھی) اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے "سن تو بہرا ہو جائے"۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "رَاعِنَا" کے استعمال سے ہی منع فرما دیا اور اس کی بجائے "اُنْظُرْنَا" کہنے کا حکم دیا۔ یہ حکم البقرة: ۱۰۴ میں ہے۔

الغرض یہ لوگ سلام، کلام اور عام گفتگو میں اس چھچھورے پن سے اپنے دل کا بخار نکالتے رہتے تھے۔ لہجے میں بظاہر تعظیم و توقیر نظر آتی تھی مگر ان کی زبانیں لذیذ

لے ہمارے زمانے میں بعض مسیحی و یہودی مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام ؑ کے بارے میں اپنی تحریروں کو بظاہر معقول بلکہ قدر افزا اور (Appreciative) بنا لیا ہے مگر جہاں تک ہے نیش زنی کر جاتے ہیں جسے اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

Marfat.com

کام لینے کے باوجود اس بغض وعناد کو ظاہر کردیتی تھیں جو ان کے دلوں میں بھرا تھا۔ رُخ پر نقابِ مصلحتوں کے پڑے ہوئے

لب پر زمانہ سازی کی مہریں لگی ہوئی

جیسے

زبان و دل میں کوئی ربط ہی نہیں

اور یہود کی یہ ساری حرکات محض غیر ذمہ دارانہ بے پرواہی سے، بالتفریح طبع کے طور پر نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کا مقصد اور مدعا طَعْنًا فِي الدِّيْنِ یعنی دین کو ہدف طعن و تشنیع بنانا اور اس کا مذاق اڑانا ہوتا تھا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۔ اگر یہ لوگ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کی بجائے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہتے اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کی بجائے صرف اِسْمَعْ کہتے اور رَاعِنَا کی بجائے اُنْظُرْنَا کہتے (جیسے البقرہ ۱۰۴ میں بھی حکم دیا جا چکا ہے) ان الفاظ میں ذم و تمسخر کا کوئی پہلو نہیں، اس لیے ان کا استعمال ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہ اسی صورت میں ہوسکتا کہ وہ دین کی مخالفت میں شدت کو چھوڑ کر ذرا نرمی سے کام لیتے اور شاید تفہیم و افہام کی کوئی صورت نکل آتی۔ اور اس طرح یہ بات انھیں راست بازی کے زیادہ قریب لے جاتی۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مگر انکار و سرکشی کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی یعنی ان کے دلوں کو اپنی رحمتِ خاص سے دور کر دیا پس ان میں سے بہت کم لوگوں کے متعلق یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ایمان لائیں گے —— اس عبارت میں صرف یہود کی روحانی بیماری کی تشخیص ہی نہیں یہ سبق بھی ہے کہ سرکشی اور انکار سے آدمی راہِ حق سے اتنا دور ہو جاتا ہے کہ پھر واپسی اتنا دشوار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	اے وہ لوگو جنہیں پہلے
اے وہ لوگو جن کو دی گئی کتاب	بھی کتاب مل چکی ہے
اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا	ایمان لاؤ اس (کتاب)
تم ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جسے (اب) ہم نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والی	پر جو ہم نے اتاری ہے
لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ	اور جو اس (کتاب) کی
(بنا کر) اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے، بیشتر اس کے کہ	تصدیق کرتی ہے
نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا	جو تمہارے پاس (پہلے)
ہم بگاڑ ڈالیں کتنے ہی چہروں کو پھر ہم الٹا دیں ان (چہروں) کو	سے موجود ہے —
عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ	اس پر ایمان لاؤ —
ان کے پیچھے کی جانب یا ہم ان پر اس طرح لعنت کریں	قبل اس کے کہ ہم کتنے
كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ	ہی چہروں کو بگاڑ ڈالیں
جس طرح ہم نے لعنت کی تھی سبت والوں پر	یا ان لوگوں کو بھی ہم
	اسی طرح لعنت زدہ
	کر دیں جس طرح
	سبت کے ماننے والوں
	کیا تھا اور
	اللہ
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾	
اور اللہ کا حکم (پورا) ہو کر رہنے والا ہے	اللہ اس جرم کو نہیں
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ	معاف کرنے والا ہے
یقیناً اللہ (ہرگز) نہیں بخشے گا (اس بات) کو کہ اس کے ساتھ شرک	نہیں کہ اس کے ساتھ
	کسی کو شریک گردانا
	جائے۔

Marfat.com

بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ	لیکن اس سے نیچے کے جس قدر (گناہ) ہیں وہ جسے چاہتا ہے معاف (بھی) کردیتا ہے۔ اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ (کسی اور کو) شریک ٹھیرایا سو اس نے تو بڑا جھوٹ گھڑا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔
کیا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس سے علاوہ (نیچے) (ہو گا)	
لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ	
جس کو (بھی) چاہے گا۔ اور جو کوئی شریک ٹھہراتا ہے	
بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا	
اللہ کے ساتھ (کسی کو) سو اس نے (تو) باندھا / سمیٹا طوفان / گناہ	
عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾	
ایک بڑا	

لغوی ونحوی اشارات :۔

مُصَدِّقًا : حال ہو کر منصوب ہے۔ وُجُوْهًا : نَطْمِسَ کا مفعول ہو کر منصوب ہے اور اس کا واحد وَجْهٌ ہے۔ اَدْبَارِهَآ : (مرکب اضافی) حرف جار عَلٰی کا مجرور ہے اور اَدْبَارٌ کا واحد دُبُرٌ (پیٹھ) ہے۔ اَصْحٰبَ السَّبْتِ : مرکب اضافی ہے اور لَعَنَّا کا مفعول ہو کر منصوب ہے۔ سَبْت کے معنی ہفتے کا دن (Saturday) ہیں۔ اَصْحَاب کا واحد صَاحِبٌ ہے یعنی ساتھی پھر یہ لفظ مضاف ہو کر "والا" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً اَصْحَابُ الْجَنَّةِ (بہشت والے) اَصْحَابُ النَّارِ (دوزخ والے) اَصْحَابُ الْفِيْلِ (ہاتھی والے) وغیرہ۔ يُشْرِكَ میں "كَ" کی زبر (ـَـ) اَنْ کی وجہ سے ہے۔ يَشَآءُ کا مادہ ش ی ء ہے۔ دُوْنَ کی نصب ظرف ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ ظروف مبنیہ میں سے ہے۔ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ میں مَا موصولہ ہے اور ذٰلِكَ اسم اشارہ

Marfat.com

مضاف الیہ ہے اور سب جملہ مل کر یَغْفِرُ کا مفعول ہے۔ اِفْتَرٰی: ف ر ی سے
باب افتعال جس کے معنی کاٹنا، گھڑنا اور جھوٹ باندھنا ہیں۔ اِثْمًا عَظِيْمًا مرکب
توصیفی اِفْتَرٰی کا مفعول ہو کر منصوب ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

ان آیات میں یہودیوں کو دنیوی ذلت اور اُخروی عذاب کی وعید کے ساتھ ایمان اور اصلاح حال کی دعوت دی گئی ہے جس میں ہر شخص کے لیے ایک تنبیہہ موجود ہے ـــــ ساتھ ہی یہ قاعدہ کلیہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ "غفران" کا امکان صرف خدائے واحد پر ایمان کی حدود کے اندر ہے۔ دائرہ توحید سے نکل جانے کے بعد گناہوں کے نتائج سے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ:-

(۱) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ میں ویسے تو تمام وہ لوگ شامل ہیں جو آسمانی ہدایت بصورت کتاب دیئے جا چکے تھے، مگر یہاں خاص طور پر یہودِ مدینہ مراد ہیں۔ نزول آیت کے وقت ان لوگوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔

(۲) بِمَا نَزَّلْنَا سے یہ وضاحت ہوگئی کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے یہ کسی انسانی فکر کا نتیجہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں ہے۔

(۳) مُصَدِّقًا: قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتب اور پہلے انبیاء کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ہی سب سے پہلے اس حقیقت سے دنیا کو روشناس کیا کہ آسمانی ہدایت اور وحی و نبوت کسی ایک نسل تک محدود و مخصوص نہیں رہی۔ اور تمام انبیاء کی تعلیم میں بنیادی اصول و عقائد یکساں تھے ـــــ تمام پہلے راستبازوں اور ان کی اصلی تعلیم کا مُصَدِّق ہونا، قرآن کریم کی ایسی امتیازی خصوصیت ہے

Marfat.com

جو تاریخی حقائق اور عصری علمی تحقیقات کی روشنی میں خود قرآن کی صداقت کی دلیل بنی ہے۔

(۴) لِمَا مَعَكُمْ۔ جو تمہارے پاس ہے، سے یہاں مراد توریت ہے قرآن کریم نے جہاں جہاں توریت وانجیل یا دوسری آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے یعنی ان کا کلام الٰہی ہونا بیان کیا ہے[1]، اس سے مراد وہ اصل کتابیں ہیں۔ مثلاً توریت سے مراد وہ اصل کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اور انجیل سے مراد وہ اصل کتاب ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ موجودہ زمانے میں بائبل کے عہد نامۂ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابوں (Pentateuch) کو توریت اور عہد نامہ جدید (New Testament) کی چار انجیلوں (Gospels) کو انجیل کہا جاتا ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ توریت یا انجیل ان مجموعوں کا نام نہیں بلکہ ان مجموعوں کے اندر، دوسری تحریروں اور سوانح وحکایات کے علاوہ، اصل توریت وانجیل کے کچھ احکام وآیات بھی منتشر طور پر موجود ہیں۔ قرآن مجید انہیں منتشر "اجزاء" کی تصدیق کرتا ہے جو اصل کتاب میں سے اہل کتاب کے "پاس" رہ گئے ہیں کتب آسمانی میں بصیرت رکھنے والا کوئی آدمی اگر آج بھی ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کرکے قرآن سے ان کا مقابلہ کرے تو اصولی تعلیمات کی حد تک دونوں میں سرمو فرق نہیں پائے گا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ

اس حصۂ آیت میں یہود مدینہ کو قرآن اور صاحبِ قرآنؐ کی تصدیق کرکے اس شدید وہولناک عذاب سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جو انکار وسرکشی پر اصرار کی صورت میں ٹل نہیں سکے گا۔ "طمس وجہ" کے ایک معنی چہرے کے نقش ونگار

---

[1] قرآن مجید میں حسب ذیل مقامات پر یہ مضمون موجود ہے البقرہ: ۸۹-۱۰۱، آل عمران ۳، ۸۱ - الانعام: ۹۲؛ الاحقاف ۱۲؛

> 3٥

اور آنکھ ناک وغیرہ اعضاء کو مٹا دینے کے ہیں۔ اور "ردعلی ادبارہا" کا مطلب ہے چہرے کو پیچھے کی طرف پھیر دینا یعنی مار مار کر چہرے کو گُدّی کی طرح صاف کر دینا ــــــ اس طرح اس فقرے میں ایک نہایت ہی المناک اور ذلیل کن جسمانی سزا کی وعید ہے جو آخرت میں تو یقینی ہے ہی مگر دنیا میں بھی واقع ہو سکتی ہے ــــ بعض مفسرین (مثلاً زمخشری و بیضاوی) نے وجوہ کے مجازی معنی "سردار اور رئیس" بھی مراد لیے ہیں۔ اس طرح اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا "پیشتر اس کے کہ ہم کئی "وڈیرے وال" اور رئیسوں کو مٹا ڈالیں، ان سے وجاہت و اقبال سلب کر لیں اور ان پر ذلت و ادبار مسلط کر دیں"۔ اس صورت میں آیت کے اندر ایک پیشین گوئی ہے جو بنی نضیر کے اخراج اور فدک و خیبر کی فتح میں پوری ہو گئی

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ

(۱) اصحاب السبت پر جس طرح خدا کی لعنت ہوئی یہ یہودیوں میں ایک مسلّم متعارف واقعہ تھا۔

(۲) لعنت کے لفظی معنی "دھتکار دینا اور دور کر دینا" کے ہیں۔ جب یہ فعل (لعن یَلْعَنُ) اللہ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں "رحمت الٰہی سے دور کر دینا"۔

(۳) السبت کے لفظی معنی ہیں "ہفتے کا ساتواں دن۔ جسے ہم شنبہ یا سنیچر بھی کہتے ہیں۔ یہودی شریعت میں یہ عیسائیوں کے اتوار یا مسلمانوں کے جمعہ کی طرح نہایت مقدس دن ہے اور صرف یاد خدا اور عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اس روز تجارت و زراعت وغیرہ ہر طرح کے کام ممنوع ہیں۔ بلکہ اس "احترام سبت" کی خلاف ورزی کرنے پر توریت میں سزا سے موت کا حکم ہے۔

(۴) یہاں جن "اصحاب سبت" کی طرف اشارہ ہے ان کا مختصر ذکر قرآن کریم میں سورہ الاعراف (آیت ۱۶۳ تا ۱۶۷) میں آیا ہے اور بعض دوسرے

Marfat.com

مقاماتِ[1] پر لبطور عبرت ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں (اندازاً ایک ہزار سال قبل مسیحؑ) موجودہ خلیج عقبہ کے کنارے یہودیوں کی ایک بڑی بستی ایلہ نامی تھی۔ اس بستی کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے اور مچھلی کا شکار (جو ہفتے کے دن ممنوع تھا) ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور راستے نکال کر بظاہر صورتِ جواز دے کر اور بظاہر قانون کے اندر رہتے ہوئے سبت (ہفتہ) کے دن کیا کرتے تھے۔ اس نافرمان بستی کو اس جرم کی نہایت عبرتناک سزا ملی۔ قرآن میں ان کے بندروں کی شکل میں مسخ ہونے کا ذکر ہے۔ یہودیوں میں اس عذاب کا چرچا نسلاً بعد نسلٍ مدتوں تک رہا اور لوگ اس کا تذکرہ سن کر ڈرتے اور لرزتے تھے۔

(۵) اس آیت میں یہودیوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی تکذیب یا نافرمانی احکامِ سبت کی نافرمانی سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا: ۔ خدا کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ وہ بڑی سے بڑی سزا دینے پر قادر ہے۔ اس کا ہر حکم پورا ہو کر رہتا ہے پس طمس، ادبار، مسخ یا لعنت میں سے جس کا بھی حکم ہو گیا وہ بہرحال پورا ہو کر رہے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ؀

(۱) قرآن کریم کی ساری تعلیمات کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے۔ توحیدِ ذات و صفات ہی وہ مسئلہ ہے جس پر قرآن کریم نے سب سے زیادہ شرح و لبسط سے کام لیا ہے۔ اور اس مسئلۂ توحید کو جس شرح و لبسط سے قرآن کریم نے بیان کیا ہے،

---

[1] مثلاً البقرہ: ۶۵، النساء: ۴۷، ۱۵۴، النحل: ۱۲۴

Marfat.com

اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی —— آج دنیا پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ کسی مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ اب تو بت پرست بھی اپنے ٹھاکروں اور دیوتاؤں کو "وسائط" کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہل تثلیث (مسیحی) اور اہل ثنویت (پارسی) بھی "تین میں ایک"، اور "دو میں ایک" ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے اور اس مسئلے کے کسی گوشے کو تشنۂ توضیح نہیں رہنے دیا۔

(۲) توحید کے اس کامل و مکمل بیان کے ساتھ قرآن نے رد شرک کا بھی کوئی پہلو مبہم نہیں رہنے دیا۔ شرک کی مذمت کے علاوہ شرک کی مختلف صورتوں اور شرک کے اسباب پر بھی پوری بحث کی ہے۔ اس موضوع پر تمام آیات قرآنیہ کو سامنے رکھنے سے شرک کی مختصر تعریف یہ نکلتی ہے: "جو صفات اور قوتیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں ان میں سے کسی ایک یا چند صفات کو کسی اور میں بھی تسلیم کرنا —— یا —— انسانوں اور جانداروں یعنی مخلوق میں جو کمزوریاں اور مجبوریاں ہیں ان میں سے کوئی ایک یا چند کمزوریاں اللہ میں بھی ماننا"۔

(۳) یہاں اہل کتاب سے خطاب کے معاً بعد شرک کی مذمت اور اس کے ناقابل معافی جرم ہونے کا اعلان غالباً اس لیے بھی مناسب ہے کہ عموماً ہر امت اپنے نبی کی تعلیم بھلا کر شرک میں مبتلا ہو جاتی رہی ہے۔ نبیوں اور آسمانی کتابوں کی پیروی کے دعوی کے ساتھ شرک میں مبتلا ہونا واقعی ایسا جرم ہے کہ اس کے بارے میں یہ اعلان ضروری تھا۔

(۴) **یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ** سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ شرک کے علاوہ باقی گناہ دل کھول کر کرتے چلے جاؤ۔ بلکہ دراصل یہاں جرم شرک کی سنگینی ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔ کیونکہ عموماً انبیاء کے گمراہ نام لیوا تقدیس انبیاء اور تعظیم صلحاء کی آڑ میں شرک کا کاروبار کرتے اور اسے بالکل معمولی چیز سمجھ لیتے رہتے ہیں۔ حالانکہ

Marfat.com

شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے گناہوں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ ایسا گناہ ہے جو ہرگز معاف نہیں کیا جاسکتا۔ پس نہ صرف مشرکانہ خیالات واعمال سے بچنا ضروری ہے بلکہ مشرکوں کی دوستی اور حمایت سے بھی دور رہنا چاہیئے۔ خصوصاً اہلِ توحید کے مقابلے پر۔

(۵) یہاں جس عدمِ مغفرت یا امکانِ مغفرت کا ذکر ہے وہ جرم کے بعد توبہ کیے بغیر مرجانے سے متعلق ہے اور یہی معنی اس آیت کے حدیثِ نبویؐ سے معلوم ہوتے ہیں توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہلِ کفر و شرک کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے (دیکھئے اسی سورت کی آیت ۱۷، ۱۸)

(۶) شرک کے ناقابلِ معافی گناہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا سے صریح بغاوت ہے مشرک خدا کے بارے میں چند خود ساختہ غلط تصورات قائم کر لیتا ہے۔ اس "افترا" اور اس "جرمِ عظیم" کی بنا پر وہ مغفرت کے قابل نہیں رہتا۔ مشرک کے تمام اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لیے شرک کے ساتھ اسے کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ	کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اپنے آپ بڑے "مقدس" بنتے ہیں (بھلا اس سے کیا ہوتا ہے؟) پاکیزگی نفس تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور ظلم تو کسی پر تنس برابر بھی نہیں ہوتا
کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں	
اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ	
اپنے آپ کو حالانکہ اللہ ہی پاکیزگی عطا کرتا ہے جس کو	
يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾	
چاہتا ہے اور ان پر ظلم نہیں ہوگا ایک تنس (دھاگہ) برابر (بھی)	

Marfat.com

انْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

دیکھ تو! کیوں کر گھڑتے (باندھتے) ہیں (یہ لوگ) اللہ پر

الْكَذِبَ ط وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا (۵۰)

جھوٹ (طوفان) اور کافی ہے یہی صریح جرم ہونے کو

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں دیا گیا (تھا)

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ

کچھ حصّہ (بہرہ) کتاب (الٰہی) میں سے (کہ) لگے ہیں ماننے

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ

بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى

ان لوگوں کے متعلق (کو) جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ہے کہ یہ لوگ (کافر) زیادہ ہدایت یاب

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (۵۱)

ہیں بہ نسبت ان کے جو ایمان لائے ہیں لحاظ (طریقے) راستے کے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط

یہی ہیں وہ لوگ جن کو پھٹکار دیا (ہے) اللہ نے

دیکھو تو سہی! یہ "مدعیانِ تقدیس" اللہ پر بھی کیسے کیسے جھوٹ و افتراء باندھتے ہیں؟ ان پر جرمِ صریح ثابت کرنے کے لیے تو یہی ایک گناہ کافی ہے۔

کیا تو نے ان لوگوں (کی گراوٹ) کی انتہاء کو ملاحظہ نہیں کیا؟ جنہیں (آسمانی) کتاب سے بہرہ ور کیا گیا تھا۔ مگر اس پر بھی وہ لگے جبت اور طاغوت کا کلمہ بھرنے، اور کفار یعنی مشرکوں کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ مسلمانوں سے تو ان ہی لوگوں کا طریقہ (اور مسلک) [illegible] ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

Marfat.com

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ

اور جسے پھٹکار دے اللہ تو تو ہرگز نہ پائے گا

لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ

اس کے لیے کوئی مددگار کیا ان کو (حاصل ہے) کچھ حصّہ

مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ

میں سے؟ اقتدار / حکومت پھر تو یہ ہرگز نہ دیں

النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

لوگوں کو کھجور کے شگاف برابر بھی۔ یا حسد کر رہے ہیں

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

لوگوں سے اس (انعام) پر جو دیا ہے ان (لوگوں) کو اللہ نے

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ

اپنے فضل سے سو ہم تو دے چکے ہیں آل

اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

ابراہیم ؑ کو کتاب اور حکمت اور

اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾

ہم نے دیا تھا ان کو بڑا اقتدار (بھی)؛

اور جس پر اللہ لعنت کرے ممکن نہیں کہ پھر تم (کسی) اس کا مددگار پاؤ۔

کیا انھیں (ملک میں) کچھ اقتدار یا اختیار حاصل ہے (اگر ایسا ہوتا تو) پھر تو یہ لوگ کسی کو چھوٹی کوڑی تک دینے کے روادار نہ ہوتے

یا اللہ نے جو اپنے فضل سے (دوسرے لوگوں) (یعنی مسلمانوں) کو (نعمت اسلام سے) نوازا ہے یہ اس پر جلے مرتے ہیں؟

(سو اگر ایسا ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) ہم تو آل ابراہیم ؑ کو کتاب و حکمت بھی عطا کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ایک عظیم مملکت بھی۔

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :-

فَتِیْلًا : ۔ لَا یُظْلَمُوْنَ کی تمیز منصوب ہے ۔ فَتِیْلٌ عربی میں اس "دھاگے" کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے ۔ محاورہ میں اس سے مراد حقیر سے حقیر معمولی چیز ہوتی ہے جیسے اردو میں "رائی بھر" "بال برابر" وغیرہ بولتے ہیں ۔ اَلْکَذِبَ : یَفْتَرُوْنَ کا مفعول ہو کر منصوب ہے ۔ کَفٰی بِهٖ میں ضمیر "ہٖ" اس افترا اور جھوٹ کے لیے ہے جس کا پہلے ذکر ہوا ہے ۔ اِثْمًا مُّبِیْنًا : مرکب توصیفی ہے اور کَفٰی کی تمیز ہو کر منصوب ہے ۔ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی : مبتدا اور خبر ہو کر مرفوع ہیں اَھْدٰی ھدی سے افعل التفضیل ہے ۔ سَبِیْلًا : کی نصب اَھْدٰی کی تمیز ہونے کی وجہ سے ہے ۔ نَصِیْرًا : فَلَنْ تَجِدَ کا مفعول ہے ۔ نَقِیْرًا : ۔ لَا یُؤْتُوْنَ کا مفعول ثانی ہو کر منصوب ہے مفعول اول النَّاسَ ہے ۔ نَقِیْرٌ عربی زبان میں دراصل کھجور کی گٹھلی کے شگاف کو کہتے ہیں جہاں سے پودا پھوٹ کر نکلتا ہے ۔ محاورہ میں فَتِیْل اور مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کی طرح اس سے بھی مراد معمولی اور حقیر سے حقیر چیز ہوتی ہے ۔ شاہ عبدالقادرؒ نے اس کا ترجمہ "تل برابر" کیا ہے اور بعد کے اکثر مترجمین نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ مرکب اضافی ہے اور اٰتَیْنَا کا مفعول اول ہے اِبْرٰھِیْمَ غیر منصرف ہے ، مفعول دوم اَلْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ہے :- مُّلْکًا عَظِیْمًا : ۔ مرکب توصیفی ہے اور اس کی نصب بھی مفعول ہونے کی وجہ سے ہے ۔ ان تمام آیات میں جہاں جہاں اسم جلالت (اللّٰہ) آیا ہے اس کی رفع فاعل ہونے کی وجہ سے ہے (ماسوا آیت ، ۵ میں عَلَی اللّٰہِ کے)

تفہیم و تفسیر :-

ان آیات میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہودیوں کی گمراہی ، اخلاقی پستی اور اسلام دشمنی کا ذکر ہے ـــــــ ان کے نام نہاد تقدس ، ان کی اندھی ضد ، ان کے بخل اور ان کے حسد کی مذمت کی گئی ہے جس میں بالواسطہ ہمارے لیے بھی

Marfat.com

گریبان میں منہ ڈالنے کی نصیحت موجود ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ

(۱) پاکبازی و تقدس کے خود ساختہ پیمانے بنا رکھے ہیں۔ اللہ کے مقرر کیے ہوئے معیارِ فضیلت یعنی توحید و تقوی کو چھوڑ کر نسلی امتیاز کو معیار شرف و بزرگی قرار دے رکھا ہے۔

(۲) یہودی اپنے آپ کو "آلِ انبیاء" ہونے کی بناء پر "پیدائشی مقدس" "خدا کے پیارے" اور "معصوم" سمجھتے تھے۔ بعینہٖ جیسے ہندوؤں میں برہمنوں کی اور ایک حد تک مسلمانوں میں سیّد زادوں، پیرزادوں، مخدوم زادوں اور "صاحبزادوں" کی حالت ہے۔

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ

(۱) برخود غلط زعم و پندار میں اپنے آپ کو پاکیزہ ٹھہرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ پاکیزگی تو اس کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے۔

(۲) تزکیۂ نفس اور طہارت روح و بدن کا درست طریقہ اور صحیح معیار وہی ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا ہے اور جس کی خبر انبیاء کے ذریعے دے دی گئی ہے یعنی توحید، تقویٰ اور اطاعتِ پیغمبرؐ۔

وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ؕ

(۱) ایسے فاسد عقائد اور باطل پندار کے بعد اگر انہیں سزا ملے تو یہ ان کے جرم سے ذرہ بھر بھی زائد نہ ہوگی وہ پوری طرح اس سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۲) اگر یہ لوگ واقعی تزکیۂ نفس کی کوشش کرتے اور ڈینگیں مارنے کی بجائے خاموشی سے نیکی اختیار کرتے تو اُن کے اجر میں رتی بھر بھی کمی نہ کی جاتی۔

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ؕ۔ خدا کے "محبوب" اور "منظورِ نظر" ہونے کے یہ دعوے اور اپنے مزعومات کو خدا کی طرف نسبت دینے کی یہ جسارت کیا کوئی معمولی بات ہے؟ یہ تو ایسا صریح

ؔ البقرہ: ۸۰، ۸۸، آل عمران: ۲۴، ۷۳، ۷۵، المائدہ: ۱۸۔ میں بھی یہی مضمون ہے۔

Marfat.com

جرم ہے کہ اگر ان کا اور کوئی بھی قصور نہ ہوتا تو اکیلے یہی جرم ان کو گناہ گار ثابت کرنے اور سزا دلانے کے لیے کافی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ ۔

(۱) کتاب الٰہی سے بہرہ یاب ہونے کے باوجود یہ حالت کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۲) پوری کتاب الٰہی پر عمل نہ کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (نیز دیکھئے آیت ۴۴ کے ماتحت)۔

يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ مثلاً جبت اور طاغوت کو مانتے اور ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

(۱) جِبْت کے معنی ہیں (i) بُت (ii) ساحر (iii) کاہن (iv) [illegible] بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ دراصل جبس تھا جس کے معنی بے حقیقت اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ استعمال میں س کو ت سے بدل دیا گیا۔ [illegible] جمع مذکر مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے فعل کا کوئی صیغہ استعمال نہیں ہوتا۔ جوہری نے اسے اصل کے اعتبار سے غیر عربی لفظ قرار دیا ہے۔ بہرحال اس کے مندرجہ بالا معنوں ہی سے یہ خصوصیت [illegible] استعمال جادوگروں اور کاہنوں کے لیے ہوتا ہے۔ صحابہ و تابعین نے یہاں اس لفظ کے یہی معنی مراد لیے ہیں۔ اور قرآن کریم میں صرف اسی جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت عمر رضہ سے جبت کے معنی "جادو" اور ابن عباس رضہ سے "جادوگر" منقول [illegible] ہیں عملیات کا، سحر، کہانت، نجوم وغیرہ تفاؤل [illegible] کا ذکر [illegible] کی آیت ۱۰۲ (وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ ۔۔۔ الخ) میں [illegible] یہاں بھی اشارہ یہودیوں کی اسی قومی خصوصیت کی طرف ہے۔

(۲) چونکہ جادو، فال، شگون، کہانت وغیرہ سب اٹکل پچو اور بے بنیاد امور ہیں اس لیے جبت میں ہر قسم کے اوہام و خرافات (Superstitions) (بے حقیقت معتقدات اور غیر شرعی رسومات بھی شامل کی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

(ب) الطَّاغُوْت کا صحیح ترجمہ تو مشکل ہی ہے۔ اردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان ہو سکتا ہے ـــــ اپنے عام وسیع معنوں میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل، ہر سرکش اور ہر سرچشمۂ گمراہی پر ہوتا ہے (شاہ ولی اللہ رح نے اس کا ترجمہ معبودِ باطل اور شاہ رفیع الدین رح و شاہ عبدالقادر رح نے "شیطان" کیا ہے) ـــــ یہ لفظ بھی واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ طَغَا یَطْغُوْا (حد سے تجاوز کرنا) سے ماخوذ ہے اور دراصل طَغَیُوْت تھا پھر کثرتِ استعمال سے طَاغُوْت ہو گیا۔ اسی لیے بعض مفسروں نے طاغوت کے معنی کُلُّ مَا یُطْغِی الْاِنْسَانَ (ہر وہ چیز جو انسان کے اندر طغیان اور عدوان پیدا کرے) بیان کئے ہیں۔ اس طرح خدا کا ہر باغی طاغوت ہے۔ اور ہر وہ چیز طاغوت ہے جو بندوں کو خدا کی بندگی سے ہٹا کر اپنی آقائی و خداوندی کا سکہ چلانے لگے۔ چاہے یہ کوئی فرد ہو یا جماعت ـــ کوئی نام نہاد مذہبی پیشوا ہو یا بے دین حکمران۔ مادہ پرستانہ اندازِ فکر ہو یا کوئی لادینی نظامِ حیات۔ اسی قسم کے طاغوت کے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶، (وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ ...... الخ) میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی آدمی صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔

(ج) جبت پر ایمان، نام نہاد شیوخِ طریقت اور مدعیانِ روحانیت کی گمراہی ہے اور بندگیِ طاغوت ہونا اہلِ سیاست اور پرستارانِ اقتدار کی خصوصیت گویا یہود نے اپنے مذہب اور سیاست دونوں کو بالکل یا بڑی حد تک کتاب و شریعت سے بے نیاز اور آزاد کر لیا تھا۔ قرآن نے اس رجحان کا انجام (جیسا کہ آگے آیت ۵۲ میں آرہا ہے) "اللہ کی لعنت" بتایا ہے۔ ضرورت ہمیں بھی اپنے فکر و عمل پر غور کرنے کی ہے!

وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا: ـــ (۱) متعدد روایات میں اس آیت (یا حصہ آیت)

Marfat.com

کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ احد کے بعد یہودیوں کا ایک وفد جس کی قیادت حُیَیّ بن اخطب اور کعب بن اشرف کر رہے تھے، قریش مکہ کے پاس پہنچا اور انھیں جنگ (احزاب) کے لیے آمادہ کرنے لگے بعض سرداران قریش نے اپنی چند "خدمات" گنوانے کے بعد ان سے سوال کیا کہ "تم بتاؤ ہم لوگ حق پر ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی؟" ـــــ اس وقت ان یہودیوں نے کہہ دیا کہ "مسلمانوں سے تو تمہارا دین اچھا ہے اور تم حق پر ہو" اور بعض روایات میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ قریش نے اس وفد سے یہ کہا کہ "تم اہل کتاب اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں ایک ہو اس لیے ہم تب تمہیں اپنا مخلص حلیف مانیں گے جب تم ہمارے بتوں کو بھی سجدہ کرو"۔ اس پر یہود کے ان سرداروں نے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر کعبہ میں جا کر بتوں کو بھی سجدہ کیا تھا۔

(۲) یہود کی ہٹ دھرمی اور بغض رسول ﷺ کی انتہا دیکھیے کہ خود دین توحید اور آئین انبیاء سے آگاہ ہونے کے باوجود موحد مسلمانوں کو جن کی توحید میں شرک کا شائبہ تک نہیں، بت پرست مشرکوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر قرار دیتے تھے حالانکہ مسلمان ان اہل کتاب کو مشرکوں سے بہتر سمجھتے تھے، انھیں کافروں پر ترجیح دیتے تھے۔

(۳) مقام عبرت ہے اس میں ان مسلمانوں خصوصاً ان علماء اور رہنماؤں کے لیے جو محض جوشِ مخالفت میں مسلمانوں ہی کے کسی فرقے یا جماعت یا شخصیت کو ہندوؤں اور سکھوں سے بھی بدتر قرار دیتے ہیں بلکہ [illegible]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا۔ اس غرور و پندار، اس سرکشی و [illegible] اور [illegible] حق سے اس بغض و عناد کا نتیجہ خدا کی لعنت کے سوا اور کیا بھی کیا سکتا ہے؟ اور جس فرد یا قوم کو اپنے بُرے کردار اور سیاہ اعمال کی بنا پر، خدا اپنی رحمت سے دور اور اپنی نصرت سے محروم کر دے، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں مل کر بھی اسے انجامِ بد سے نہ بچا سکیں

Marfat.com

نہیں سکتیں۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۔

(۱) کیا ان لوگوں (یہودیوں) کا اللہ کی حکومت میں کچھ حصہ ہے جس کی بناء پر یہ فیصلہ کرنے لگیں کہ کون ہدایت یافتہ اور مقرب حق ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ کسی کو دینی "مقبولیت" اور "روحانی عظمت" میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی شریک کرنے کے روادار نہ ہوتے۔

(۲) کیا یہ سب کچھ صرف اس لیے ہے کہ یہیں کوئی ان کے سیاسی اقتدار میں حصہ دار نہ بن جائے؟

(۳) کیا ان کے پاس کسی ملک کی حکومت ہے؟ یہ تو اچھا ہوا کہ خدا نے ان کنجوں کو تاثن نہیں دیئے۔ اگر یہ کہیں صاحب اقتدار و اختیار ہو جائیں اور دنیوی مال و دولت انھیں نصیب ہو جائے تو یہ اتنے بخیل، تنگ نظر اور خود غرض ہیں کہ اپنے سوا کسی کو اس میں شامل نہ ہونے دیں بلکہ عوام کے حقوق تک ادا نہ کریں۔ ان کی شکا یات پر کان تک نہ دھریں اور اپنے عیش و عشرت یا ناموری و شہرت کے سوا یہ کسی کو پھوٹی کوڑی تک بھی دینا گوارا نہ کریں۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

یا یہ ساری باتیں محض اس حسد کی وجہ سے ان کے منہ سے نکل رہی ہیں کہ اسرائیلیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ نعمتِ نبوت کیوں مل گئی — خود اپنی نااہلی کی بدولت یہ اس انعام سے محروم ہوئے اور جب دوسروں کو اس نعمت سے سرفراز کرکے عروج و سربلندی عطا کی گئی تو اب یہ جلے مرتے ہیں۔ اس آیت میں النَّاسَ (لوگوں) سے مراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ہیں۔ اور متعدد تابعین سے یہ مروی ہے کہ یہاں فَضْل سے مراد نبوت ہے۔ یہودیوں کو یہ بات بڑی چبھتی تھی کہ انبیاء تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں سے ہوتے

Marfat.com

ہیں یہ ایک عرب کو نبوت کیسے مل گئی؟

(۲) آیت اپنے عموم کے اعتبار سے حسد کی مذمت کرتی اور اس کی خرابیوں کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "حسد تمام نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو ختم کر دیتی ہے۔"

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۔ یہودیوں کو جن [illegible] باتوں کا [illegible] ہوتے آخر یہ بتایا گیا ہے کہ اگر نبوت، حکومت و نعمت کے وعدے ابراہیم سے کئے گئے تھے جن کا ذکر بائبل میں [illegible] ہے اور قرآن کریم میں بھی [illegible] ابراہیم سے تھے نہ کہ اس کی ایک شاخ (بنی اسرائیل) سے۔ پھر تم اپنے آپ کو [illegible] نعمتوں کا واحد حقدار اور اجارہ دار کیسے سمجھنے لگے [illegible] ایک کو نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں اس پر حسد کیوں ہے؟ [illegible] تو آل ابراہیم کی ایک شاخ کو ہم نے کتاب و حکمت عطا کی تھی [illegible] مملکت اور اقوام عالم پر [illegible] بھی عنایت کیا تھا جو اس کتاب [illegible] کی پیروی کا لازمی نتیجہ تھا۔ [illegible] نعمت دوسری شاخ میں منتقل ہو گئی ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ	[illegible]
پس ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے / کسی نے تو — اس (بات) کو مان لیا اور ان میں سے	[illegible]
مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى	اور [illegible] سے جہنم
کوئی منہ موڑ گیا / وہ بھی ہے جو اس سے رکا رہا — اور کافی ہے	[illegible] اور (جہنم) ان کو جلانے کے لیے تو

لے مثلاً البقرہ ۲: ۱۲۴-۱۲۹، آل عمران ۳: ۳۳، النحل: ۱۲۰-۱۲۱، العنکبوت: ۲۷ وغیرہ

Marfat.com

بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ

دوزخ دہکتی ہوئی آگ بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ

کفر (انکار) کیا ہماری آیتوں (نشانیوں) سے عنقریب

نُصْلِيهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ

ہم جھونک دیں گے ان کو آگ میں۔ جب کبھی پک (گل) جائیں گی

جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا

ان کی کھالیں تو ہم بدل دیا کریں گے ان کے لیے (نئی) کھالیں

غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط

ان (پہلی) کے علاوہ تاکہ وہ چکھتے رہیں (برابر) عذاب

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل

الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ

(بھی) کیے ہم انھیں داخل کریں گے ایسے بہشتوں (باغوں) میں کہ

دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ہی کافی (سزا) ہے۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ جب ان کی کھالیں گل (جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔ بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے۔

Marfat.com

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے
ہوں گی (جاری / بہتی) ان کے نیچے نہریں	
خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ	
وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں (مستقل طور پر) ان کے لیے (ہوں گی)	ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے
فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّ	
ان (ان باغات) میں (بیویاں / جوڑے) پاکیزہ اور	
نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا (۵۷)	
ہم داخل کریں گے ان کو چھاؤں گھنی گھنی	

لغوی و نحوی اشارات:-

اُمّن بیہ اور ... عقد ... میں ضمیر "الکذب" (آیت ۴۲) ... ہے

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ... بھی ...

سَعِیْرًا: تمیز منصوب ہے۔ سعیر ... کے معنی "شعلہ" کے بھی ... (...)

(شعلوں والی) کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ نُصْلِیْ، صلی سے اِفعال ...

جس کے معنی "جلانا، آگ میں ڈالنا" ... یہ دو مفعول کے ساتھ استعمال ...

صیغہ ... فاعل (نحن) ... کا واحد جلد یعنی چمڑی ہے، ... جمع ...

ہے۔ نَضِجَ کے معنی ہیں گوشت کا گل جانا، پھل کا پکنا اور ... پک جانا ...

بَدَّلْنٰ: یہ فعل بھی دو مفعول چاہتا ہے جو یہاں هُمْ اور جُلُوْدًا ہیں۔ الْاَنْهٰرُ ...

تَجْرِیْ (صیغہ مؤنث) کا فاعل ہو کر مرفوع ہے۔ خٰلِدِیْنَ: ... خُلُوْد ...

ضمیر مفعول (هُمْ) کا حال ہو کر منصوب ہے۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ: مرکب توصیفی

Marfat.com

ہے۔ ازواج کا واحد زَوْجٌ ہے جس کے لفظی معنی تو مطلق "جوڑا" کے ہیں اور یہ لفظ خاوند و بیوی دونوں پر بولا جاتا ہے مُطَهَّرَةٌ جمع مکسر (اَزْوَاجٌ) کی صفت ہونے کے باعث ہے۔ ظِلًّا ظَلِيلًا مرکب توصیفی ہے اور نُدْخِلُهُمْ کا مفعول فیہ ہو کر منصوب ہے۔ ظِلّ (جمع ظِلَال) کے معنی "سایہ" کے ہیں اور ظَلِيل کے معنی "سایہ دار" کے ہیں دونوں لفظ مل کر "گھنی چھاؤں" یا "پائدار سایہ" اور سدا بہار کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

تفہیم و تفسیر:-

کفر و افعالِ بد کی سزا ——— اور ——— ایمان و عملِ صالح کی جزاء کی طرف قرآن کریم بار بار توجہ دلاتا ہے۔ اس عقیدے کو مؤثر طریقے پر ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن کریم جگہ جگہ تکرار اور مختلف اسالیب میں، دوزخ اور اس کی سزاؤں کی خوفناک تصویر کے ساتھ ساتھ جنت اور اس کی رنگینیوں کا دلکش نقشہ پیش کرتا ہے ——— زیرِ مطالعہ تین آیات قرآن کریم کے اس اندازِ انذار و تبشیر کا ایک نمونہ ہیں۔

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا :-

(۱) ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ کچھ لوگ کتاب و حکمت اور وحی نبوت پر تو ایمان لاتے رہتے اور کچھ اس سے منہ موڑ کر پیچھے ہٹ جاتے بلکہ لوگوں کو بھی اس سے باز رکھتے۔ ان منکروں اور کافروں کے لیے آخرت میں بھڑکتی ہوئی آتشِ دوزخ کی سزا کچھ کم نہیں اس لیے دنیا میں انہیں سزا ملنا یا نہ ملنا چنداں قابلِ التفات نہیں۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب و حکمت دی گئی اس کے بارے میں بھی لوگ اسی طرح دو گروہوں میں تقسیم رہے۔ خود یہودی اس کی واضح مثال ہیں جن کی اکثریت نبوتِ محمدی کے انکار پر تلی ہوئی ہے۔ اور اس ضد و انکار کے خوفناک عواقب پر غور نہیں کر رہے۔

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا۔

آیاتِ ربانی کے منکروں کے لیے آتشِ دوزخ کی سزا مقدر ہو چکی ہے۔ آیات (واحد آیۃ بمعنی نشانی معجزہ) سے مراد وہ احکامِ الٰہی ہیں جو انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچائے گئے مثلاً قرآن کی آیات اور وہ آفاقی نشانیاں اور تجربات کائنات بھی اس میں شامل ہیں، جن پر غور و فکر انسان کو وجود و توحید ذاتِ باری کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

(۱) یہ نہ سمجھنا کہ اس طرح آتشِ دوزخ میں [illegible] لگے یا جل جانے کے بعد کھال میں الم کا احساس اور درد [illegible] نہیں رہے گا ہرگز نہیں، بلکہ وہاں کھال بے حس نہیں ہونے پائے گی اور [illegible] الم دم تازہ رہے گا۔

(۲) درد و الم کا یہ مسلسل ادراک [illegible] (Sensivity) [illegible] رہے گا کہ جب پہلی کھال جل چکے گی تو اور [illegible] "لغتِ قرآن" سے حاصل [illegible] اور غیر معقول [illegible] ہے۔ ہر چند کہ چیزوں کے اندر [illegible] والے ضمنی خواص کو آخرت کے خواص [illegible] پرانی اور بے حس کھال کی بجائے نئی اور زیادہ حساس کھال [illegible] عضویاتی (Physiological) حقیقت [illegible] پرانی کھال کا [illegible] گر جانا اور اس کے نیچے [illegible] (Granulation Tissue) کا نمودار ہونا [illegible] رہتے ہیں۔ پس اس عزیز و حکیم خدا کی قدرت و حکمت سے [illegible]

(۳) بعض مفسرین نے عذاب کے اس بیان کو استعارہ سمجھ کر اس کے مجازی معنی

Marfat.com

"دائمی اور غیر منقطع عذاب" بھی مراد لیے ہیں ——— یہ معنی بھی، اگرچہ اس اصول کے خلاف ہیں کہ قرآن کے ظاہر اور حقیقی معنوں کو چھوڑ کر بغیر کسی قرینے کے مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں، اور محض "خلافِ عقل ہونا" کوئی قرینہ نہیں ہے) ——— تاہم لغتِ قرآن سے کھیلنے والے ان لال بجھکڑوں کی مضحکہ خیز تاویلوں کی نسبت کہیں زیادہ عالمانہ ضرور ہیں جنہوں نے "تبدیل جلود" کو ہر بار شکست کھانے" کا "مفہوم" پہنا کر لغت اور تاریخ، ہر دو سے جہالت کا ثبوت دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

(۱) پچھلی آیت میں آخرت کی سزا کا ذکر تھا یہاں آخرت کے ہی انعام کا ذکر ہے۔

(۲) ایمان اور عمل صالح کی جزا میں "ہمیشہ کے لیے سدا بہار باغات میں داخلہ ملنے" کا ذکر قرآن کریم میں جا بجا موجود ہے۔ ان نہروں کی اصل کیفیت کیا ہوگی ضروری نہیں کہ ہم اسے ابھی سے سمجھ سکیں۔ ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے چھ ماہ کے بچے کو ان نعمتوں کا تصور بھی نہیں دلایا جا سکتا جن سے وہ پندرہ بیس برس بعد واقعی متمتع ہونے والا ہے۔

لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ؕ۔ نیک لوگوں کے اُخروی انعامات میں "اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ" کا ذکر بھی قرآن میں بار بار آیا ہے اور ہر جگہ آیات کا سیاق و سباق اس کے معنی "پاکیزہ بیویاں" ہی متعین کرتا ہے۔ دنیا کو رہبانیت اور تجرد جیسی ناقابلِ عمل تعلیم دینے والوں کے "اعتراضات" سے گھبرا کر ہمارے بعض "روشن خیال" مفکرین کا اس لفظ کے معنوں کو توڑنے مروڑنے کے لیے "لغتِ قرآن" کے کونوں کھدروں میں چھپتے پھرنا نہ دین کی خدمت ہے نہ علم کی علامت۔ جنت کی کسی لذت، نعمت راحت یا مسرت سے انکار نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً صحیح، بیوی اور وہ بھی "پاکیزہ اور جسم و روح کی آلودگیوں سے ستھری بیوی" کے نعمت ہونے سے انکار بھی غیر فطری مذاہب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی و معنوی، روحانی و

Marfat.com

مادی، اور عقلی وجسمانی ہر طرح کی نعمتوں کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے پھر جنّت تو انسان کے لیے آخری مقامِ کمال ہے اور انسان کے کمال میں یہ بھی ہے کہ اس کو ہر قسم کی لذتوں سے بہرہ اندوز کیا جائے۔ اگر اس میں سے لذتوں کی طلب کا احساس ہی نکال دیا جائے تو وہ انسان نہیں پتھر ہو گا اور یہ اس کے لیے کمال نہیں، نقص ہو گا۔ زوجیت اللہ کا ایک انعام ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس میں قطعاً بے شرمی یا بے غیرتی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ جسمانی مادی اور حسی نعمتوں (جن میں ازدواج بھی شامل ہے) کو حقیر سمجھنا اور ان سے شرمانا یا تو بعض جاہلی مذاہب کے اثر کی وجہ سے ہے یا پھر محض فیشن اور ساختہ ... بہشت میں زوجیت کے وجود کا قائل ہونے سے شرمانے والے یا اس پر اعتراض کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں جو عورت سینفو کے بغیر نہ دفتر جا سکتے ہیں ... وہ اس سواری میں سفر نہیں کر سکتے جس میں کوئی من موہنی میزبان نہ ہو۔ وہ اس ڈنر کو مہذب نہیں سمجھتے جہاں بے باک و بے حجاب خواتین رونق افروز نہ ہوں حتی کہ وہ مرنے کے لیے بھی اس ہسپتال کو منتخب کرتے ہیں جہاں ... نرسوں کے سرہانے موجود ہونے کا امکان ہو —— ایسے لوگوں کو یہ کیونکر زیب دیتا ہے کہ وہ قرآن میں پاکیزہ بیویوں کے ذکر سے بھی چڑیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ... ذہنی اور روحانی استعدادوں کی طرح جنسی استعداد اور اس کی پاکیزہ تکمیل بھی ... مکمل انسان کی شخصیت کا ایک لازمی جزو ہے اور اس بارے میں ... اسلام کا موقف ہی معتدل اور حقیقت پسندانہ ہے —— باقی ... انفرادی تفریط کا مظہر ہیں یا کسی نفسیاتی ذہنی (Complex) ...

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا	(مسلمانو) اللہ تمہیں ...
اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ادا کیا کرو	حکم دیتا ہے کہ (ایک تو) امانتیں اہلِ امانت کے ...

Marfat.com

الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا	سپرد کیا کرو، اور (دوسرے یہ کہ) جب تمہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہو تو تم عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت ہی اچھی ہے اور یقیناً اللہ (سب کچھ) سننے اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔
امانتیں — ان (امانتوں) کے اہل کو / امانت والوں کو — اور جب	
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ	
تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو	
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	
تم فیصلہ کرو عدل کے ساتھ بے شک اللہ	
نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	
بہت ہی اچھی بات (کی) نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ	
كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾	
بڑا سننے والا بڑا دیکھنے والا ہے	

لغوی ونحوی اشارات:۔

تُؤَدُّوْا:۔ ادی سے تفعیل کا مضارع ہے اور اَنْ کی وجہ سے اس کا آخری ن گر گیا۔ الْاَمٰنٰتِ (واحد اَمَانَةٌ) مفعول منصوب ہے۔ اِلٰٓى اَهْلِهَا: میں ضمیر "ھا" امانت کے لیے ہے۔ اَهْل کے تین معنی ہیں۔

(۱) کنبہ اور خاندان کے لوگ۔

(۲) کسی شئے کا مالک یا اس سے نسبت رکھنے والا مثلاً اہلِ کتاب، اہلِ علم وغیرہ

(۳) کسی کام کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والا — اس آیت میں یہ لفظ اپنے مؤخر الذکر دو مفہوں میں استعمال ہوا ہے۔

Marfat.com

نِعِمَّا : دراصل نِعْمَ مَا ہے یعنی "کتنی اچھی ہے وہ چیز جس کا کہ" یَعِظُکُمْ بِہٖ :۔ بِہٖ میں ضمیر "ہ" نِعِمَّا کے مَا کے لیے ہے یعنی اوپر دیے گئے حکم امانت و عدل کے لیے۔ گویا اصل میں یوں تھا "مَا یَعِظُکُمُ اللّٰہُ بِہٖ نِعِمَّا ھُوَ"۔

تفہیم و تفسیر:۔

پچھلی تقریباً بیس آیات (خصوصاً آیت ۴۴ تا ۵۵) میں اُن برائیوں کا بیان تھا جن میں اہلِ کتاب یہودی مبتلا ہو گئے تھے۔ اب یہاں سے مسلمانوں کو ان کی انفرادی و اجتماعی، معاشرتی و سیاسی اور ملی و بین الاقوامی زندگی کے بارے میں دستوری اور بنیادی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ تم ان برائیوں سے دور رہنا جن سے اسرائیلی نہ بچ سکے۔ اگلی تمام صورت میں بیشتر احکام اسی موضوع سے متعلق آئیں گے۔ سب سے پہلے امانت اور عدل کا حکم دیا گیا ہے جو فی الحقیقت انسانی سوسائٹی اور اسلامی حکومت کی تمام تعمیر میں خشت اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ : خطاب مسلمانوں سے ہے بلکہ جیسا کہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے خصوصاً مسلمان حکمرانوں اور حکام کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ ان کے فرائض کی بجا آوری ہی سب سے زیادہ امانت و عدل کی محتاج ہے (۲) یہ اللہ کا واضح "حکم" ہے۔ اللہ کو اپنا رب مان لینے اور قرآن کو اس کا کلام تسلیم کر چکنے کے بعد "یَاْمُرُکُمْ" کا صیغہ مسلمان کے لیے خصوصاً قابل غور ہے۔

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔

(۱) لفظ امانات (بصیغہ جمع) آنے کی وجہ سے ہر قسم کی امانتوں کو شامل ہے یہ آیت "امہات الاحکام" یعنی ان آیتوں میں شمار ہوتی ہے جن کا رشتہ دین کے ہر گوشے سے اور شریعت کے بیشتر بلکہ تمام تر احکام سے ہے۔ امانتوں کے اندر وہ تمام حقوق آ جاتے ہیں جن کا ادا کرنا واجب ہے۔ چاہے ان کی بنیاد عقائد

Marfat.com

عبادات پر ہو یا بندوں کے باہمی تعاون اور معاملات پر۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد سب اس میں شامل ہیں ——— اور اَھْلِھَا سے مراد وہ سب ہیں جن کے متعلق کسی قسم کا بھی کوئی فرض آدمی پر عائد ہوتا ہے۔ گویا آیت میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جس جس کا جو بھی حق واجب ہے اسے ادا کرتے رہو۔

(۲) امانت میں توحید، ایمان اور عبادت بھی شامل ہے جس کا اہل صرف اللہ ہے۔

(۳) امانت سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں بھی ہیں جو انسانوں کے باہمی تعلقات و معاملات میں ——— خاندانی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ——— مختلف افراد یا جماعتوں پر عائد ہوتی ہیں۔ زوجین اور اولاد و والدین کی ذمہ داریاں ——— فرد اور معاشرے کی باہمی ذمہ داریاں ——— حاکم و محکوم کی ذمہ داریاں اور قوموں اور حکومتوں کی بین الاقوامی ذمہ داریاں سب امانتیں ہیں۔

(۴) اسلامی نظام کے قیام اور استحکام کے لیے ذمہ داری کے مناصب بھی امانت ہیں چاہے وہ مذہبی پیشوائی ہو یا سیاسی سرداری۔ یہ امانت صرف ایسے لوگوں کے سپرد کرنی چاہیئے جو اس سے عہدہ برآ ہونے کے اہل ہوں، جن میں اس بارِ امانت کو اٹھانے کی ذہنی و جسمانی اور علمی اور عملی صلاحیتیں موجود ہوں۔ ورنہ بنی اسرائیل کی طرح، بُرے لوگوں کی قیادت قوم کے مجموعی اخلاقی و دینی مزاج کو خراب سے خراب تر کرتی چلی جائے گی۔

(۵) علوم و فنون، ملی و اسلامی روایات اور اخلاقی و دینی اقدار بھی امانتیں ہیں، جن کی حفاظت اور اشاعت واجبات میں سے ہے۔

(۶) اور امانت کی یہ ساری صورتیں مل کر وہ "امانتِ کبریٰ" بنتی ہے جس کا ذکر سورہ الاحزاب: ۷۲ میں یوں ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ——— واقعی کسی امانت کا امین ہونا ایک اعزاز بھی ہے، اور امتحان بھی۔

Marfat.com

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ :-

(۱) یہ بھی اللہ کا حکم ہے کہ لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرتے وقت ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف سے کام لو۔

(۲) یہ عدل و انصاف "سب لوگوں" کے لیے ہونا چاہیئے۔ وہ مسلم ہوں یا کافر، دوست ہوں یا دشمن، گورے ہوں یا کالے، امیر ہوں یا غریب۔ عدل گویا پوری "انسانیت" کی امانت ہے، جسے بلا تمیز و استثناء ہر حق دار تک پہنچنا چاہیئے۔

(۳) اسلامی حکومت میں عدلیہ کی بنیاد اور اس کے اختیارات اسی "انصاف کے سامنے سب انسان برابر" کے اصول پر مبنی ہونے چاہئیں۔

(۴) "عدالتی معاملات" کے علاوہ بھی کسی شخص یا جماعت سے متعلق کوئی فیصلہ کرتے وقت، کوئی رائے دیتے وقت، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ان یہودیوں کی طرح نہ ہو جانا جنہیں بت پرست مشرکوں کو مسلمانوں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتے وقت ذرا شرم نہیں آتی تھی۔

(۵) کتبِ احادیث میں عادل حاکم و قاضی کی تعریف اور اس کے اجر کے متعلق اور ظالم و جابر حاکم اور خائن و بے انصاف قاضی کی مذمت اور سزائے اخروی کے بارے میں مستقل عنوانات موجود ہیں جن کی تفصیل کے لیے کئی صفحات درکار ہیں۔

(۶) اسی سورت کی آیت ۱۳۵ میں اسلام کے نظریۂ عدل و انصاف کے متعلق مزید وضاحت کی گئی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا :-

(۱) امانت اور عدل کے بارے میں یہ حکم اللہ نے دیا ہے اور اللہ نے تم کو نہایت اچھی اور عمدہ نصیحت کی تو کرتا ہے کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

(۲) عدل و امانت کا یہ طریقہ ہی وہ بہترین طریق ہے جو اللہ نے تمہیں بتایا اور تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ اسی طریقے سے دنیا میں بھی امن و امان رہے گا اور

Marfat.com

آخرت میں بھی اسی بات پر اجر ملے گا۔

(۳) "ادائے امانت" اور "نفاذِ عدل" میں اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ اللہ تمہارے منہ سے نکلنے والی بات کو بھی سنتا ہے اور تمہاری چھپی ہوئی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ اور وہ اس وقت بھی سن اور دیکھ رہا ہوتا ہے، جب کوئی اور سننے یا دیکھنے والا تمہارے پاس نہیں ہوتا۔

(۴) امانت اور عدل کا حکم (آمر) دیا ہے، مگر یہاں دوبارہ اسے نصیحت (وعظ) سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حکم کی نسبت نصیحت دل و دماغ کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔

نوٹ: بعض روایات سے اس آیت کا شانِ نزول فتح مکہ کے وقت کا ایک واقعہ معلوم ہوتا ہے مگر صاف ظاہر ہے اور سب مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ آیت کا حکم عام ہے اور ہر قسم کی امانتوں اور ہر شخص سے عدل کو شامل ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی نیز ان لوگوں کی جو تم میں سے اولیائے امر (حکمران) ہوں
اے ایمان والو! حکم مانو	
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ	
اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور	
اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ	
(ان کا بھی جو) فرماں روا (ہوں) تم میں سے پھر اگر	

Marfat.com

تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ	پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے تو اس (معاملے) کو (حل کرنے کے لیے) اللہ اور (اس کے) رسول ؐ کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم واقعی اللہ اور یوم آخرت (پر دل سے) ایمان رکھتے ہو۔ یہی (طریقہ) تمہارے حق میں بہتر ہے اور (انجام کے لحاظ سے بھی یہی خوش تر ہے۔
تمہارا (اور حاکم وقت کا) آپس میں اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو تم اسے پھیر دو	
اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ	
اللہ کی طرف اور رسول (کی طرف) اگر تم	
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	
ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم	
الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ	
آخرت پر یہ (بات ہی) بہتر ہے اور خوش تر ہے بلحاظ	
تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾	
انجام کے تحقیق	

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَللّٰهَ ، الرَّسُوْلَ اور اُولِی الْاَمْرِ: سب کی نصب اَطِيْعُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔ اُولِی ، اُولُوْا (واحد ذُوْ = والا) کی نصبی حالت ہے۔ الامر کے معنی حکم اور حکومت ہیں۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: مرکب توصیفی ہے اور تُؤْمِنُوْنَ کا مفعول ہے۔ مگر بِاللّٰهِ پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے ذٰلِكَ : مبتدا اور خَيْرٌ اور اَحْسَنُ اس کی خبر مرفوع ہیں تَاْوِيْلًا : اَحْسَنُ کی تمیز ہو کر منصوب ہے۔ تَاْوِيْل اول سے تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں (۱) لوٹانا (۲) بات [illegible] (۳) مختلف احتمالات میں سے ایک کو ترجیح دینا اور (۴) آخری نتائج نکالنا۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

آیت ۵۸ میں جس امانت و عدل کا حکم ہے اس کا تصور اور اس کی تعریف کہاں سے حاصل ہوگی؟ اس کا معیار اور ماخذ کیا ہوگا؟ اور اس کے اصول و قواعد کون طے کرے گا؟ کیا سماج کے رواج یا محض عقلِ انسانی اس معاملے میں رہنمائی کے لیے کافی ہیں؟ اس آیت (۵۹) میں در اصل انہیں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے نیز یہ آیت اپنے مقاصد و مطالب کے لحاظ سے اسلامی نظامِ تمدن و سیاست کی بنیاد، دین و شریعت کا بنیادی رہنما اصول اور اسلامی آئین ریاست کی اولین دفعہ ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: مخاطب سب مسلمان اور مدعیانِ ایمان ہیں:-

اَطِيْعُوا اللّٰهَ:- (۱) ایمان لانے کے بعد اللہ اور رسول کو مان لینے کے بعد ضروری ہے اور اس ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اب اللہ کے احکام کی اطاعت بھی کرو اور اپنے قول کی تصدیق عمل سے کرو۔

(۲) مُطاعِ اصلی اور حاکمِ حقیقی صرف اللہ کو ہی مانو ـــــ اس کی مکمل بندگی، اس کی پوری پوری فرماں برداری اور اس سے غیر متزلزل وفاداری کو اپنا سب سے مقدم فریضہ سمجھو۔ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں "اللہ کی اطاعت" کو سنگِ بنیاد یا مرکز و محور کی حیثیت دو۔ باقی سب اطاعتیں اور فرماں برداریاں نفس کی ہوں یا افراد کی اور کسی جماعت کی ہوں یا کسی نظام کی مشروط ہیں اور اللہ کی اطاعت کے ماتحت و تابع ہیں۔

(۳) جس اطاعت میں خالق کی نافرمانی ہو ایسی اطاعت سے انکار کر دو اور اگر حالت اضطرار میں ایسا کرنا بھی پڑے تو کم از کم اسے دل سے قبول نہ کرو۔ اللہ کی اطاعت کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ بندہ کم از کم اللہ کی نافرمانی پر رضامند نہ ہو۔

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ:- (۱) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اعتبار سے مُطاعِ مطلق ہیں کہ ہم تک خدا کے احکام پہنچانے کا وہی ایک مستند ذریعہ ہیں اور

Marfat.com

وہی ان احکام کی شرح وتفصیل کرنے والے ہیں. ہمارے پاس اللہ کی اطاعت
اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر[illegible]
یہی بات اس سورت کی آیت ۸۰ (مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ [illegible]
.....جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ..... [illegible]
کردی گئی ہے. رسولِ خدا کی سند کے بغیر خدا کی کوئی اطاعت معتبر نہیں ہے
حکم یہ ہے کہ اطاعت "صرف" اللہ کی کرو اور "صرف" اس طریقے پر کرو جو رسول
اللہ علیہ وسلم) نے متعین فرما دیا ہے

(۲) رسولؐ کی حیثیت محض ایک ڈاکیے یا نامہ بر کی نہیں ہے. اور ان کا کام
اتنا ہی نہیں تھا کہ قرآن لوگوں تک پہنچا دیں. بلکہ آپ کی اطاعت و پیروی
ہم پر فرض ہے. اسی بات کی وضاحت آگے آیت ۶۴ (وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ
اس کی اطاعت اللہ کے حکم [illegible] کی جائے) میں کی گئی ہے. اطاعت رسول
کے وجوب پر پورے قرآن مجید میں اتنے مقامات پر اتنے مختلف پیرایوں میں
زور دیا گیا ہے[1] کہ اس کے بعد بھی رسولؐ کی پیروی سے منہ موڑنا حقیقتاً خدا کے
خلاف بغاوت ہے. مسلمان تو خیر یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جس [illegible]
ہے اس کی اطاعت کا وہ سرے سے پابند نہیں ہے ۔ [illegible]
غیر مسلم بھی قرآن کو ایک عام کتاب کی حیثیت سے ہی پڑھے تو اسے بھی
کرنا پڑے گا کہ "اطاعتِ رسول" اس کتاب کا ایک نہایت اہم
موضوع ہے ــــ قرآن کو خدا کی کتاب ماننے والا کوئی [illegible]

---

[1] مثلاً آل عمران ۳۲، المائدہ ۹۲، الاعراف ۸ [illegible] الانفال ۱، ۲۰، ۴۶ [illegible]
۶۴، الاحزاب ۷۱، محمد ۳۳، الحجرات ۱۴، المجادلہ ۱۳، الحشر [illegible]
التکویر ۲۱ وغیرہ۔

Marfat.com

رسولؐ سے انکار، ایمان تو درکنار، قرآن کے عام دیانتدارانہ مطالعے کے بھی سراسر خلاف ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ منکرین سنت کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ رسولؐ کے معنی ہی بدل کر "مرکزِ ملت" کر دیئے[1]۔ کیونکہ اس طرح بیک وقت ایک تیر سے کئی شکار کیے جا سکتے ہیں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی سنت، آپ کے فیصلے، آپ کی تشریح وتفسیر اور آپ کے مقرر کردہ قواعد وضوابط اسی طرح واجب النفاذ اور واجب الاطاعت ہیں جیسے حضورؐ کی زندگی میں تھے — اس طرح اب اللہ اور رسولؐ کی اطاعت، کتاب وسنت کی پیروی میں منحصر ہے۔ حضور خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کی رسالت بھی قیامت تک کے لیے ہے اور آپؐ کی اطاعت بھی۔ تعجب ہے کہ منکرین سنت ختم نبوت کے قائل ہو کر بھی رسولؐ کا بدل ((Substitute)) تلاش کرتے پھرتے ہیں[2]۔

(۴) جس طرح رسولؐ کی صداقت سے انکار کفر ہے۔ اسی طرح رسولؐ کی اطاعت سے انکار اصل نفاق ہے جس کی مذمت اسی سورت میں آگے بالتفصیل آرہی ہے (آیت ۶۰ سے لے کر آیت ۱۵۲ تک زیادہ تر اسی موضوع سے متعلق ہیں)۔

---

[1] قرآنی تعلیمات کے اس نقطۂ ماسکہ کے معنی بدل دینے کا منطقی نتیجہ تھا کہ ایک بالکل نئی "لغات قرآن" تیار کی گئی جس میں قرآن کی تمام اصطلاحات کے معنی بدل ڈالے گئے۔ اس طرح تمام آیات کو من مانے "مفہوم" پہنانے کی خودساختہ سند مہیا کر لی گئی جو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کی تعبیر مجسم اور سعی منظم ہے۔ [2] منکرین حدیث کا یہ استدلال کہ جس طرح منصب "ریاست" میں اسلامی حکومت کا سربراہ رسولؐ کا جانشین ہے اسی طرح منصب رسالت میں بھی وہ رسولؐ کا قائم مقام ہے۔ یہ استدلال نہ صرف منصب رسالت کے متعلق بعض باطل تصورات پر مبنی ہے بلکہ نتائج کے اعتبار سے ایسا ہی خطرناک ہے جیسے پاکستان کے سربراہ مملکت کو قائد اعظم کا جانشین ہونے کی حیثیت سے یہ حق بھی دے دیا جائے کہ وہ چاہے تو کسی وقت پاکستان کا دوبارہ ہندوستان سے الحاق بھی کر سکتا ہے۔

Marfat.com

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ:۔

(۱) اسلامی نظام میں، مذکورہ بالا دونوں اطاعتوں یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد تیسری اطاعت جو مسلمانوں پر واجب ہے وہ اپنے ان اولیائے امر کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔

(۲) "اولی الامر" کون لوگ ہیں؟ کتب تفسیر و احکام میں اس پر اچھی خاصی بحث کی گئی ہے۔ بعض نے علماء و فقہاء امت مراد لیے ہیں اور بعض نے امراء و حکام[1]۔ (آیت کے شان نزول کی ایک روایت سے کسی فوجی کمانڈر کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے) مگر درست اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد لیے جائیں۔ یعنی اولی الامر یعنی اہل اختیار کے مفہوم میں تمام وہ لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں سربراہ کار ہوں۔ روحانی پیشوا، علمائے دین، سیاسی لیڈر، انتظامیہ کے اعلیٰ حکام، عدلیہ کے سربراہ، جج، ملکوں اور قبیلوں کے اہل حل و عقد ——— الغرض بنیادی جمہوریت کے ارکان سے لے کر صدر مملکت تک ——— جو بھی حیثیت سے بھی مسلمانوں کا اولی الامر یا صاحب اختیار ہے وہ اپنے دائرے میں اطاعت کا مستحق ہے اور اس کی مخالفت کر کے مسلمانوں کی تنظیم یا اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انضباط پذیری اور تربیت کا ذوق (Sense of Discipline) قومی و اجتماعی زندگی کی جان بھی ہیں اور ملی و معاشرتی شعور کی پہچان بھی۔

(۳) "اولوالامر" کی اطاعت غیر مشروط اور مستقل بالذات نہیں ہے۔ اس کی پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ خود مسلمان ہوں۔ مِنْکُمْ کی شرط کے باوجود جن لوگوں نے اس آیت سے غیر اسلامی حکومت کی اطاعت کے جواز پر استدلال کیا ہے، انہوں نے غلامانہ ذہنیت اور غیر اسلامی فکر کا ثبوت دیا ہے۔ غیر مسلم حکومت کی اطاعت اگر جائز بھی ہے تو اس کی اور دلیلیں ہو سکتی ہیں، اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] شیعہ حضرات کے نزدیک اس سے مراد ائمہ اثنا عشرہ ہیں۔

Marfat.com

ذہنیت پر طنز کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے کہا تھا ؎

قرآں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ
. . . . . سے کوئی پوچھ لے منکم کی حقیقت

لی الامر، اور مسلمان اولی الامر کی اطاعت کی بھی دوسری شرط یہ ہے
وہ خود اللہ اور رسول ؐ کے مطیع و فرماں بردار ہوں۔ اسی لیے آیت میں تیسری
یعنی اولی الامر سے پہلے، لفظ اَطِیْعُوْا کی تکرار نہیں ہوئی۔ تاکہ معلوم رہے
یہ صاحب امر خود بھی اور اس کی اطاعت بھی، اللہ اور رسول کی اطاعت کے
تابع ہے۔ دراصل اس "صاحب امر" کی اطاعت ہی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ
کسی درجے یا کسی دائرے میں احکام شریعت کا نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔
اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انتظامیہ (Executive) کے افسروں
کا فرض منصبی یہ ہوتا ہے اور ان کی اطاعت اسی لیے کی جاتی ہے، کہ وہ مقننہ
(Legistlative) یا حاکم اعلیٰ (Sovereign) کے فیصلوں
اور فرمانوں کو نافذ کرتے ہیں اگر وہ خود ان فیصلوں اور فرمانوں کی خلاف ورزی کریں تو مجرم ہیں
اور اگر وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے ان فیصلوں اور فرمانوں کے خلاف احکام جاری
کریں تو ان کا حق اطاعت باقی نہیں رہتا۔ اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑا صاحب امر
خواہ وہ صدر مملکت ہو یا پارلیمان؛ اللہ اور رسول ؐ کے تابع ہے اور اس کا کام
کتاب و سنت کا نفاذ ہے نہ کہ اس کی مخالفت۔

قرآن کی اس آیت خصوصاً اطاعت اولی الامر کی مزید توضیح و تاکید احادیث
سے معلوم ہوتی ہے۔ کتب احادیث میں امارۃ و قضاء کے موضوع پر
مستقل ابواب موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "اطاعت امیر" حاکموں اور حکمرانوں
کے بعض ناپسندیدہ اعمال کے باوجود ضروری ہے۔ جب تک کہ یہ صریح طور پر
معلوم نہ ہو جائے کہ وہ خدا اور رسول ؐ کی فرماں برداری سے یکسر باہر ہو گئے ہیں
اور اس کی حد یہ ہے کہ وہ خود نماز ترک کر دیں اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بھی نماز

Marfat.com

نماز کا نظام قائم رکھنے سے غافل یا منحرف ہو جائیں ——— اس موضوع پر صرف چند احادیث یہ ہیں۔

وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ اسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا

اگر تم پر ایک غلام (یعنی تمہاری نسبت بہت فروتر معاشرتی درجے کا آدمی بھی) حاکم بنا دیا جائے جو تمہیں خدا کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

مسلمان پر اپنے حاکم کی بات کو سننا اور ماننا واجب ہے خواہ وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند جب تک کہ اسے (خدا و رسول کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔

شِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ —— قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ؟ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ۔

تمہارے بدترین پیشوا [illegible] وہ ہیں جن سے تمہیں نفرت ہو اور جو تم سے نفرت کریں اور جو تمہیں [illegible] اور تم انہیں [illegible] بھیجو یعنی جب حکومت اور عوام [illegible] اتفاق باہمی یا اتحاد [illegible] ہو جائے۔ صحابہ نے دریافت کیا [illegible] جب ایسی صورت حال پیدا ہو تو کیا ہم [illegible] کا تختہ نہ الٹ دیں؟ حضور [illegible] جب تک وہ تمہارے درمیان [illegible]

(۵) اولی الامر کی اطاعت میں یہ بات بھی شامل ہے [illegible] کتاب و سنت میں بصراحت مذکور نہ ہوں ان میں ان مجتہدین و مستنبطین علماء کی بات مانی جائے جو علوم شرعیہ میں تخصص کی ظاہری و باطنی شرائط پر پورے اترتے ہوں اور اس سبب امور شرعیہ میں ان کی بات مستند قرار دی جا سکتی ہو۔

Marfat.com

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ:۔

(۱) اگر کسی معاملے میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان نزاع واقع ہو جائے اور دیکھنا یہ ہو کہ ہر ایک فریق کا موقف یا اولالامر کا حکم کہاں تک شریعت کے مطابق ہے۔ تو فیصلے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اور پھر وہاں سے صادر ہونے والے فیصلے کے آگے سب سر تسلیم خم کر دو۔

(۲) اللہ اور رسول کو ہر معاملے میں آخری سند ماننا، اسلامی نظام تمدن و سیاست کا بنیادی اصول ہی نہیں ایک مسلمان کے ایمان کا معیار اور اس کے خدا و آخرت پر یقین کی علامت بھی ہے۔ جو شخص اس اصول کو نہیں مانتا، جو شخص خدا اور رسول کے فیصلے کو حرف آخر تسلیم نہیں کرتا، اس کا دعوئ ایمان اگر مردود نہیں تو مشکوک ضرور ہے۔

(۳) اللہ کی طرف رجوع سے تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع مراد ہے۔ مگر حیات رسول کے بعد رسول کی طرف رجوع کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی اوپر بیان ہو چکا ہے، سنت رسول کی طرف رجوع ہے جو در اصل کتاب اللہ کی شارح ہے اور جو ذخیرا احادیث و سنن میں موجود ہے۔

(۴) آج سے کچھ عرصہ پہلے تک، جب منکرین سنت کی ضلالت انتہا کو نہیں پہنچی تھی۔ اور ان میں کچھ اہل علم بھی موجود تھے، حدیث و سنت کی حجیت کے ثبوت میں یہ آیت ان پر بڑی گراں گزرتی تھی اور اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ مگر اس فرقہ کی موجودہ لیڈر شپ نے اولی الامر سے صرف "افسران ماتحت" (غالباً درجہ اول (Class I) سے نیچے کے افسر یا نان گزیٹڈ سٹاف) مراد لے کر، اللہ اور رسول کو "مرکزی انھارٹی" کا دو دھارا مفہوم پہنا کر اور اس "مرکزی انھارٹی" کو منصب رسالت اور درجۂ معصومیت عطا فرما کر، رہی سہی کسر پوری کر دی ہے ـــــ علاؤالدین خلجی اور اکبر کو دعوئ نبوت کی ترغیب دلانے والے بھی آخر

Marfat.com

"نوکر شاہی" سے ہی تعلق رکھتے تھے۔

(۵) ہر مسئلے کو کتاب و سنت سے حل کرنے کا یہ مطلب بھی ہے کہ جہاں خاص اُس مسئلے پر نصِ قطعی موجود نہ ہو وہاں اصولِ شریعت کی روشنی میں اسے طے کیا جائے اسلام کے واضح احکام اور بنیادی اصولوں سے متصادم کوئی فیصلہ نہ کیا جائے کسی بھی معاملے میں شارع کی خاموشی اسی مشروط آزادیٔ عمل کی دلیل ہے۔

(۶) فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ حُکّام اور علماء کے ساتھ عوام کا اختلاف جائز ہے چونکہ اصل ماخذِ شریعت اور معیارِ حق و باطل کتاب و سنت ہے جس کی روشنی میں ہر شخص کا احتساب کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کسی شخص کو محض اپنی اعلیٰ سرکاری پوزیشن یا دنیوی وجاہت اور دینی سیادت کے بل بوتے پر من مانی کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا: یہی طریقِ کار جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یعنی کتاب و سنت کا اتباع اور حکامِ وقت کی اطاعت اور ان کا احتساب — یہی متوازن طریقِ عمل ساری بھلائیوں کی جان اور اسلامی نظام کی خوبیوں کی امدادن سے خوش نما نتائج کی ضمانت ہوگا۔ اور یہی نظام دنیا میں ذریعۂ امن و راحت اور آخرت میں وسیلۂ نجات و سعادت ثابت ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ	کیا آپ نے [illegible]
کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو (دعویٰ کرتے ہیں / رکھتے ہیں) (اس زعم میں مبتلا ہیں)	ان لوگوں پر نظر [illegible]
أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ	[illegible] وہ ابھی
کہ وہ ایمان لائے ہیں اس (کتاب) پر جو نازل کی گئی تیری طرف	ایمان لائے ہیں اس کتاب (قرآن) پر جو تمہاری طرف
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	نازل کی گئی ہے اور ان
اور اس پر (بھی) جو نازل کی گئی تجھ سے پہلے	کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں

Marfat.com

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى

(مگر) وہ چاہتے (یہ) ہیں کہ (اپنے) فیصلے کرائیں / مقدمے لے جائیں

الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ

طاغوت کے پاس حالانکہ انھیں حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ

يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

منکر ہوجائیں اس (طاغوت) کے اور شیطان (تو یہ) چاہتا (ہی) ہے کہ

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾

ان کو بھٹکا کر لے جانے (راہ راست سے) بہت دور دراز (گمراہی کی طرف)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى

اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تم آؤ اس (حکم) کی طرف جو

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

اللہ نے نازل کیا ہے اور رسولؐ (کے فیصلے) کی طرف آؤ

رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

تو تو نے دیکھا (ہوگا) منافقوں کو کہ (کیوں کر) تجھ سے ہٹ رہتے / کتراتے ہیں

عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ

تجھ سے منہ موڑ کر پھر کیا (کم رسوائی ہوتی) ہے

مگر حالت یہ ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے طاغوت (یعنی غیر خدائی قوانین) سے کرانے کے خواہاں ہیں۔ حالانکہ انھیں یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ اس (طاغوت) سے انکار کردیں (مگر) شیطان انھیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانے کے درپے ہے

جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ (اپنے معاملات کے) فیصلوں کے لیے اللہ کی نازل کردہ کتاب (قرآن) اور رسولؐ (کی سنت) کی طرف آؤ۔ تو اے نبی! تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اس وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے جب

Marfat.com

إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا

جب آ پڑتی ہے ان پر کوئی مصیبت بوجہ اس کے جو

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ

آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے (کر) پھر (دوڑے) آتے ہیں تیرے پاس

يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ

قسمیں کھاتے ہوئے کہ خدا کی نہیں چاہتے تھے ہم

إِلَّآ إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾

مگر صرف بھلائی (کرنا) اور میل ملاپ (رکھنا)

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ

یہی ہیں وہ لوگ کہ (بس) جانتا ہے اللہ (ہی خوب)

مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ

جو کچھ ہے ان کے دلوں میں سو (تم) [illegible]

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ

ان سے اور نصیحت دیا کر ان کو اور کہہ ان سے

فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

ان کے بارے میں (دلوں) اثر جانے والی ۔ موثر بات

اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے کوئی مصیبت ان پر آ پڑتی ہے تو اس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے (بھاگے) آتے ہیں کہ خدا ! (دوسروں کی طرف رجوع کرنے سے ہمارا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا اور ہم تو فقط یہ چاہتے تھے کہ فریقین میں میل ملاپ [illegible] ورنہ [illegible] مسلمان [illegible]

(اے) لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے [illegible]

[illegible] اور ان سے ایسی نصیحت کرو کہ بات ان کے دل کی گہرائیوں تک اتر جائے

لغوی ونحوی اشارات :۔

یَزْعُمُوْنَ :۔ زَعَمَ کے اصل معنی تو صرف "بات کرنا" ہیں سچی ہو یا جھوٹی ۔ مگر اس کا زیادہ استعمال جھوٹی اور بے اصل بات پر ہوتا ہے ۔ قرآن میں ہر جگہ اس کا استعمال مذموم معنوں میں ہی ہوا ہے ۔ یُرِیْدُوْنَ :۔ اَلَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ کا حال ہے یعنی حالت یہ ہے کہ وہ ۔۔۔ یہ چاہتے ہیں :۔ یَتَحَاکَمُوْا :۔ تَحَاکُم کے معنی "فریقین کا کسی کو اپنے جھگڑے کا حَکَم بنانا اور اس کے فیصلے کو تسلیم کرنا" ہیں ۔ الطَّاغُوْت پر بحث آیت ۵۱ میں ہو چکی ہے ۔ ضَلٰلًا بَعِیْدًا :۔ (مرکب توصیفی) مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے جو یُضِلَّھُمْ کی وجہ سے دراصل اِضْلَالًا ہونا چاہیئے تھا ۔ لیکن اس طرح ایک مصدر کی بجائے دوسرے باب کا مصدر بھی استعمال کرنا جائز ہے ۔ یا ایک فعل محذوف کا مصدر بھی قرار دیا جا سکتا ہے یعنی دراصل فَیَضِلُّوْا ضَلٰلًا تھا ۔ تَعَالَوْا :۔ دراصل تَعَالَیُوْا تھا ۔ اس کے اصل معنی "اوپر آ جاؤ" ہیں مگر اب مطلقاً "آ جاؤ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ صُدُوْدًا :۔ مصدر اور مفعول مطلق منصوب ہے ۔ وَعِظْھُمْ وَعَظَ یَعِظُ (نصیحت کرنا) سے فعل امر صیغہ واحد مخاطب عِظْ (تو نصیحت کر) بنتا ہے ھُمْ ضمیر منصوب ہے ۔ قَوْلًا بَلِیْغًا :۔ قَوْلًا کا مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے ۔ بَلِیْغٌ بلاغۃ سے صفت ہے جو بولنے والے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کلام کے لیے بھی یعنی رَجُلٌ بَلِیْغٌ اور قَوْلٌ بَلِیْغٌ ۔ بلاغۃ کے اصل معنی "اپنی بات کو نہایت اچھے الفاظ میں مختصر مگر نہایت موثر طریقے پر بیان کرنا" ہیں ۔

تفہیم وتفسیر :۔

ان آیات میں منافقوں کی مذمت ، نفاق کے اثرات اور اس کے اسباب و علامات کا ذکر ہے ـــــ اس سے پہلے آیت ۵۹ میں "اطاعتِ رسول ؐ" کا حکم بیان ہو چکا ہے ۔ رسول ؐ کی حاکمیت سے انکار اور رسول ؐ کی اطاعت سے انحراف و انقباض ہی نفاق کی اصل علت و علامت ہے ـــــ اس لیے اطاعتِ رسول ؐ کے

Marfat.com

حکم کے فوراً بعد اس موضوع پر بات ہوئی ہے (اور یہ بحث بالتقطع سورت میں کافی دور تک یعنی تقریباً آیت ۲۵ تک چلے گی) نفاق اور منافقوں کا یہ بیان اس لحاظ سے نہایت اہم اور قابلِ غور ہے کہ اس کے ذریعے نہ صرف اسلام کے ان اندرونی دشمنوں کی پہچان ہو جاتی ہے بلکہ ہر مسلمان خود بھی اس آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ایمان اور نفاق کا جائزہ لے سکتا ہے ــــ نفاق اور منافقوں سے متعلق آیات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقوں میں تین قسم کے لوگ تھے۔

(i) وہ جو دل سے حضورؐ کی رسالت، آپ کی تعلیمات اور آپ کے دعووں کی صداقت کے منکر تھے یعنی دراصل کافر ہی تھے مگر کسی مصلحت کے ماتحت یا اسلام دشمنی کے ہی کسی پروگرام کے مطابق بظاہر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ یہ لوگ عموماً احتیاط کرتے تھے کہ کسی طرح ان کی اندرونی حالت مسلمانوں پر ظاہر نہ ہونے پائے ــــ اور کہیں راز کھلتا نظر آتا تو قسمیں کھا کھا کر اور مختلف قسم کے "عذر" پیش کر کے اپنی پوزیشن محفوظ کرنے کی کوشش کرتے۔

(ii) کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو حضورؐ کو خدا کا رسول اور "صاحبِ روحانیت" آدمی تسلیم کرتے تھے۔ اور اللہ، فرشتوں، آخرت وغیرہ کے بارے میں آپؐ کی تعلیمات سے بھی متفق تھے مگر آپؐ کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتے تھے خصوصاً دنیوی معاملات اور پبلک سے متعلق امور میں وہ اپنی سیادت اور لیڈر شپ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور بعض دفعہ وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بھی کر دیتے تھے

(iii) وہ کمزور ایمان کے مسلمان جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کے تو قائل تھے مگر اپنے دنیوی مفادات کو دین کی خاطر قربان کرنے کو تیار نہیں تھے بلکہ بعض دفعہ انہی مفادات کی خاطر وہ کافروں اور منافقوں کے آلۂ کار بھی بن جاتے تھے۔ ــــ ان میں سے پہلی قسم کے منافق صرف حضورؐ کے زمانے میں ہی تھے ــــ بعد میں نہیں رہے ماسوائے غیر مسلم جاسوسوں وغیرہ کے ــــ دوسری

Marfat.com

دونوں قسموں کے منافق مسلم معاشرے میں کم و بیش ہمیشہ ہی موجود رہے ہیں ——
نفاق، اسلام کا وہ "علاقہ" ہے جس کی سرحد کفر سے ملتی ہے اور یہیں سے کفر "سمگل"
(Smuggle) ہو کر اسلام میں آتا ہے —— کفر کے ان "سمگلروں"
یعنی منافقوں کی حرکات و محرکات اور ان کی عادات و علامات کو بیان کرنے
والی قرآنی آیات پر غور و تدبر، اسلام کے "ہر شہری" کے اندر ایک داخلی انقلاب
پیدا کر کے اُسے تمام مذموم رجحانات سے نجات دلا سکتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ :-

(۱) کتنی عجیب حالت ہے ان لوگوں کی جو ایمان کے بلند بانگ دعاوی رکھتے ہیں مگر . . . . .

(۲) ہر منافق اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا تو ہے ہی بعض دفعہ وہ اپنے آپ کو "مسلمانی" کے خود ساختہ تصور کے مطابق مسلمان سمجھنے بھی لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی لیے ان کے بیان میں قَالَ (کہا)، حَسِبَ (گمان کیا) اور زَعَمَ (دعوی کیا) جیسے افعال کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔

(۳) یہاں خاص طور پر ذکر منافقوں کے دعوئ ایمان بالکتاب کا ہے کیونکہ ان کی خرابی انکار اطاعت ہے، اطاعت قانون کی ہوتی ہے اور قانون کتاب میں ہے۔ پس یہ اجتماعِ ضدین، —— کہ قانون تسلیم مگر اطاعت؟ ——
سخن دریں جاست —— واقعی قابل تعجب ہے (عربی میں اَلَمْ تَرَ ہمیشہ اظہارِ

لہ "سمگلر" اپنے آپ کو اپنے "ملک" کا محب وطن شہری کہلاتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہے۔ بلکہ شاید اپنی وطن دشمن سرگرمیوں کو بھی پبلک ضروریات کی بہم رسانی اور ایک "نظام حاجت روائی" قرار دے کر اپنے کاروبار کے مخالف "ملکی" قوانین کو بھی "دین ملا" کی طرح مطعون کرتا ہے۔

Marfat.com

تعجب کے لیے بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے)

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ

(۱) اپنے معاملات کے فیصلے شریعت کی بجائے طاغوتی قوانین کے مطابق کرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس ایمان کا انھیں دعویٰ ہے، اس کی شرائط [illegible] "طاغوت سے انکار" بھی شامل ہے۔ اور اس بات کو مبہم نہیں رکھا گیا اس کا تو واضح حکم دیا جا چکا ہے۔ (سورہ البقرہ: ۲۵۶ — فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى — سورہ النحل: ۳۶ — اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ، اور سورہ الزمر: ۱۷ — وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى کی طرف اشارہ ہے یہ تمام آیات سورہ النساء سے پہلے کی نازل شدہ ہیں)

(۲) طاغوت کی تشریح اسی سورت کی آیت ۵۱ کے ماتحت پہلے بھی گزر چکی ہے — یہاں طاغوت سے مراد، صریح طور پر، ہر غیر اللہ کی حکومت [illegible] ہے — وہ نظامِ حکومت وعدالت طاغوت کی حیثیت [illegible] جو خدائی کتاب کا مطیع نہیں اور جو خدا کے قانون کے سوا کسی دوسرے قانون کو نافذ کرتا ہے۔ بیک وقت خدا اور طاغوت دونوں کے آگے جھکنا ہی [illegible] ہے[1]

وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا [illegible]

(۱) بنی آدم کے ازلی دشمن شیطان کی تو تمنا اور کوشش [illegible]

---

[1] طاغوت کا ذکر قرآن کے حسب ذیل مقامات پر ہوا ہے۔ البقرہ: ۲۵۶، ۲۵۷، [illegible] ۵۱، ۶۰، ۷۶، المائدہ: ۶۰، النحل: ۳۶ اور الزمر: ۱۷ —

Marfat.com

راہ راست سے زیادہ سے زیادہ دور کر دے۔

(٢) شیطانی خیالات و جذبات انکار و سرکشی کے میلانات اور نفسانی خواہشات کی پیروی سے آدمی راہ حق سے دور اور دور تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ واپس آنا دشوار ہو جاتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۔

(١) منافقین مدینہ کی یہ بھی ایک عام روش تھی کہ جب انھیں کوئی مقدمہ جھگڑا آ پڑتا تو فیصلے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت گھبراتے تھے۔ کیونکہ یہاں تو بہر حال کسی قسم کی خیانت یا چرب زبانی نہ چل سکتی تھی بلکہ انصافِ خالص کا "خطرہ" ہوتا تھا۔ یہ رویہ ان کا خصوصاً اس وقت ہوتا تھا جب مقدمہ میں اپنے خلاف فیصلہ ہونے کا اندیشہ ہوتا البتہ اگر انہیں اپنے حق میں فیصلہ ہونے کی توقع ہوتی تو مظلوم اور مطیعِ رسولؐ بن کر بارگاہِ نبوی کا رُخ کرتے تھے[1]

(٢) سابقہ آیت (٦٠) میں ان لوگوں کے کتاب اللہ کی بجائے طاغوت کے فیصلوں پر راضی ہونے کا ذکر تھا۔ یہاں اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ (خدا کی کتاب اور رسول کے فیصلے) سے کترانے کی مذمت کی گئی ہے اور (يَصُدُّوْنَ عَنْكَ (کی ضمیر مخاطب) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گھبراہٹ یا انکار صرف فیصلۂ رسولؐ سے تھا۔ اس طرح ان دونوں آیتوں ٦٠، ٦١ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کا رویہ بڑا "ماڈرن" قسم کا تھا یعنی کتاب اللہ تسلیم مگر اس کی اطاعت سے

[1] اس دوسری صورت کا ذکر اشارۃً اگلی آیت ٦٢ میں اور صراحتاً النور: ٤٩ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ۔ اگر حق ان کی طرف ہو تو کان دبائے رسولؐ کے پاس آتے ہیں) میں ہے

Marfat.com

انکار و انحراف اور رسولؐ (کی سنت) سے صاف انکار و اعراض"۔

(۳) آج بھی بہت سے جاہل منافقوں کا یہی حال ہے کہ اگر شریعت کا فیصلہ اپنے حق میں ہوتا ہو تو بسروچشم منظور، بلکہ اسلام کی دہائی دے دے کر فریقِ مخالف کو دشمنِ اسلام قرار دیں گے۔ ورنہ ہر اس قانون اور رواج کو ترجیح دیں گے جہاں سے اپنی حسبِ خواہش فیصلہ حاصل ہونے کی توقع ہو[1] ——— اور ان کے "روشن خیال" برادرانِ شغال کی بھی یہی حالت ہے کہ سنت کا انکار بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی مفید مطلب حدیث ملتی ہے تو اسے اپنی کتابوں اور رسالوں کے سرورق کی لوح پہ ثبت فرماتے ہیں۔

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا :-

(۱) جب کسی طرح ان منافقوں کی خیانت و منافقت کا علم مسلمانوں کو ہو جاتا اور اپنی دورنگی کے کھل جانے سے اپنے آپ کو عجیب الجھن اور پریشان کن (Embarrassing) پوزیشن میں پھنسا ہوا پاتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ ہم بھی پورے مومن ہیں۔ ایمان میں کسی سے کم نہیں اور ہمیں رسولؐ کی حاکمیت و اطاعت سے انکار کہاں ہے؟ ہم تو محض نیک نیتی، خیر سگالی اور فریقین کے درمیان مفاہمت

---

[1] وراثت کے معاملے میں آج بھی کتنے ہی "مسلمان" اسلامی قانون شریعت کی بجائے ہندوانہ "رواج" کی خوبیاں گنواتے ہیں۔ اور شاید یہ بات بھی اسی ضمن میں آتی ہے کہ ہمارے ہاں بعض لوگ اپنا "مقدمہ" کسی ایماندار و پختہ سیرت مجسٹریٹ یا جج کے پاس لگنے سے گھبراتے ہیں مگر کسی راشی اور بددیانت جج کے پاس جانے پر خوش ہوتے ہیں ———

Marfat.com

کے خیال سے دوسروں کے ساتھ بس صرف رواداری برتتے ہیں۔

(۲) مندرجہ بالا تینوں آیتوں ۶۰ تا ۶۲ کے شانِ نزول میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام نہاد مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا ہوا۔ یہودی حق پر تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ چلو حضورؐ کے پاس ہی تصفیہ کرالیں منافق کا پہلو (Case) کمزور تھا اس لیے اس نے یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس چلنے کے لیے آمادگی ظاہر کی (یہ کعب بن اشرف اپنی رشوت خوری و بددیانتی کے لیے مشہور تھا)۔ آخر یہودی کے اصرار پر وہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس لے گئے۔ حضورؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا کیونکہ حق پر وہی تھا۔ وہاں سے نکل کر منافق نے کہا چلو اب ذرا حضرت عمرؓ سے بھی پوچھ لیں۔ حضرت عمرؓ ان دنوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کے قاضی تھے اور شاید منافق کو یہ بھی خیال ہوا کہ حضرت عمرؓ بڑے "متعصب" مسلمان ہیں ضرور یہودی کے مقابلے پر ایک "مسلمان" کا ساتھ دیں گے — حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ پہلے بارگاہِ رسالت سے یہودی کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے تو انھوں نے اس منافق مسلمان کو سزائے موت دے دی اور کہا "جو مسلمان ہو کر رسولؐ کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے" — دوسرے منافقین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں کھانے لگے کہ وہ شخص آپؐ کے فیصلے سے ناراض نہیں تھا بلکہ وہ تو حضرت عمرؓ کے پاس صرف اس لیے گیا تھا کہ شاید ان کے ذاتی دباؤ سے فریقین میں راضی نامہ ہو جائے گا۔ اور ہم جو کوئی مقدمہ وغیرہ دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو اس خیال سے نہیں کہ فیصلہ کا حق رسولؐ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے بلکہ ہم تو صرف اس لیے جاتے ہیں وہاں انصاف و قانون سے زیادہ فریقین کے درمیان مفاہمت و مصالحت (Compromise) کی توقع ہوتی ہے۔

Marfat.com

(۳) آیت اپنے مفہوم کے لحاظ سے ہمارے زمانے کے ان لوگوں پر بھی صادق ہے جو اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں، اسلامی قوانین کی بجائے طاغوتی نظریات میں مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ کو "کٹر ملائیت" سے نجات دلائی جائے اور اسلام کی، حالات حاضرہ اور زمانے کے تقاضوں سے، مطابقت "موافقت" پیدا کی جائے۔ اور شاید وہ لوگ بھی اشارتاً اس آیت کے مفہوم میں شامل ہیں جو اپنے اقتدار یا لیڈری کو خطرے میں پاکر اسلام کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اپنے صریح خلاف اسلام نظریات کی بڑی خوش آیند تاویلیں کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۔

(۱) خدا خوب جانتا ہے کہ ان (منافقوں) کے دل کہاں تک ان کی زبانوں کے رفیق ہیں۔ اور ان کی زبانیں کہاں تک ان کے دلوں کی ترجمان ہیں سو آپ (اے نبیؐ!) ان لوگوں کی نیتوں اور ان کے ذہنی محرکات کے معاملہ کو، اور ان کی کرتوتوں کے مواخذہ کا خدا پر چھوڑ دیں۔ جو کفر و نفاق یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ آپ ان سے الجھنے اور ان کی باتوں پر گرفت کرنے کی بجائے اپنے خلقِ عظیم سے کام لے کر درگزر کرتے رہیئے اور ساتھ ہی ساتھ انھیں نہایت نرمی سے اور بڑے موثر طریقے پر نصیحت کرتے رہیں ۔ ع

شاید کہ اُتر جائے کسی دل میں تری بات

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا واقعی یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے منافق سچے ایماندار بن گئے۔

(۲) آیت میں دین کی خاطر کام کرنے والوں کے لیے ایک سبق بھی ہے کہ جب انہیں اس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑے تو ان سے الجھ کر بے کار اپنا وقت اور

Marfat.com

فرصت ضائع کرنے کی بجائے خاموشی سے اپنا تعمیری کام کرتے چلے جائیں۔
البتہ مؤثر انداز میں تلقین و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ	اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لیے بھیجا کہ حکم الٰہی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے
اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول	
اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ	
مگر اس لیے کہ اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے اور	اور اگر انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب (نافرمانی کرکے) وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے تھے تو (اے پیغمبر!) یہ تمہارے پاس آتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (یعنی آپ) بھی ان کے لیے مغفرت چاہتے تو یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔
لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ	
اگر یہ لوگ (ایسا کرتے کہ) جب وہ ظلم کر بیٹھے تھے اپنی جانوں پر خود اپنی ہی	
جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ	
(تو) آتے تیرے پاس پھر اللہ سے مغفرت کے طلب گار ہوتے	
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ	
اور مغفرت کا طلبگار ہوتا ان کے لیے رسول (یعنی آپ) بھی	
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾	
تو وہ پاتے اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان	
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں (اے پیغمبر!) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی ایمان
سو قسم ہے تیرے پروردگار کی (کہ) یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے	

Marfat.com

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

جب تک کہ وہ حکم (نہ) بنائیں تجھ کو اس چیز میں کہ (جس پر) جھگڑا اٹھے

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

ان کے درمیان پھر نہ پائیں وہ اپنے

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

جی / دلوں میں کسی قسم کی خفگی (تنگی) اس سے جو کچھ کہ تو نے فیصلہ کیا

وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَ

اور (بلکہ) تسلیم کرلیں (اسے اس طرح جسے بطیب خاطر تسلیم کرنا کہا جا سکے) اور

لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ

اگر ہم نے (فرض کر) حکم دیا ہوتا ان (منافقین) پر (یہ) کہ مار

اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا

ڈالو اپنے آپ کو یا (یہ کہ) نکل جاؤ

مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اپنے گھروں سے، تو نہ کرتے وہ لوگ یہ (کام)

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ

مگر بہت تھوڑے ان میں سے (تعمیل کرتے) ۔ اور اگر یہ لوگ

سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا تسلیم (نہ) کر لیں اور وہ بھی اس طرح کہ اچھی طرح [illegible] فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی [illegible] تنگی محسوس نہ کریں بلکہ بطیب خاطر [illegible] تسلیم کرلیں۔ اگر ہم [illegible] انہیں (منافقین) [illegible] کہ اپنی جانیں [illegible] گھروں سے نکل جاؤ، تو ان میں سے بہت تھوڑے [illegible] پر عمل کرتے۔

Marfat.com

يَفْعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ

(یہی) کریں جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ

تو یہ ہوتا بہتر ان کے حق میں اور زیادہ مضبوط ہوتا

تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

بلحاظ (دین پر ثابت قدم رکھنے کے - اور اس وقت ہم ضرور دیتے ان کو

مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

اپنے پاس سے اجر عظیم

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

اور ہم ضرور رہنمائی کرتے ان کی راہِ راست (کی طرف)

حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل پیرا ہوتے تو یہ ان کے لیے زیادہ خیر و برکت کا باعث اور (دین کی راہ میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور (جب یہ اس نہج پر چلتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بڑا اجر عطا کرتے اور انہیں سیدھے راستے پر لے چلتے۔

لغوی ونحوی اشارات :-

مِنْ رَّسُوْلٍ میں مِنْ زائد تاکید کے لیے ہے یعنی "کوئی بھی رسول" جَآءُوْكَ میں ضمیر مخاطب (منصوب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور اس سے آگے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ میں صیغۂ مخاطب سے صیغۂ غائب کی طرف رجوع اس سبب سے ہے کہ اسم ظاہر (الرَّسُوْلُ) میں یہ وضاحت ہے کہ آپ ہی رسول ہیں اور رسولؐ کی اطاعت کا واجب ہونا بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات صرف وَاسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ کے لانے سے پیدا نہیں ہو سکتی تھی ـــ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا:- فعل وَجَدَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اس طرح مفعول اوّل اللّٰهَ اور مفعول دوم۔

Marfat.com

تَوَّابًا رَّحِيْمًا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تو لَوَجَدُوا کا مفعول ہو اور تَوَّابًا رَّحِيْمًا کو اللہ کا حال (منصوب) قرار دیا جائے۔ فَلَا وَ رَبِّكَ میں لَا زائدہ ہے یعنی دراصل فَوَ رَبِّكَ ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لا کے بعد ایک فعل محذوف ہے تقدیر یوں ہوگی فَلَا يَفْعَلُوْنَ وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ——
حَرَجًا فعل لَا يَجِدُوْا کا مفعول ہے اور لَا يَجِدُوْا کا عطف يُحَكِّمُوْا پر ہے اور دونوں کا نؔ حتّٰی کی وجہ سے گر گیا ہے۔ تَسْلِيْمًا مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے۔ مَا فَعَلُوْهُ میں ضمیر مفعول "ہ" یا تو "قتل" اور "خروج" کے لیے الگ الگ ہے یا فعل كَتَبْنَا کی وجہ سے مَكْتُوْب کے لیے ہے —— قَلِيْلٌ کی رفع فَعَلُوْهُ کی ضمیر مرفوع (فاعل) کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا میں اَشَدَّ تو (خَيْرًا کی طرح) کان کی خبر ہو کر منصوب ہے اور تَثْبِيْتًا اس کی تمیز ہو کر منصوب ہے۔ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (مرکب توصیفی) لَهَدَيْنَا کا مفعول ثانی ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

سابقہ آیات (۶۰ تا ۶۴) میں "منافقوں کا دل سے اطاعتِ رسول کا قائل و پابند نہ ہونے مگر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر طرح طرح کے بہانوں اور جھوٹی قسموں سے اپنی اطاعت و سچائی کا یقین دلانے" کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں اطاعتِ رسول کو مقصدِ رسالت اور اسلام کا بنیادی اصول قرار دے کر یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ یہ اطاعتِ رسول محض ظاہر داری اور دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ نہایت خلوص نیت اور صمیم قلب سے ہونی چاہیئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(۱) منصبِ رسالت کے بارے میں اہلِ عرب (مشرک اور اہل کتاب سب ہی) بعض شدید غلط فہمیوں اور باطل تصورات میں گرفتار رہتے تھے۔ مثلاً مشرکین عرب کسی بشر کے رسول ہونے کے منکر تھے عیسائی اپنے رسول (مسیح علیہ السلام) کی

Marfat.com

بشریت کے منکر تھے۔ یہودی "آلِ رسول" ہونے کو گناہوں کا لائسنس اور پروانۂ نجات سمجھتے تھے۔ غالباً یہودیوں ہی کے زیرِ اثر منافقینِ مدینہ بھی رسولؐ اور اس کے پیغام پر صرف ظاہری ایمان کو کافی سمجھتے تھے اور اطاعتِ رسولؐ سے صرف جی ہی نہیں چراتے تھے بلکہ اسے دین کی اصل اور ایمان بالرسول کی ضروری شرط بھی نہیں مانتے تھے ـــــ قرآن نے مشرکین اور اہلِ کتاب کے، رسولؐ و رسالت سے متعلق، تمام شبہات اور غلط عقائد کی تردید کی۔ اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو رسالت کے درست تصور، اس کے آداب اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا ـــــ یہ قرآن کریم کا ایک نہایت اہم موضوع ہے جس پر متعدد سورتوں میں اور مختلف پیرایوں میں بات کی گئی ہے ـــــ آیت زیرِ مطالعہ میں اطاعتِ رسولؐ کو مقاصدِ رسالت میں شمار کیا گیا ہے ـــــ اور خلوص و وفاداری کو اس کی شرط ٹھیرایا گیا ہے۔

(۲) خدا کی طرف سے رسول محض اس لیے نہیں بھیجا جاتا کہ بس اس کی رسالت کا اقرار کر لو اور پھر اطاعت چاہے کسی کی کرتے پھرو۔ اور نہ ہی خود رسولؐ کو کسی الیکشن لڑنے والے سیاست دان کی طرح، اپنے ووٹروں (پیرووں) کے اعمال سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ـــ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، دوسرے تمام قوانین چھوڑ کر، صرف اسی کی پیروی کی جائے۔ امت کے لیے ضروری ہے کہ رسول کو مطاع اور مقتدا تسلیم کر کے اس کی بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا بھی سیکھے اور یہ اس لیے کہ رسول کے احکام خدا کے احکام ہیں۔ اور خدا کے احکام کو بندوں تک پہنچانے کے علاوہ، رسول ان احکام کا بہترین سمجھنے والا اور ان پر سب سے پہلے عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

(۳) رسولؐ کی اطاعت شخصیت پرستی نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی اطاعت کی واحد صورت ہے اور صرف اطاعتِ رسولؐ کے ذریعے ہی آدمی ہر طرح کی شخصیت

Marfat.com

پرستی، نفس پرستی اور کئی طرح کی "پرستیوں" سے نجات پا سکتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

(۱) شانِ نزول کے پس منظر میں بات اسی یہودی اور منافق والے مقدمے پر چل رہی ہے۔ ان لوگوں کا جرم یہ کچھ کم نہیں تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لینے کے باوجود آپؐ کے واضح فیصلے سے اعراض کیا اس سنگین جرم کے ارتکاب کے بعد انھیں چاہیئے تھا کہ فوراً نادم ہو کر بارگاہِ نبوی میں پیش ہوتے۔ پھر وہاں بہانے بنا بنا کر اور قسمیں کھا کھا کر اپنے آپ کو بے گناہ اور بری الذمہ بلکہ مخلص قرار دینے کی کوشش نہ کرتے بلکہ وہ اپنے کیے پر ندامت اور دلی پشیمانی کا اظہار کرتے اور معافی مانگتے —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلب مغفرت —— یہ دونوں چیزیں یقیناً رحمۃ للعالمینؐ کے قلب مبارک سے اس ابتدا کے اثر کو دور کر دیتیں، جو ان لوگوں کے پہلے رویے سے پیدا ہوا تھا، اور آپؐ ضرور ان لوگوں کے لیے بارگاہِ الٰہی سے مغفرت طلب کرتے —— اس طرح ان کی توبہ قبول ہو گئی ہوتی اور وہ اللہ کی رحمت اور توجہ کے مستحق ٹھہرتے۔

(۲) عموم کے اعتبار سے آیت میں ہمارے لیے یہ سبق بھی ہے کہ جب کسی مسلمان سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو یا کوئی بُرائی سرزد ہو تو اسے اس کی معافی اور تلافی کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لیے نہیں کہ اس غلطی پر اڑ جانے اور اپنے موقف کو جائز قرار دینے کے لیے کتاب و سنت سے "دلائل" اور حیلے ڈھونڈتا پھرے۔ بلکہ خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، اپنی غلطی کی معافی اللہ سے مانگنی چاہیئے۔ مسلمان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہونا چاہیئے کہ بُرائی کر بیٹھنے پر اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس ہو۔

Marfat.com

آقاؐ کے حضور خجالت کا یہ احساس اس کے اشک ہائے ندامت کو بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قدر اور باعث مغفرت بنا دے گا۔

(۳) بعض حضرات نے جو اس آیت سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے اور مشکلات میں حضورؐ کو پکارنے کا استدلال کیا ہے وہ امکان اور عدمِ اِمکان کی بحث سے قطع نظر، اس لیے غلط ہے کہ کتاب اللہ اور خود آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس قسم کے اعتقاد و عمل سے منع فرما دیا ہے۔ اطاعت کی عملی شکل وہی اور صرف وہی درست ہے جسے کتاب اللہ اور سنتِ خیرالانام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منظوری حاصل ہے اپنے اپنے ذہن کے مطابق "خدا و رسول کی اطاعت اور چاہے کچھ ہو اطاعت" ضرور نہیں ہے۔ آقاؐ کی تعظیم اس کے حکم کی تعمیل میں ہے نا کہ تاویل میں۔ —— اس کے بعد یہ بحث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں فلاں اختیار حاصل ہے یا نہیں یہ کچھ اس قسم کی فضول بحث ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ صدر مملکت کسی شخص کو، امتحان دیئے بغیر بھی، کوئی ڈگری دلا سکتا ہے یا نہیں۔ کیا انکار کرنے والا کسی توہین کا مرتکب ہے؟

(۴) اس کے برعکس ان لوگوں کی تفریط اور "ضلالتِ کبریٰ" بھی مقامِ عبرت ہے جو قرآن و سنت کے علاوہ لغت... سے بھی تمسخر کرتے ہوئے توبہ مغفرت اور رسول کا "مفہوم" بھی اب "ایجاد" کرتے پھرتے ہیں جو اپنی بے بصیرتی سے روحانیت اور تعلق باللہ کو ایک ڈھکوسلا خیال کرتے ہیں، اور جن کے "مارکسی" فکر کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ قرآن میں رسول سے مراد صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مہدیٔ موعود کا ہمزاد "مرکز ملت" ہے (جس کا مدعی اور مصداق، مہدیت کی طرح کوئی طالع آزما دینی یا سیاسی لیڈر ہو سکتا ہے) —— دیکھئے! اس فکر نے مندرجہ بالا آیت کا مفہوم کیا نکالا ہے:۔ "نہ مجرم براہ راست خدا سے معافی طلب کر سکتا ہے نہ خدا اسے براہِ راست معافی دیتا ہے۔ یہ

Marfat.com

سب کچھ اس نظام کی وساطت سے ہوتا ہے جو قوانینِ خداوندی کے نفاذ کے لیے قائم ہوتا ہے اور جب یہ نظام اسے معافی دیتا ہے تو یہ معافی اس نظام کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ یہ اس کے قانون کے مطابق ملی تھی" ـــــ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (حق کو چھوڑنے کے بعد گمراہی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا ؟)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ؕ ۔

ایمان کا تقاضا اطاعتِ رسولؐ ہے اور ایمان کا یہ تقاضا، حیاتِ رسولؐ میں ظاہری نیازمندی سے اور بعد از وفاتِ رسولؐ محض "نیازِ دوں" کی نمائش سے پورا نہیں ہوتا ۔ جب تک کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام باہمی اختلافات ہیں ، وہ افراد کے باہمی ذاتی جھگڑے اور مقدمے ہوں یا کسی قومی و ملی مسئلے پر اختلافِ آراء ، حَکَم اور ثالث نہ تسلیم کیا جائے ۔ اور آپ کے فیصلے کو آخری سند مان کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا جائے ۔ حضورؐ کی حیاتِ مبارک میں تو آپؐ کا حَکَم بننا ظاہر تھا ، بعد از وفات آپؐ کی سنت اور آپؐ کی شریعت حَکَم بننے کے لیے کافی ہے ۔ اسی لیے ائمہ فقہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسولؐ کے کسی حکم اور فیصلے کی صحت میں شک و شبہ کرے یا اسے ماننے سے انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ؕ ۔

(۱) رسولؐ اللہ کی خدمت میں اپنے مقدمات محض لے آنا ہی کافی نہیں ، بلکہ رسولؐ کے صادر کردہ فیصلے پر عقلی اور اعتقادی حیثیت سے اطمینانِ قلب بھی ہونا چاہیئے اور آپؐ کے فیصلے کو شرحِ صدر کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے ۔

Marfat.com

ہر چند کہ وہ فیصلہ اپنی خواہشات اور اپنے مفادات کے خلاف ہو اس پر دل میں بھی ادنیٰ سی ناراضگی یا تنگی پیدا نہیں ہونی چاہیے[1] کیونکہ حضورؐ کے فیصلوں کو بطیب خاطر قبول نہ کرنا نفیِ ایمان کی شہادت اور علامت ہے۔

(۲) آیت میں ان لوگوں کے لیے بھی سامانِ ہدایت اور دعوتِ فکر ہے جو اپنے دل پسند نظریات، اور چند "ہر دلعزیز" جاہلی آراء کی تائید کے لیے بوقت ضرورت سنت و حدیث سے "مفید مطلب" "دلائل" بھی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ مگر جہاں سنت کا فیصلہ خلافِ مرضی ہو وہاں سنت اور اطاعتِ رسولؐ سے انکار کر دیتے ہیں۔

(۳) آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلام کی حکومت، عام قانون کی طرح محض "جسم" تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ روح اور قلب، و ذہن پر ہونی چاہیے۔ —— جب تک آدمی کی ذہنی کایا پلٹ نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے اندر ایک داخلی انقلاب پیدا نہیں ہوتا، جب تک ایمان اس کی زبان سے گزر کر اس کے دل کی گہرائیوں تک نہیں پہنچتا اور جب تک وہ خدا اور رسولؐ کے آگے ظاہراً باطناً مجسم تسلیم و رضا نہیں بن جاتا —— وہ دنیا کو نہ کوئی نظامِ ربوبیت دے سکتا ہے نہ صالح قیادت —— بلکہ وہ خود اور اس کے سب دعاوی ہیچ ہیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ-

(۱) آیت کے مصداق و مخاطب (عَلَيْهِمْ اور مِنْهُمْ کی ضمیر جمع غائب

---

[1] اس آیت کے شانِ نزول کی روایات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ زبیرؓ بن العوام اور ایک منافق کے درمیان زمین و پانی کا کوئی جھگڑا ہوا۔ آنحضورؐ نے حق کے مطابق زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دیا تو وہ منافق باہر جا کر یہ کہنے لگا کہ "رسولؐ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کی حمایت کی ہے"۔

Marfat.com

کے مرجع) منافقین مدینہ بھی ہو سکتے ہیں اور عموم کے اعتبار سے "لوگ" یا "انسان" بھی) ——— یعنی منافق یا اکثر لوگ خدا کے نسبتاً آسان احکام پر بھی عمل نہیں کرتے تو سخت، صبر آزما اور "مفاد کش" قسم کے احکام کی تعمیل کرنے والے تو اور بھی کم ہیں

(۲) اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دین کی راہ میں جہاد (جان لڑا دینا) اور ترک وطن یا ہجرت (گھر بار چھوڑ دینا) ضروری ہو جائے تو ان لوگوں میں سے بہت کم ایسے نکلیں گے جو اس بات پر آمادہ ہوں گے۔

(۳) سابقہ آیت (۶۵) کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے اس کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ جب تک آدمی خدا و رسولؐ کو ہر شے پر مقدم نہیں سمجھتا، اور جب تک اس کا ایمان صفتِ تسلیم و رضا سے خالی ہے، اس سے کسی عملی ایثار و قربانی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور ایسے لوگ واقعی بہت کم ہوتے ہیں جو اس کسوٹی پر کندن ثابت ہوں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(۱) مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ سے مراد (یعنی ضمیر "ہ" کا مرجع) ضرورت پڑنے پر "جہاد و ہجرت" کا حکم بھی ہو سکتا ہے اور "ہر قسم کے شرعی احکام بھی ——— اور یہاں بھی ہر جگہ ضمیر "ھُمْ" (اَنَّهُمْ، لَهُمْ، اٰتَيْنٰهُمْ اور لَهَدَيْنٰهُمْ میں) سے مراد وہی منافق یا کمزور ایمان کے لوگ ہیں۔

(۲) اگر یہ لوگ شرعی احکام کی بلا چون و چرا تعمیل کرتے، اگر اطاعتِ خدا و رسولؐ کو تمام مادی مفادات پر ترجیح دیتے اور اگر شک و ارتیاب اور تردد و نفاق چھوڑ کر یکسوئی اور خلوص کے ساتھ کتاب و سنت کی پیروی کرتے تو وہ

(i) حقیقی بھلائی اور انفرادی و اجتماعی صلاح و فلاح کا راستہ پا لیتے۔

(ii) انہیں راہِ خدا میں ثبات و استقامت کی توفیق اور اس کی برکتیں حاصل ہوتیں

Marfat.com

نکلتیں اور ان کی قوت ایمانی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی۔

(۱۱) تب بارگاہِ الٰہی سے انہیں اس کا اجرِ عظیم ملتا۔ ان کی کوششیں بار آور ہوتیں اور۔

(۱۲) ان کے خیالات، اخلاق اور معاملات سب ایک مستقل اور پائدار بنیاد پر قائم ہوتے، وہ ایک بامقصد و با اصول زندگی کی دنیوی و اُخروی برکتوں سے بہرہ اندوز ہوتے، اور ان کا ہر قدم حقیقی منزل مقصود کی طرف اُٹھتا۔

(۱۳) آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہاری اس فرماں برداری سے اللہ اور رسولؐ کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے یہ محض حکم برائے حکم نہیں بلکہ یہ تکلیف ذریعۂ ارتقاء اور حصولِ قربت و درجات کی ابتداء ہے ــــ جس طرح بچے کے لیے زمانۂ تعلیم و تربیت کی "سختیاں" بالآخر خود اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں[1]۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	اور جو اللہ اور رسولؐ کے اطاعت گزار ہوں گے وہ ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جن کو اللہ نے اپنے خاص انعامات سے نوازا ہے ــــ یعنی انبیاء،
اور جو اطاعت کریں گے اللہ کی اور رسولؐ کی	
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ	
سو یہ لوگ (بھی ہوں گے جو) ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے کہ (خاص انعام)	
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ	
فرمایا ہے اللہ نے جن پر (یعنی) انبیاء	

[1] قرآن کریم میں ۲۴ مقامات پر اطاعت خدا و رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے یا اس کے وجوب کو دوسرے پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے

Marfat.com

وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ	صدیقین، شہداء اور صالحین اور کتنے اچھے ہیں یہ رفیق (اگر کسی کو میسر آئیں)
اور صدیقین اور شہداء	
وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ	
اور صالحین اور (کتنے) اچھے ہیں	
اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۶۹) ذٰلِكَ	یہی حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے مل سکتا ہے اور (حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے) بس اللہ کا علم ہی کافی ہے (جو سب سے بڑی سند اور دلیل ہے)
یہ لوگ بلحاظ رفیق ہونے کے یہ (ہی حقیقی)	
الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَكَفٰى	
فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے	
بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (۷۰)	
اللہ باخبر (ہونے کے لحاظ سے)	

لغوی ونحوی اشارات :-

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ :- عطف معطوف ہیں اور نصب یُطِعِ کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے (جو دراصل یُطِیْعُ تھا مگر مَنْ شرطیہ کی وجہ سے خفیف ہوگیا) مَعَ : بعض نحویوں کے نزدیک حرفِ جر ہے اور بعض کے نزدیک اسم ہے۔ زیادہ تر یہ مضاف ہوکر ہی استعمال ہوتا ہے اور ظرفیت (یعنی دو چیزوں کے جمع ہونے کی جگہ یا وقت) کے معنی دیتا ہے۔ کبھی یہ اضافت کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ دراصل حال ہوتا ہے اور اس پر تنوین بھی آتی ہے (یعنی مَعًا ہو جاتا ہے) اور تثنیہ وجمع ہر دو کے لیے آتا ہے

النَّبِيّٖنَ، وَالصِّدِّيْقِيْنَ، وَالشُّهَدَآءِ اور الصّٰلِحِيْنَ یہ سب مِنْ کی وجہ

Marfat.com

سے مجرور ہیں اور مِنْ بیان بیان کے لیے ہے۔ حَسُنَ فعل ماضی اور اُولٰٓئِكَ اس کا فاعل ہے۔ رَفِیْقًا: حَسُنَ کی تمیز یا اُولٰٓئِكَ کا حال ہو کر منصوب ہے اور واحد معنی جمع (رُفَقَآء) استعمال ہوا ہے۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ میں ذٰلِكَ مبتداء اور الْفَضْلُ خبر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مل کر مبتداء اور مِنَ اللّٰهِ قائم مقام خبر ہو۔ عَلِیْمًا: کَفٰی کی تمیز ہو کر نصب میں ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

گذشتہ دس آیات (۵۹ تا ۶۸) میں اللہ اور رسول کی فرماں برداری اور اطاعت کی تاکید کا مضمون مسلسل چلا آ رہا ہے۔ اور ہر جگہ اس اطاعت کی اہمیت و ضرورت کے علاوہ اس پر مرتب ہونے والے فوائد و نتائج کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب یہاں، اللہ کے مقبول بندوں میں شمولیت کو اس اطاعت کا ثمرہ قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ:-

(۱) اللہ اور رسولؐ (ہر دو) کی اطاعت شرط ہے آگے بیان ہونے والے نتائج کی۔

(۲) رسولؐ کی اطاعت سے مستغنی یا منکر ہو کر کسی "خود ساختہ طریقے" پر اللہ کی اطاعت نہ مطلوب ہے نہ مفید۔ حقیقتاً یہ سرے سے اللہ کی اطاعت ہے ہی نہیں بلکہ اس کی نافرمانی ہے۔

(۳) اللہ کی اطاعت کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی جائے ـــــ یہ بات ـــــ کہ رسولؐ کے اس دعوٰی کو تو تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جو کتاب وہ اللہ کی کتاب کہہ کر پیش کر رہے ہیں وہ واقعی اللہ کی کتاب ہے مگر اس کے بعد اس "کتاب" کے سمجھنے میں اپنے آپ کو رسولؐ کا محتاج اور اس کی اطاعت کا پابند ہی نہ سمجھا جائے، بلکہ اپنے اپنے ذہن کے مطابق

Marfat.com

"کتاب" کو سمجھ کر خدا کی اطاعت کر لی جائے ——— اس بات کو زیادہ سے زیادہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جزوی یا ظاہری "تصدیق" تو کہہ سکتے ہیں مگر یہ رسول ؐ کی "اطاعت" ہرگز نہیں ہے۔

(۴) اطاعتِ خدا و رسول کا اصل تعلق صرف واجبات و نفل سے ہی ہے یعنی کم از کم اطاعت یہ ہوگی کہ جن باتوں کے لازماً کرنے کا حکم ہے انہیں ضرور کیا جائے اور جن باتوں سے لازماً منع کر دیا گیا ہے ان کا اجتناب کیا جائے ... یہ "فرڈ ڈ ویژن" کی آخری حد ہے تاہم اس سے آدمی "نیچوں" کی بجائے "اچھوں" میں شمار ہونے لگتا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ:۔

(۱) اطاعتِ خدا و رسول ؐ کے ان کم از کم تقاضوں کو پورا کرنے والے باوجود اپنے اعمال میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور درجہ میں فروتر ہونے کے۔ آخرت میں ان کامل انسانوں کے ساتھ ہی ہوں گے جن کو اللہ نے اپنے خاص احسانات و انعامات سے نوازا ہے[1] - اور دراصل اطاعت کی یہ توفیق بھی محض انعامِ الٰہی اور فضلِ ربّانی ہی ہے۔

(۲) آدم ؑ سے لے کر قیامت تک اس کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کو مختصراً دو ہی گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) خدا کے فرماں بردار یعنی اچھے انسان اور
(ii) خدا کے نافرماں یعنی بُرے انسان۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ہر گروہ ...

---

[1] اس آیت کے شانِ نزول میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک دفعہ حضور ؐ کے ... ثوبان ؓ اور چند صحابہ نے یہ عرض کیا کہ اس دنیا میں تو ہم آپ کی زیارت و صحبت سے اپنے ... تسکین دے سکتے ہیں مگر آخرت میں آپ تو بلند مقام پر ہوں گے اور ہم لوگ جانے کسی نیچے ... میں ہوں گے وہاں ہماری اس آتشِ شوق ... اس پر یہ آیت ...

Marfat.com

بھی انسانوں میں بڑا تفاوت ہوگا اور یہی فرق آخرت میں بھی تفاوتِ درجات کا باعث ہوگا۔ لیکن بحیثیت مجموعی خدا کے سب نیک و مقبول بندے انعام یافتہ ضرور ہیں۔ جس طرح کسی آزاد ملک کے ہر شہری، مزدور سے لے کر صدر مملکت تک کو ایک مشترکہ نعمت (آزادی) حاصل ہوتی ہے۔

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔

اس مقبولِ بارگاہ اور انعام یافتہ زمرے کی نمایاں ہستیوں میں ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے کے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں۔ اس زمرے کی قیادت ہمیشہ انبیاء کے اس مبارک سلسلے نے کی جو آدمؑ سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پھیلا ہوا ہے اس مبارک گروہ کے اندر صفِ نعال میں جگہ مل جانا بھی کچھ کم سعادت نہیں ہے۔

(۲) اب ان مبارک انسانوں کی معیتؑ کا شرف اور ان کی رفاقت کی سعادت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سارے دعوؤںؑ میں سچا مان کر حضورؐ کی غلامی اور اطاعت اختیار کرے گا۔ (یہ بات اس ذکر معیت سے پہلے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ میں بطور شرط بیان ہو چکی ہے)۔

(۳) اس انعام یافتہ زمرے میں شمار ہونے والوں کے متفاوت درجات و مقامات میں سے چار اعلیٰ مراتب (ترتیب نزولی کے اعتبار سے) یہ ہیں۔ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح۔ چونکہ یہ الفاظ اپنے لغوی معنوں کی بجائے خاص اصطلاحی شرعی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان کا ترجمہ نہیں کیا گیا، اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ان کی مختصر تشریح سے ہی انھیں سمجھا جا سکتا ہے۔

(ا) نبیؐ وہ ہے جس پر اللہ کی طرف سے وحی آئے۔ جسے خدا کے احکام بندوں

لہ جن میں دعویٰ اِنِّیْ نَبِیٌّ مَّعَکُمْ ہی بھی شامل ہے۔

Marfat.com

تک پہنچانے پر مامور کیا جاتا ہے ــــ نبوت خدا کا سب سے بڑا انعام ہے جو
کسی بشر کو مل سکتا ہے ــــ نبوت وہبی چیز ہے اکتسابی نہیں یعنی یہ اللہ کی دین
ہے جسے دے دے، محنت اور کوشش سے حاصل نہیں ہوتی ــــ خدا نے
ہر قوم اور ہر ملک میں نبی مبعوث فرمائے ــــ مختلف انبیاء میں بھی فرق مراتب
ضرور ہے مگر شرفِ نبوت و وحی میں سب برابر ہیں۔ سب سے آخری اور سب
سے عظیم نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ذریعے دین مکمل ہوا [illegible]
نے خود اس بات کی وضاحت فرما دی کہ اب ان کے بعد قیامت تک [illegible]
نبی نہیں آئے گا۔

(ii) صدّیق کے لفظی معنی بڑا تصدیق کرنے والا ہیں۔ اس سے مراد [illegible]
ہے جو اتنا راستباز [illegible] کا ایسا [illegible] ہو کہ گویا سچائی [illegible]
بستی اس کی فطرت [illegible] ہو جو [illegible] سچے دل سے حق اور [illegible]
کا ساتھ دینے والا [illegible] شک سے پاک [illegible]
جس کی سیرت [illegible] اپنے رویے [illegible]
اور راست روی [illegible] کسی اور طرز عمل کا خطرہ نہ ہو ــــ [illegible]
صدیقین ہی کو اولیا کہتے ہیں ــــ ان کے ذریعے اسرار [illegible]
ہوتی ہے ــــ نبی کے بعد مخلوق میں سب سے افضل صدیق ہی [illegible]

(iii) شہید کے لفظی معنی نگراں یا گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص [illegible]
جو اپنی زندگی کے پورے طرز عمل سے اپنے ایمان کی صداقت [illegible]
کے برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے ــــ اللہ کی راہ میں [illegible] جان [illegible]
کو بھی شہید اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیتا [illegible]
جس چیز پر وہ ایمان رکھتا [illegible] اسے واقعی حق سمجھتا تھا اور وہ چیز [illegible]
عزیز تھی۔ جبھی تو اس نے اس کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ
نہیں کیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے مفہوم کو صرف [illegible]

Marfat.com

اللہ میں منحصر نہیں کیا بلکہ عام کیا ہے چنانچہ ایسے تمام حق پرست لوگوں کو بھی شہید کہتے ہیں جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ ان کا ہر قول و فعل اور تحریر و تقریر ان کی صداقت اور نگرانیٔ نفس و حمایتِ حق پر شاہد ہو۔

(۱۷) صالح کے لفظی معنی نیک، موزوں اور اہل کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایسے آدمی کو صالح کہتے ہیں جو پورا دیندار اور متبع شریعت ہو۔ جس کے خیالات و عقائد بھی درست ہوں، نیت اور ارادے میں بھی کوئی خرابی نہ ہو اور جو اپنے قول و عمل کے لحاظ سے راہِ راست پر قائم ہو۔ جس میں دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی عملی و علمی صلاحیت اور اہلیت موجود ہو۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا:۔

(۱) دنیا میں اس قسم کے نیک لوگوں کی سوسائٹی اور رفاقت میسر آجانا بھی بڑی خوش قسمتی ہے ـــــ بلکہ حقیقتاً ایسے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا ایک راحت ہے۔

(۲) آخرت میں بلحاظ انجام ان برگزیدہ لوگوں کی معیت تو خاص انعامِ الٰہی ہے ـــــ ایسے پاکیزہ سیرت اور انسانیت کے بلند ترین درجے پر فائز ہونے والے انسانوں کی صحبت یقیناً جنت کی نعمتوں میں سے بھی ایک بہت بڑی نعمت ہو گی۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا:۔

کامل انسانوں کا کمال اور ناقصوں کو ان کی معیت و رفاقت نصیب ہونا ... [illegible] ربانی ہے، اعمال کا ثمرہ نہیں۔ اور اگر کچھ ایسے عمل ہیں بھی تو وہ توفیقِ الٰہی کا نتیجہ ہیں ـــــ ان درجات کی کیفیات کو جاننے اور اطاعتِ رسول میں کسی کے خلوص کو ناپنے کے لیے اللہ کا علم ہی کافی ہے۔ جو بندوں ... ان کے عمل اور ان کے مقتضائے عمل سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے

Marfat.com

ہمارے زمانے کے بعض طالع آزماؤں نے جب نبوت کا کاروبار شروع کیا تو اس آیت (۶۹) سے اجرائے نبوت پر یوں استدلال کیا۔ کہ "چونکہ اس آیت میں انعام یافتگاں میں انبیاء کا بھی ذکر ہے اور ہم ہر نماز میں انہیں انعام یافتگان کے راستے پر چلنے کی دعا کرتے ہیں لہذا حصول نبوت بھی ممکن ہے۔ اور اس لیے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے" —— مگر یہ سراسر فاسد استدلال اور زعم باطل ہے اس لیے کہ:۔

(۱) ہم نماز میں ان انعام یافتہ لوگوں کے راستے اور نقش قدم پر چلنے کی توفیق طلب کرتے ہیں۔ بعینہ وہی درجات یا ان میں سے بلند ترین درجہ یعنی نبوت طلب نہیں کرتے کسی کے ساتھ چلنے اور اس کے برابر ہو جانے میں بڑا فرق ہے۔

(۲) نبوت وہبی چیز ہے اکتسابی نہیں۔ لہذا دعاؤں سے نبوت کا حصول کبھی ممکن نہیں۔

(۳) اور اگر یہ بھی ہو تب بھی قرآن و سنت سے اس بات پر واضح دلائل ہیں اور باوجود اختلاف مذاہب کے پوری امت کا چودہ سو سال اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ قرآن کی کسی آیت سے کوئی ایسا مفہوم نکالنا جو قرآن کی دوسری آیات کے خلاف ہو —— قرآن فہمی نہیں بلکہ ہیرا پھیری اور دماغ کا خلل ہے۔

(۴) سورۃ النساء کی زیر مطالعہ آیت ۶۹ میں انعام یافتگان کی معیت اور رفاقت کا وعدہ ہے "معیت" اور مساوات کا نہیں یعنی ان کے گروہ میں شمار ہونے" اور ان کے ہمراہ ہونے" کا وعدہ ہے نہ کہ بعینہ "وہی ہو جانے" اور ان کے "برابر درجہ پا لینے" کا —— خصوصاً نبوت کہ جس کے بارے میں الگ وضاحت موجود ہے کہ اب دوبارہ اس کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ باقی درجات (صدیقیت، شہادت اور صالحیت) کا ملنا البتہ ممکن ہے۔

Marfat.com

(۵) اگر واقعی سورۃ الفاتحہ کی دعا اور اس آیت کے دمدمے کا ثمرہ حصولِ نبوت ہی مان لیا جائے تو آیت میں "النبیین" (بصیغۂ جمع) کا ذکر ہے۔ آخر ساری اُمت کسی "ایک" نئے نبی کے لیے دعائیں نہیں مانگتی رہی ــــ بلکہ گویا ہر شخص اپنے لیے نبوت کی دعا مانگتا رہا۔ مگر آج تک اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا چاہیئے تو یہ تھا کہ اب تک امت میں ہزاروں لاکھوں نبی پیدا ہو چکے ہوتے ــــ ممکن ہے "تجدید نبوت" کا یہ "گھروندا" آپ جعلی نبوت کی "ٹھوک ٹکان" بننے کی کوشش بھی کرے ــــ مگر ماضی کو اپنی خواہشات کے مطابق کر لینا ان کے بس کی بات نہیں ہے ــــ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ ختمِ نبوت کے بعد سے دنیا بھر کے مذہبوں اور قوموں نے "نبی" پیدا کرنے بند کر دیئے۔ کیا یہ سب کچھ ایک خدائی سکیم کے تحت نہیں ہے؟

(۶) برسبیلِ تذکرہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ "نبوت" کے ان "نئے مہروں" میں تو صدیقین وشہداء اور صالحین کی پختگیٔ سیرت، ملی اندازِ فکر، بے لوث زندگی، راسخانہ جرأت اور مومنانہ فراست کی بھی کوئی جھلک نظر نہیں آتی ــــ محض "دکان کا چل نکلنا" کوئی دلیل نہیں ہے آخر معتزلہ، قرامطہ اور باطنیہ وغیرہ نے بھی تو ایک عرصۂ دراز تک سارے عالمِ اسلام کو ورطۂ حیرت میں ڈالے رکھا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا	اے ایمان لانے والو! تم اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان ہر وقت تیار رکھو اور جو کچھ بھی ہو پھر جیسا موقع ہو الگ
اے ایمان لانے والو پکڑ لو	
حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ	
اپنی احتیاط / اپنا بچاؤ پس کوچ کرو (الگ الگ) دستے بن کر	

Marfat.com

أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ

یا کوچ کرو سب اکٹھے ہو کر اور بیشک

مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ج فَإِنْ

تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا (سستی کرتا) ہے پھر اگر

أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ

آ پڑتی ہے تم پر کوئی مصیبت تو کہتا ہے بس بڑا

أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ

فضل کیا اللہ نے مجھ پر جو (کہ) نہیں تنہا میں

مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ

ان کے ساتھ موجود (حاضر) اور اگر

أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ

پہنچ جاتا ہے تم کو فضل اللہ کی طرف سے تو وہ

لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ

کہنے لگتا ہے (ایسا بن کر گویا کہ کبھی تھی ہی) نہیں تمہارے درمیان

وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي

اور اس کے درمیان کچھ دوستی (کہ) کاش میں

الگ دستوں کی صورت میں یا سب اکٹھے ہو کر (مقابلے کے لیے) نکلو! البتہ تم میں سے کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو (لڑائی سے جی چراتے ہوئے) دیر لگا دیتا ہے (اور دوسروں کو بھی سست بنا دیتا ہے) — پھر اگر تو لڑائی میں تم پر کوئی مصیبت آ پہنچی تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑی عنایت کی کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا اور نہ میری بھی خیر نہ تھی)۔ اور اگر اللہ نے فضل سے تم کو کچھ کامیابی نصیب ہو تو وہ کچھ اس طرح کی باتیں [illegible] [illegible] اور [illegible] درمیان ایک ہی دین [illegible] بیر دل کی حیثیت سے [illegible] محبت کا تو کوئی تعلق نہ تھا مثلاً اس طرح کہے (افسوس!) کاش میں بھی ان کا ساتھ [illegible]

Marfat.com

كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوْزَ فَوْزًا	کے ساتھ ہوتا ! پھر تو میری بھی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتیں اور ان کی طرح ، میرا بھی اس ساری ، کامیابی میں (برابر کا) حصہ ہوتا ۔
(بھی گیا) ہوتا ان کے ساتھ تو میں بھی حاصل کرتا کامیابی	
عَظِيْمًا (۷۳)	
بہت بڑی	

لغوی ونحوی اشارات :۔

حِذْرَكُمْ (مرکب اضافی) خُذُوْا کا مفعول ہو کر منصوب ہے ۔ حِذْرَ کے لغوی معنی احتیاط ، خوف ، تیاری ، چوکسی اور بیدار مغزی کے ہیں اور خصوصاً دشمن سے جنگ کے ضمن میں اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ فَانْفِرُوْا (فعل امر) نَفَرَ يَنْفِرُ کے معنی لڑائی پر جانا ، محاذ پر پہنچنا ہیں ۔ ثُبَاتٍ : کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اس کا واحد ثُبَةٌ ہے جس کے معنی "جماعت" یا "گھوڑ سواروں کا ایک دستہ" ہے اس کی اصل ثَبَى يَثْبِيْ (جمع کرنا) ہے ۔ اس صورت میں یہ دراصل ثُبَيٌ تھا اور ثَابَ يَثُوْبُ (جمع ہونا) سے بھی ہو سکتا ہے ۔ اس صورت میں دراصل ثُبْيَةٌ تھا ــــ جَمِيْعًا کی نصب بھی حال ہونے کی وجہ سے ہے ۔ لَيُبَطِّئَنَّ : ۔ بَطُؤَ سے تفعیل کے اصل معنی "کسی کے لیے باعث تاخیر ہونا" ہیں ۔ مُصِيْبَةٌ کی رفع فاعل ہونے کی وجہ سے ہے ۔ عَلَيَّ دراصل عَلٰى اور "ى" (ضمیر واحد متکلم مجرور) ہے ۔ شَهِيْدًا : لَمْ اَكُنْ کا مفعول ہو کر منصوب ہے اور یہاں اس کے صرف لغوی معنی (حاضر ، موجود) مراد ہیں ۔ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ : ۔ میں كَاَنْ دراصل كَاَنَّهٗ ہے ۔ يٰلَيْتَنِيْ : ۔ میں اکثر نحوی منادی محذوف مانتے ہیں یعنی دراصل يٰقَوْمِ لَيْتَنِيْ . . (اے میری قوم کاش کہ میں . . .) ہے ، فَاَفُوْزَ : میں مضارع کی نصب (تخفیف) جواب تمنا (يٰلَيْتَنِيْ) کی وجہ سے ہے ۔ فَوْزًا عَظِيْمًا : ۔ مرکب توصیفی اور مفعول مطلق ہے ۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

پچھلی متعدد آیات (۵۸ تا ۷۰) میں جس عدل و امانت، اطاعت و ڈسپلن اور خلوص و وفا کا سبق دیا گیا ہے۔ اب میدانِ جہاد میں اس کی عملی تطبیق اور موقعِ استعمال کی تربیت دی جا رہی ہے۔ جیسا کہ پہلے سورت کے تعارف میں بیان ہو چکا ہے جنگ اُحد میں مسلمانوں کے شکست بدوش نقصانات کی وجہ سے کفارِ عرب کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بڑھ گئی تھیں۔ اب اکیلے مشرکین مکہ ہی نہیں، مدینے کے گردو پیش کے دوسرے قبائل بھی، اسلام کے خلاف زبردست محاذ بنا رکھ چکے تھے۔ مدینہ کی نوخیز اسلامی ریاست اس وقت ہر طرف سے خطرات میں گھر چکی تھی۔ مختلف مقامات سے مدینے پر حملے کی تیاریوں کی خبریں اور دشمنوں کی نت نئی سازشوں کی اطلاعات پے درپے پہنچنے لگی تھیں ——— مسلمان مبلغین کو فریب سے دعوت دے کر قتل کر ڈالنے کی متعدد وارداتیں ہو چکی تھیں۔ الغرض مدینے کی حدود سے باہر مسلمانوں کے جان و مال غیر محفوظ تھے ——— یہ تھے وہ ہنگامی حالات جن سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کو ہمت، ثبات و استقامت اور جہاد و جانفشانی کا سبق دیا گیا ——— عملاً اس وقت ہر مسلمان فوجی خدمت پر مامور تھا ——— اور اقامتِ دین کی ذمہ داریوں کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے، جو امت مسلمہ، اور اس کے ہر فرد سے قیامت تک کے لیے ہر ملک اور ہر زمانے میں، فوجی مستعدی اور عسکری بیدار مغزی کا تقاضا کرتی ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ :-

حِذْر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جنگ کے زمانے میں اور مقابلے کے وقت دشمن سے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے کام میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ اس میں اسلحہ اور سامان بھی آ جاتا ہے اور اندرونی و بیرونی احتیاطی تدابیر بھی ——— مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت اور ہر طرح تیار رہو ———

Marfat.com

غفلت نہ ہونے پائے۔ دشمن کی چالبازی اور فریب کاری سے بھی خبردار رہو۔

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا:۔

دشمن کے مقابلہ پر پہلے تو الگ الگ منظم دستوں (Battalions) کی شکل میں نکلو اور ضرورت پڑے تو پوری فوجی قوت کو حرکت میں لے آؤ۔ اپنی فوجی طاقت کو اندھا دھند اور بدنظمی و بے تدبیری سے استعمال کر کے ضائع مت کرو بلکہ موقع و محل کے مطابق، حربی حکمت عملی اور عسکری بصیرت سے کام لے کر دشمن پر اپنی دھاک بٹھا دو۔

آیت زیر مطالعہ میں نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ، اصول سپہ گری کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ برسرپیکار دشمن کے مقابلے پر بہترین حربی تدابیر اور مؤثر دفاعی سیاست کی تعلیم سے متعلق قرآنی احکام کی اہمیت، قدر و قیمت اور وسعت و برتری کا اعتراف ملٹری سائنس کے ماہروں تک نے کیا ہے۔ اور حقیقتاً وہی اس کے اہل بھی ہیں۔

وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ:۔

بیرونی دشمنوں کے علاوہ تمہارے کچھ اندرونی دشمن بھی ہیں۔ یہ وہ ظاہری مؤمن (منافقین) ہیں جو سبقت کے موقع پر تاخیر اور مستعدی کی بجائے سستی سے کام لیتے اور لڑنے سے جی چراتے ہیں۔ جن کی نظر اپنے مفادات اور مصلحتوں سے آگے نہیں جاتی۔ وہ خود بھی میدانِ جنگ میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں اور دوسروں کی ہمتیں بھی پست کر دینا چاہتے ہیں —— یہاں لفظ "لَیُبَطِّئَنَّ" کے تلفظ اور معنوں میں مناسبت قابل غور ہے یہ لفظ گرانی و دشواری اور لغزش و لڑکھڑاہٹ کی صوتی تصویر (Sound Picture) پیش کرتا ہے۔

Marfat.com

فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا :-

(۱) آیت میں عہدِ نبوی کے منافقین کی دو رنگی کو ہی ظاہر کیا جا رہا ہے ۔۔۔ اگرچہ بلحاظِ عموم، ذکر اس میں اُس منافقانہ اندازِ فکر کا ہے جس کا مشاہدہ کم و بیش ہمیشہ اور ہر جگہ کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ اگر کسی لڑائی میں مسلمانوں کا کچھ زیادہ نقصان ہوتا (جیسے اُحد میں ہوا) تو منافقین نہ صرف مسلمانوں کی مصیبت پر خوش ہوتے (جیسا کہ آل عمران: ۱۲۰ اور التوبہ: ۵۰ میں مذکور ہے) بلکہ اپنی علیحدگی اور بے تعلق پڑا اور رہنے کی "کامیابی" پر فخر و مسرت کا اظہار کرنے لگتے اور وہ بھی اس انداز میں گویا خدا بھی مسلمانوں کی بجائے انہیں کے ساتھ ہے۔ مثلاً یوں کہتے کہ "یہ تو خوب ہوا کہ ہم اللہ کے فضل و کرم سے ان کے ساتھ نہ گئے ورنہ ہم بھی اس جانکاہ مصیبت میں پھنس جاتے" یہ لوگ اپنی تن آسانی، عیش کوشی کو اور حق کی راہ میں پیش آنے والی تکالیف سے محفوظ رہنے کو اور دین کی نصرت و خدمت سے بالکل بچے رہنے کو انعامِ الٰہی اور فضلِ ربانی سمجھتے تھے۔

(۲) آج کے منافق کا مادہ پرستانہ ذہن بھی نعمت کے اسی مفہوم پر یقین رکھتا ہے ۔۔۔ بلکہ نازاں ہے ۔۔۔ اسی لیے وہ دین کی خاطر کسی مصیبت میں پڑنے اور زندگی کی خوشگواریوں کو خطرے میں ڈالنے کو "کفرانِ نعمت" سمجھتا ہے۔

(۳) یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابھی اوپر آیت ۶۹ میں اطاعتِ خدا و رسول کو انعاماتِ الٰہی کی شرط ٹھہرایا گیا ہے ۔۔۔ اور یہاں منافق کی اس [illegible] کیا گیا ہے کہ وہ اطاعتِ خدا و رسول کی راہ میں [illegible] پیش آنے والے "خطرات" سے محفوظ رہنے کو انعامِ الٰہی سمجھ کر [illegible] "جنت" میں [illegible] ہے۔

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُولَنَّ ۔۔۔ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ ۔۔۔ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ

Marfat.com

مَعَهُمْ فَأَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔

(١) منافقوں کی اس دورنگی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جب کسی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوتی اور وہ مالِ غنیمت لے کر لوٹتے تو یہ لوگ دستِ حسرت ملنے لگتے اور کہتے کاش ہم بھی ان کے ساتھ جاتے تو بڑا کام بن جاتا اور ہم بھی مالِ غنیمت سے حصہ پاتے — یہ اظہارِ تاسف — دین کی خدمت سے محرومی پر افسوس و ندامت کا اظہار نہ تھا بلکہ اس میں بھی مسلمانوں سے بیگانگی و بے تعلقی کے اظہار کا ایک پہلو تھا — انھیں مسلمانوں کی خوشی سے کوئی خوشی نہیں تھی (گویا مسلمانوں کی خوشی سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا) انھیں حسرت و افسوس صرف اپنے ہاتھ مال نہ لگنے کا ہوتا تھا۔

(٢) كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ میں اس اظہارِ مودت اور اقرارِ تعلق پر طنز بھی ہے جو منافقین اپنے ظاہری دعویٔ اسلام سے مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے۔

(٣) پچھلی آیت کی طرح یہاں بھی حقیقتاً بیان صرف چند "لوگوں" کا نہیں بلکہ ایک "ذہنیت" کا ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ پائی جاتی ہے — شاید میرے اور آپ کے اندر بھی؟

<table>
<tr><td>پس اللہ کی راہ میں جنگ کرنی چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو فروخت کر دیتے ہیں۔</td><td>فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ</td></tr>
<tr><td></td><td>تو پھر چاہیے کہ وہ لڑے / لڑیں — اللہ کے — راستے — میں</td></tr>
<tr><td></td><td>الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ</td></tr>
<tr><td></td><td>ان لوگوں سے / وہ لوگ جو — جو — خرید لیتے / بیچ دیتے — ہیں — دنیوی</td></tr>
</table>

Marfat.com

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ

زندگی کو آخرت کے عوض میں اور جو کوئی

يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ

لڑتا ہے اللہ کی راہ میں تو پھر (چاہے) وہ مارا جائے

اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ

یا جیت جائے (بہرحال) ہم عنقریب اسے دیں گے

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ

اجر عظیم اور کیا ہے تم کو (کہ)

لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تم نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

اور (ان) بے بس و ناتواں مردوں

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ

اور عورتوں اور بچوں (کے لیے نہیں لڑتے) جو (شب و روز)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ

یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو باہر نکال (کسی طرح) اس

اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر (خواہ) مارا جائے (یا) غالب رہے (دونوں طرح اس کی کامیابی ہے کیونکہ) ہم اسے ضرور اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

آخر کون سی وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان مجبور بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر ہتھیار نہ اٹھاؤ۔ (جن کو کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور) جو (شب و روز [illegible]) [illegible] رہے ہیں کہ [illegible] ہمیں ظالم لوگوں کی اس نگری سے (کسی طرح) باہر نکال۔

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ

اس بستی میں سے کہ (سخت) ظالم ہیں

اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

جس کے باشندے اور بنا دے / پیدا کر دے تو ہمارے لیے اپنی

لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا

طرف / قدرت سے کوئی دوست اور بنا دے / پیدا کر دے تو ہمارے لیے

مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝٧٥ اَلَّذِيْنَ

اپنی طرف / قدرت سے کوئی مددگار جو لوگ

اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

ایمان لائے ہیں وہ تو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ

اور وہ لوگ جو منکر ہیں وہ لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

طاغوت / معبودان باطل کی راہ میں سو تم لڑو

اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ

شیطان کے طرف داروں / دوستوں سے بے شک چال

اور تو خود ہی (اپنی قدرت سے) ہمارا کوئی طرفدار اور مددگار پیدا کر دے۔

اہل ایمان (ہمیشہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور اہل کفر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں

سو تم (بلا حیل و حجت) شیطان کے چیلوں چانٹوں سے لڑو حقیقت یہی ہے کہ شیطان کی چالیں (بالآخر) بوٹی

Marfat.com

الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾	کمزور ثابت ہوا کرتی ہیں۔
شیطان کی (بڑی) کمزور لچر ہوتی ہے	

لغوی ونحوی اشارات:۔

فَلْيُقَاتِلْ :۔ صیغہ امر غائب (واحد مذکر) ہے جو دراصل لِيُقَاتِلْ ہے۔اس کا مخاطب الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ کا اسم موصول بھی ہو سکتا ہے اور آیت ۲۷ میں مذکور لَيُبَطِّئَنَّ کا فاعل بھی۔ يَشْرُوْنَ :۔ یہ لغت اضداد میں سے ہے شَرٰی يَشْرِیْ کے معنی اِشْتِرَاء کی طرح، بیچنا بھی ہیں اور خریدنا بھی۔ اگرچہ بقول جوہری شَرٰی، زیادہ تر "بیچ دینے" کے لیے اور اِشْتِرَاء "خرید لینے" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا مرکب توصیفی اور يَشْرُوْنَ کا مفعول ہے ـــــ مَا لَكُمْ میں مَا استفہامیہ مبتدا اور لَكُمْ خبر ہے۔ اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ: کا عطف فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں اسم جلالت پر ہے۔ یعنی دراصل فِيْ سَبِيْلِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ہے۔ رَبَّنَا: میں رَبَّ منادی مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ الظَّالِمِ اَهْلُهَا میں اَلظَّالِمِ قَرْيَةِ کی صفت ہے مگر اس کی تذکیر اَهْلُ کی وجہ سے ہے۔ مِنْ لَّدُنْكَ میں لَدُنْ ظرف زمان و مکان کے لیے ہے یعنی پاس ـــــ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ میں كَيْدَ کی نصب اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے ہے ـــــ کید کے معنی حیلہ، فریب اور خفیہ تدبیر کے ہیں۔

تفہیم وتفسیر:۔

مضمون وہی جہاد کا چل رہا ہے۔ ان آیتوں میں جہاد کی ضرورت اور اس کا مقصد بیان کر کے مسلمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک دنیا میں جنگ برائے ظلم وفساد کے نظریہ کے قائل گروہ سرگرم عمل ہیں تمہیں بھی جنگ برائے امن وانصاف کا علمبردار بن کر مقابلے پر ڈٹ جانا چاہیے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ـــــ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ

Marfat.com

الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ :۔

لفظ شراء کے لغت اضداد میں سے ہونے کی وجہ سے (دیکھئے اوپر لغوی ونحوی اشارات میں فَلْیُقَاتِلْ اور یَشْرُوْنَ پر نوٹ) اس حصۂ آیت کے ترجمہ ومفہوم میں بھی "تعدد" کا پہلو موجود ہے۔

(۱) شراء بمعنی "خریدنا" لیا جائے تو آیت کے مخاطب منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر آیت ۲۷، ۷۳ میں ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ "اگر وہ آدمی جو سستی کرکے جنگ پر نہیں گیا تھا۔ مگر اب بعد میں اپنی جنگ سے غیر حاضری پر افسوس کرتا ہے اور یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا کہہ کر اظہار تاسف کرتا ہے" اگر یہ اپنے اس افسوس میں مخلص ہے تو اب بھی اس کے لیے وقت ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے عوض دنیا کی زندگی خریدے ہوئے ہیں یعنی وہ مادہ پرست لوگ (یا نظام) جو صرف اسی دنیا اور اس کی زندگی کو منتہائے مقصود اور نصب العین سمجھے ہوئے ہیں ــــ ترجمہ ومفہوم کا یہ پہلو اگرچہ عربی تفسیروں میں مذکور ہے مگر اردو فارسی ترجموں میں تفسیر ماجدی کے سوا اور کسی نے اسے اختیار نہیں کیا۔

(۲) اگر شراء بمعنی "بیچنا" لیا جائے (جیسا کہ بیشتر مترجمین نے اختیار کیا ہے) تو آیت کے مخاطب مومن بنتے ہیں اور پھر اس حصہ آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ــــ

(۱) حیاتِ دنیوی کو آخرت کے بدلے میں بیچ دینے والوں یعنی حیاتِ اخروی کو اس دنیا کی زندگی پر ترجیح دینے والے مومنوں کو راہِ خدا میں (بوقت ضرورت) ہتھیار اٹھانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ مفہوم اس صورت میں ہے اگر زور (Emphasis) فَلْیُقَاتِلْ پر سمجھا جائے۔

(ii) مسلمان ــــ وہ جو حیاتِ دنیوی اور اس کی ساری آسائشوں اور راحتوں کو بیچ کر آخرت کی خریداری کا طلب گار ہے ــــ اس کی جنگ صرف اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ــــ "خدا کی راہ" کے علاوہ اسلام جنگ کے کسی اور مقصد

Marfat.com

کا قائل ہی نہیں۔ غنیمت و منفعت — غلبہ و استعلاء — شہرت و نام آوری
— سیاسی وقار و استعمار — وغیرہ سب جنگ کے جاہلی مقاصد ہیں۔ خدا
کی راہ میں جنگ کا مطلب ان اقدار (مثلاً امانت، عدل، حمایت مظلوم،
نصرت حق وغیرہ) کی خاطر لڑنا ہے جن کی خاطر موقع پیش آنے پر اللہ نے ہتھیار
اٹھانے کا حکم دیا ہے — یہ مفہوم اس صورت میں ہے اگر زور
(Emphasis) "فی سبیل اللہ" پر دیا جائے — اور اس مفہوم
کی تائید ان کلی آیات سے ہوتی ہے جن میں بار بار "فی سبیل اللہ" پر توجہ
مرکوز کرائی گئی ہے۔

وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔

(۱) غیر اسلامی اور جاہلی مقاصد کے پیش نظر جنگ میں کامیابی کا معیار
سوا اور کچھ نہیں ہوتا — یہی وجہ ہے کہ اجر یا ماحصل ... ہے جو شکست کی صورت میں
بالکل برباد اور رائیگاں ہوتا نظر آتا ہے — مگر اسلام میں چونکہ راہ خدا
کی صورت میں اجر و کامیابی کو غلبہ و فتح کے اصطلاحی معنوں
دنیوی پیمانوں سے نہیں ناپا جاتا۔ یہاں ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں
خدا میں لڑنے والے کی جیت بھی اجر ہے اور موت بھی اجر، آخرت
کا وعدہ دونوں صورتوں میں ہے۔ اور

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ
لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ

۱؎ اس موضوع پر مزید دیکھئے آل عمران ۱۵۷، التوبہ ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۱۱ اور محمد ۴-۶۔

Marfat.com

توضیحات:-

(۱) اس آیت کو سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اس سورت کے نزول کے وقت تک مختلف عرب قبائل میں اور خود مکہ کے اندر بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ مختلف مجبوریوں کی بنا پر یہ لوگ نہ تو مدینے کی طرف ہجرت کر سکتے تھے نہ اپنے آپ کو کفار کے ظلم وستم سے بچا سکتے تھے۔ مکے میں (جو اس وقت اسلام کے خلاف تمام سرگرمیوں کا ہیڈ کوارٹر تھا) حالت خصوصاً زیادہ خراب تھی جہاں سردارانِ قریش کے تشدد سے بوڑھے مرد اور عورتیں اور بچے بھی محفوظ نہ تھے۔ آیت میں هٰذِهِ الْقَرْيَة سے، اس پس منظر میں مکہ ہی مراد ہے اس وقت کے کفارِ مکہ آج کے بھارتی جن سنگھیوں کی طرح، مجموعہ شرک و شقاوت تھے۔ پتھر کے بتوں کو پوجنا اور بے بس و کمزور مسلمانوں پر سنگدلانہ مظالم توڑنا، ان ظالموں کے دھرم میں پاپ نہیں، پُن تھا ـــــ کمزور اور بے بس ہوتے مسلمان ان ستمگروں کے پنجے سے نجات پانے کے لیے بے قرار تھے شب و روز دعائیں مانگتے تھے کہ "اے پروردگار تو ہمیں اس اندھیر نگری سے نکال اور اپنی قدرت سے ہماری غمخواری و مددگاری کے سامان پیدا کر دے!"

حالات کی اس نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد پہ ابھارا گیا ہے جہاد کی اس ترغیب میں بھی "اللہ کی راہ" کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا گیا۔ کمزوروں کی دستگیری اور مظلوموں کی حمایت کے پاکیزہ جذبات کو اس راہ پر سفر کے سنگ میل قرار دیا گیا ہے۔

یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے جہاد کے مواقع اور مقاصد بیان کرتی ہے اور آج بھی عالمِ اسلام کی تمام آزاد ریاستوں کو مختلف خطوں کے محکوم و مظلوم مسلمانوں کے بارے میں (وہ کشمیر اور بھارت کے ہوں یا فلسطین اور

قرآن کریم میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے لقمان ۱۳ اس لیے یہاں ظالم کا ایک مفہوم مشرک بھی ہو سکتا ہے

Marfat.com

قبر میں گے) ان کی ذمہ داریاں کا احساس دلا رہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ـــــــ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ

جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے اور لڑائی پر ابھارتے ہوئے ایک بنیادی اور کلیدی اصول کی وضاحت بار بار کی جا رہی ہے ۔ فی سبیل اللہ کی تکرار پر غور کیجئے[1] ــــ درا صل یہی فی سبیل اللہ والی قید اور شرط ہی تو ہے جو اسلامی جہاد کو جنگ و قتال کی باقی تمام شکلوں سے ممیز کر دیتا ہے ۔ مومن صرف "خدا کی راہ میں لڑتا ہے ۔ وہ جب اپنے بعض ابنائے جنس کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو صرف انسانیت کے ایک بلند ترین مقصد اور برترین نصب العین ـــــ یعنی اعلائے کلمۃ اللہ ـــــ کے لیے خدا کی راہ صرف ایک ہی ہے ۔ باقی سب راہیں طاغوت کی ہیں ۔ ہر طاغوت کے پرستار اس کے لیے کٹ مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں ۔ رنگ و نسل کا تفوق ، قوم و وطن کی عصبیت ، مستعمرانہ عزائم ، مادی مفادات ، تجارتی منڈیوں کا قیام ، توازنِ اقتدار ، بین الاقوامی وقار ، عالمی ریاکارانہ تبرزی تسکینِ تمرد ، اور اشاعتِ الحاد و دہریت ، یہ سب طاغوت کے آستانے ہیں اور جنگ و محاربت کے کافرانہ مقاصد ۔

(۲) صرف مقصد کے اعتبار سے ہی نہیں طریق کار اور اخلاقی رویے و طور کے لحاظ سے بھی خدا کی راہ میں سربکف مومن جانباز اور طاغوت کے جیالوں کے لڑنے والے مستعد یوں کا فرسوار بالکل ہی ایک دوسرے کے برعکس (Diametrical Opposites) ہوتے ہیں ـــــ مسلمان سپاہی کو شکست کا یقین ایمان زندہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے ہر فعل کا حساب خدا کو دینا ہے ۔ وہ ہر فعل

---

[1] پورے قرآن کریم میں فی سبیل اللہ ۴۷ مقامات پر آیا ہے جن میں سے ۱۴ صرف سورۃ النساء میں ہیں۔

Marfat.com

سے اجتناب کرتا ہے۔ اس لیے اللہ والوں کی فوج میں اطاعت و امانت، خدا ترسی و احتساب نفس اور صبر و عفت جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات ہر سپاہی کے عمل کی جان ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس طاغوتی فوجوں میں "نوکری" کو دلکش بنانے کے لیے شراب، جوئے، زنا اور ظلم کا سہارا لیا جاتا ہے ـــــ یہاں فوجیوں کی اخلاقی حالت بہت سی باتوں میں جانوروں اور درندوں سے بھی ابتر ہوتی ہے۔

(۳) مومن و کافر کے مقاصد جنگ اور طریق کار کے علاوہ اس آیت میں ایمان اور کفر کے تقاضوں کی طرف بھی اشارہ ہے ـــــ مومن صرف خدا کے لیے لڑتا ہے کسی اور کے لیے تو وہ سرے سے لڑتا ہی نہیں۔ مگر خدا کی راہ میں لڑنا، مومن کا فریضہ اور ایمان کا تقاضا ہے اس لیے کوئی مومن بوقت ضرورت راہ خدا میں لڑنے سے باز بھی نہیں رہ سکتا۔ کافر کی جنگ خدا کی زمین پر طاغوت کا راج قائم کرنے کے لیے ہوتی ہے اور کافر بوقت ضرورت اس مقصد کے لیے جنگ سے رک نہیں سکتا ـــــ یہی وجہ ہے کہ کفر و ایمان ہمیشہ سے برسرپیکار چلے آتے ہیں۔

فَقَاتِلُوٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؀

(۱) پس اس معرکۂ حق و باطل میں، جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں جاری ہے، تم اے مسلمانو! شیطان کے ساتھیوں کے ساتھ ٹکر لینے سے پیچھے مت ہٹو ـــــ یہ معرکہ اسی طرح جاری رہے گا، مگر یہ ناممکن ہے کہ شیطانی اور طاغوتی طاقتوں کو حق کے مقابلے پر دیرپا اور مستقل قسم کی فتح حاصل ہو جائے۔ لہٰذا تم شیطانوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ پر، جو خدا کی زمین میں غیر خدا کی آقائی قائم کر کے شر و فساد اور فسق و شرک پھیلانا چاہتے ہیں، قائم رہو اور یہ یقین رکھو کہ نہ صرف حق تمہارے ساتھ ہے بلکہ غلبہ اور کامرانی بھی تمہارے لیے مقدر ہے۔ اپنے اندر سے کمزوری کا احساس دور کر دو۔ شیطان اور شیطانی قوتیں کوئی ایسی شے نہیں جن کی بنا پر ان سے ڈرا اور سہما جائے۔ بظاہر ان کی چالیں بڑی زبردست اور نیا ریلی

Marfat.com

بڑی زور شور کی ہوتی ہیں مگر ان کا انجام ہمیشہ ناکامی ہوا کرتا ہے پس مسلمانوں کو ان سے خوف زدہ ہونے کی بجائے ہمت سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

(۲) آیت میں بالواسطہ بشارت بھی ہے کہ مسلمان بالآخر کفار مکہ اور مشرکین عرب پر غالب آئیں گے اور ان کا زور توڑ دیں گے۔

(۳) جس طرح میدانِ جنگ میں اور فوجی محاذ پر شیطان اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دینا کچھ دشوار نہیں اسی طرح عبادات ومعاملات اور معیشت ومعاشرت کے میدان میں بھی شیطان اور اس کے ساتھیوں کو مات دے دینا کوئی امر محال نہیں ہے۔ ضرورت ہمت، استقلال اور خلوص کی ہے۔ اور صرف اسی بات پر ——نہ کہ محسوس نتائج پر—— مومن کا اجر متعین ہوتا ہے۔

کیا ان لوگوں کی عجیب حالت نہیں دیکھی؟ جنہیں یہ کہا گیا تھا کہ اسردست اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ پر کاربند رہو پھر جب ان پر لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے کچھ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ	أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا (کہ سردست) روکے رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرو الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پھر جب فرض قرار دیا گیا ان پر (دشمن دین سے) لڑنا

Marfat.com

اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ

تو وہیں کچھ لوگ ان میں سے (دلوں) ڈرنے لگے

النَّاسَ کَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

انسانوں سے جیسے ڈر ہو اللہ کا / بلکہ زیادہ شدت کے ساتھ / یا (اس سے بھی زیادہ)

خَشْیَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ

ڈرنے لگے اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیوں / بلحاظ ڈر کے

كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ

فرض قرار دیا تو نے ہم پر (یہ) لڑنا ۔ کیوں نہ

اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ

مہلت دی تو نے ہمیں (جینے کی) تھوڑی سی اور مدت / ذرا آگے کو ایک وقت کم

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ

تو کہہ دے ! دنیا کا فائدہ تو / سامان / کوئی چیز ہی نہیں / بالکل تھوڑا سا ہے

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫

اور آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے اس شخص کے لیے جو تقوی اختیار کرے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾ اَیْنَ

اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر تس بھر بھی (بھی تو سو) جہاں کہیں بھی

وہ دشمن سے (آدمیوں) سے یوں ڈرنے لگے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ (کچھ) اس سے بھی بڑھ کر ! اور کہنے لگے ہیں اے پروردگار ! تو نے ہم پر یہ لڑنا کیوں ضروری قرار دیا ۔ کاش کہ تو ہمیں تھوڑی سی اور مہلت دے دیتا ! (تو ہم چار دن اور لطف اندوز ہو لیتے) ان سے کہہ دو کہ دنیا کا سرمایہ زندگی اور اس سے لطف اندوزی ہیچ ہے اور تقوی اختیار کرنے والے کے لیے آخرت کی زندگی کہیں زیادہ بہتر ہے ۔ اور تمہاری حق تلفی تو تس برابر بھی نہیں ہوگی ۔

Marfat.com

مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ	دریا طوفانی میں مر لیے گا
تم ہو گے آ لے گی تم کو (آخر) موت	خیال) سو موت تو جہاں بھی تم ہو گے ہر حال
وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط	تمہیں آکر رہے گی چاہے تم کیسے ہی مضبوط [illegible]
اگرچہ تم مضبوط برجوں (اور قلعوں) میں (ہی کیوں نہ) ہو	کیوں نہ جا چھپے [illegible]

لغوی ونحوی اشارات: ۔ اَلْقِتَالُ :۔ کُتِبَ کا نائب فاعل (مفعول مالم یسم فاعلہ) ہو کر مرفوع ہے۔ اِذَا :۔ یہاں یہ حرف مفاجاۃ ("اچانک" کا مفہوم پیدا کرنے والا حرف) ہے اور ظرفِ مکان کے معنی دیتا ہے یعنی "اسی جگہ" وہیں"۔ اَشَدَّ خَشْيَةً :۔ اَشَدَّ کا عطف (بذریعہ اَوْ) کَخَشْيَةِ اللّٰهِ والے خَشْيَةً پر ہے اور چونکہ وہ [illegible] (كَ) کی وجہ سے مجرور ہے اس لیے اَشَدَّ بھی حالت جر میں ہے۔ خَشْيَةً ——— اَلْفَعَلَ کی تمیز ہو کر منصوب ہے۔ اَجَلٍ قَرِيبٍ :۔ مرکب توصیفی اِلٰی کی [illegible] مجرور ہے۔ اَجَل کے لفظی معنی وقت مقرر ہیں۔ فَتِيلًا : تمیز منصوب ہے [illegible] نوٹ آیت ۴۹ میں گزر چکا ہے۔ اَيْنَ مَا : اَيْنَ یہاں استفہامیہ نہیں شرطیہ [illegible] مَا زائدہ ہے۔ يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ :۔ يُدْرِكْ جواب شرط ہونے [illegible] تخفیف ہے اور كُمْ ضمیر منصوب (مفعول) اور الْمَوْتُ فاعل (مرفوع) [illegible] (فِي) بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ :۔ مرکب توصیفی فِي کی وجہ سے مجرور ہے۔ بُرُوجٌ [illegible] بُرْجٌ ہے اور اس سے مراد نوجی قلعوں کا برج ہے۔ جو اس کے [illegible] پہ دلالت کرتا ہے۔ مُشَيَّدَةٌ (تانیث جمع مکسر کی صفت ہونے [illegible]) تَشْيِيْد (تفعیل) سے اسم مفعول ہے اس کے اصل معنی "بلند تعمیر" [illegible] اس میں مضبوطی کا مفہوم شامل ہے۔ شِيْد عربی میں عمارت کے مضبوط پلستر کو کہتے ہیں۔ اگر مُشَيَّدَةٌ اس سے اسم مفعول نہیں ہے)۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:

(۱) گزشتہ آیات کی طرح یہاں بھی موضوع "جہاد" ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں جہاد فی سبیل اللہ میں پیش آنے والی بعض مشکلات اور انسانی کمزوریوں پر غالب آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۲) آیت کو اس کے تاریخی پس منظر میں سمجھنے کے لیے اس کے شانِ نزول کی بعض روایات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے اتنی جامع ہے کہ عہد رسالت کے بھی مختلف قسم کے لوگوں پر چسپاں ہوتی ہے اور اپنے عموم کے اعتبار سے آج بھی کئی قومی مسائل میں ہمارے اندازِ فکر کا عکس ریفلکشن (Reflection) بھی ہے۔

(۳) ہجرت سے پہلے جب کہ مسلمان کفار کا تختۂ مشق ستم بنے ہوئے تھے۔ اس وقت بعض صحابہ (جن میں سے بعض کے اسماء بھی کتب تفاسیر میں منقول ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت طلب کرتے تھے ـــــ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی لڑائی کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت لڑائی سے ہاتھ روک کر اپنی تمام تر توجہ اصلاحِ نفس پر مرکوز کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا تم نماز کی پابندی کرو اور خیرات وصدقات دیا کرو ـــــ ہجرت کے بعد مدینے میں وہ مرحلہ آگیا اور ایسے حالات پیدا ہو گئے جب مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا۔ شاید اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایک عرصہ دراز (۱۳-۱۴ سال) تک تحمل و برداشت کے عادی ہو گئے تھے یا طبعی خوف کے باعث ان میں سے بعض لوگ حکم جہاد کو ناگوار سمجھنے لگے ـــــ اگرچہ یہ صرف اظہارِ رقت تھا، نہ کہ انکار و مخالفت ـــــ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر سرزنش کی کیونکہ یہ عافیت کوشی بھی اصلی اسلامی اقدار کے منافی ہے ـــــ اس آیت کی

Marfat.com

منقولِ تفسیر میں ترجیح اسی روایتِ نزول کو دی گئی ہے۔ اس طرح آیت کے مصداق ہوئے سے "اور "اصلی" منافق نہیں بلکہ صرف وہ مسلمان ہیں جن سے محض مقتضائے بشریت خوف اور کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔

(۴) بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینے میں بعض "باتوں" کے دھنی منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بے تابی کا اظہار کرتے تھے۔ یہ جوہرِ عمل سے خالی لوگ محض بیانات کے زور پر قوم کی نظروں میں "ہیرو" بننا چاہتے تھے مگر جب جہاد کا حکم آ گیا اور کفر و اسلام کی مسلح آویزش شروع ہوئی تو ان کی بھی قلعی کھل گئی۔ اس صورت میں آیت کے مصداق و مخاطب "اصلی منافق" ہیں اور اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی بعض دوسری آیات (مثلاً محمد: ۲۰، الاحزاب: ۱۹) سے بھی ہوتی ہے۔

(۵) مذکورہ بالا دو روایتوں کے علاوہ یہ تاریخی حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ عرب میں اور بالخصوص مدینے کے نواح میں بہت سے بدوی قبائل ایسے بھی تھے جو اسلام سے پہلے لوٹ مار، قتل و غارت اور ... ہمیشہ جنگ و پیکار میں مصروف رہتے تھے۔ قبولِ اسلام پر انہیں اس خونریزی و ڈاکہ زنی سے روک کر نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تاکہ ان ... کی اصلاح ہو سکے۔ اب جو حالات کے تقاضے سے اسلام کے دفاع کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو ان لوگوں کی ... جنگجوئی، خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے بزدلی اور عافیت ... کی ... صلح حدیبیہ کے موقع پر ان ... سے بیشتر قبائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کا خطرہ مول لینے سے عملاً انکار کر دیا تھا۔

لہ دیکھئے آیت ... لہ ماخوذ تفہیم و تفسیر صفحہ ...

Marfat.com

(۶) بعض لوگ ایسے بھی تھے جو نماز، زکوٰۃ وغیرہ "بے خطر" احکام کی حد تک تو پکے مسلمان بنے پھرتے تھے۔ مگر جب حق کے سئے جانیں لٹا دینے اور جوکھم میں پڑنے کا حکم ہوا تو یہ خوف سے لرزنے لگے۔ اور آج بھی ایسے لوگ کوئی جنسِ نایاب نہیں ہیں۔

(۷) آیت کے مندرجہ بالا تمام قسم کے لوگوں پر چسپاں ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کی صرف اس غلطی پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ انھوں نے حیاتِ دنیوی کو ہی متاعِ عزیز سمجھ لیا تھا اور قتال کے حکم کے ساتھ اس "جان کے خطرے" والے پہلو نے ان کے دل و دماغ کو زیادہ متاثر کر لیا تھا۔ یہ بات ایک مومنِ مخلص سے بھی سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ خوفِ ہلاکت سے متاثر ہونا ایک طبعی بات ہے — ضروری نہیں کہ اس میں ارادۂ نافرمانی بھی شامل ہو — اور دل کا کھوٹ، نیت کی خرابی اور دلی بغض و عداوت بھی بدرجۂ اولیٰ اس رویے کے محرک ہو سکتے ہیں۔ مگر مسئلہ چونکہ بہرحال اسلام کے خلاف کسی سازش میں شرکت کا نہیں بلکہ "بزدلوں کی طرح جان بچا بچا کر رکھنے" کا ہی تھا اس لیے آیت کا مجموعی انداز کسی وعید یا شدید مذمت کی بجائے مؤثر نصیحت اور نرم ملامت کا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔

(۱) نماز و زکوٰۃ کا پابند ہونا تو واضح ہے کہ اسلام کے بنیادی احکام میں سے ہے۔ البتہ اگر اس آیت میں مکے میں اذنِ جہاد مانگنے والے صحابہؓ مراد لیے جائیں تو یہاں زکوٰۃ کا مطلب عام صدقہ وخیرات ہی ہوگا۔ کیونکہ مکی دور میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

(۲) ہاتھ روکنے کا مطلب لڑائی اور خونریزی سے باز رہنا ہے۔

Marfat.com

(۳) ان ہر سہ احکام میں ضبط نفس کی تربیت اور روحانی و اخلاقی اصلاح کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دین کی خاطر تلوار اٹھانے سے پہلے ان پہلوؤں کی تکمیل ہونی چاہیئے، ورنہ اسلامی جہاد یا انقلاب کا حقیقی مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ؕ۔

(۱) بزدلی ویسے بھی کوئی خوبی نہیں ہے لیکن جب ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا جائے اور ملت کی موت و حیات کا سوال ہو اس وقت بزدلی کا ثبوت دینا زیادہ قابلِ ملامت ہے۔

(۲) "لوگوں کا خوف" انسان کو بہت سی برائیاں ترک کرنے سے یا خوبیاں اختیار کرنے سے مانع ہوتا ہے — چاہے ان کا تعلق دفاع ملت سے ہو یا عام معاشرتی حالات سے "لوگوں کا خوف" بعض دفعہ برائی سے بچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے اس لیے اس کی مذموم صورت وہی ہے جب یہ "خدا خوفی" کی جگہ لینے لگے۔

وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ؕ۔

(۱) ضروری نہیں کہ موت سے ڈرنے کی وجہ ہمیشہ بزدلی ہی ہو، بلکہ دنیوی لذتوں اور مادی مفادات کی محبت بھی اس کا باعث ہو سکتی ہے۔

(۲) جنگ، زندگی کی عام (Normal) رفتار کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ اور اس کا اثر قومی زندگی کے ہر گوشے تک پہنچتا ہے مگر بعض حالات میں بہر حال ان دشواریوں کو نظر انداز کر کے اعلانِ جنگ کرنا ہی پڑتا ہے — اگر ہمیشہ تاخیر و التوا کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے "موزوں موقع" کی تلاش میں رہے تو یہ موقع شاید کبھی بھی نہ آسکے۔

(۳) "چند روز اور جی لینے" کی اس خواہش کا، دعا اور تمنا کی شکل میں اظہار اس بات

Marfat.com

پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد انکار اور اعراض نہیں تھا ــــ مگر یہ بات بھی، قابلِ مواخذہ نہ سہی، ناپسندیدہ ضرور تھی۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ــــ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ــــ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔

"عمرِ دراز تر" کی اس خواہش و تمنا کی اصل بنیاد اس "حسین دنیا" اور اس کی رنگینیوں سے محبت ہی تو ہے۔ اگر مرنے کے بعد اس سے بھی حسین تر اور رنگین تر "دنیا" میں رہنے کی امید ہو تو پھر یہی "مہلت" جسے غنیمت سمجھ رہے تھے۔ ایک "رکاوٹ" نظر آنے لگے۔ دیکھئے! قرآن کریم نے اسی دوراہے پر، انسانی ذہن کو درست راستے پر ڈالنے کا کیا حکیمانہ انداز اختیار کیا ہے؟

(۱) پہلی بات تو یہ سمجھائی ہے کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں اور نعمتیں، حقیر بھی ہیں اور بے ثبات بھی ان سے کہیں زیادہ بہتر نعمتیں لذتیں ممکن، بلکہ دوسری جگہ موجود ہیں۔ اور دنیوی نعمتوں کے چند روزہ اور فانی ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ پس "کم تر اور وہ بھی ناپائدار" پر ریجھ جانا کونسی عقل مندی ہے۔

(۲) اس کے برعکس آخرت کی زندگی زیادہ بہتر (خیر) ہے نعمتوں اور لذتوں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی بہتر اور غیر فانی و دائمی ہونے کے اعتبار سے بھی بہتر ــــ مگر یہ بہتر زندگی صرف اس کو حاصل ہو گی۔ جس نے یہاں، اس حیاتِ فانی میں تقویٰ اختیار کیا۔ اور انسانوں سے نہیں بلکہ صرف اللہ سے ڈرتا رہا۔ پس درازیٔ عمر کی تدبیروں کی بجائے تقویٰ اور احکامِ الٰہی کی تعمیل پر توجہ دینا چاہیئے۔ ــــ اور جہاد بھی اس تقویٰ میں شامل ہے۔

(۳) پھر اس "حسین دنیا" میں تو یہ بھی ممکن ہے کہ تمہاری تدبیریں اور کوششیں بے ثمر ثابت ہوں۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ خدا کے ہاں تمہارا آخرت کا اجر ضائع ہو جائے اگر تم خدا کے دین کی خدمت سرانجام دو گے اور اس کی راہ میں جانفشانی سے کام کرو گے تو تمہاری تنس برابر بھی حق تلفی نہیں ہو گی۔

Marfat.com

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ۔

(۱) اور اس "بابِ بہانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم" کی پالیسی پر عمل کرنے کا فائدہ "نا سکے گا"؟ —— دنیا میں اور تو ہر مسئلے پر اختلافِ رائے ممکن ہوگا، مگر "موت کے بہرحال آکر رہنے" پر دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ جدید ترقی یافتہ اور سائنٹفک حفاظتی اقدامات و تدابیر بھی بہرحال ہمیشہ کے لیے "موت سے پردہ" ثابت نہیں ہو سکتیں —— جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو پھر جہاد کے اجر اور اس کے مراتب سے خالی ہاتھ ہو کر آخرت میں پہنچنا کونسی دانائی ہے؟

(۲) بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ پر لغوی اعتبار سے غور کیا جائے تو فوجی نوعیت کے خطروں سے بچاؤ کی تمام حفاظت گاہیں اس میں آجاتی ہیں حتیٰ کہ ایٹمی حملوں سے بچنے کی پناہ گاہیں بھی —— تابکاری کے اثرات سے بچ رہنا ممکن ہوگا، مگر موت سے بالآخر واسطہ پڑے گا ہی تو۔

(۳) آخرت کی زندگی پر اعتقاد تو خیر بڑی چیز ہے آدمی اگر صرف موت کے یقینی ہونے کے خیال سے ہی غافل نہ ہونے پائے تو یہ بات بھی اس کے اخلاق و کردار میں بڑی تبدیلی کا باعث ثابت ہو۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا	[illegible]
اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی بھلائی تو کہتے ہیں	پہنچتا ہے تو کہتے ہیں
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ	یہ اللہ کی طرف سے
یہ (تو) ہے اللہ کی طرف سے اور اگر	ہے اور اگر کوئی بلا پیش آتا ہے تو کہتے

Marfat.com

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

پہنچتی ہے ان کو کوئی برائی تو کہتے ہیں یہ (سب کچھ)

مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ

تیری طرف (وجہ) سے ہوتا ہے کہہ دے کہ ہر چیز اللہ ہی

عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ

کی طرف سے ہے سو کیا ہوا ہے ان لوگوں کو

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

(کہ) لگتے نہیں کہ سمجھیں (گویا سمجھتے ہی نہیں)

حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ

کوئی بات — جو پہنچتی ہے تجھے کسی قسم کی

حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ

بھلائی سو وہ بس اللہ کی طرف سے ہے اور جو بھی پہنچتی ہے تجھ کو

مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَ

کسی قسم کی برائی سو وہ تیری اپنی طرف (وجہ) سے ہے اور

اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ

ہم نے بھیجا ہے تجھے انسانوں کی طرف (رسول) پیغمبر بنا کر

ہیں یہ تمہاری بدولت ہے آپ (اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ (حقیقتاً) سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟ یوں لگتا ہے کوئی بات ہی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

(اے انسان!) اصل بات تو یہ ہے کہ تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے (تو سمجھ کہ یہ) اللہ کی عنایت ہے اور جو برائی (اور تکلیف) تجھے پہنچتی ہے (تو سمجھ کہ) وہ تیرے اپنے (نفس) کے سبب سے ہے۔

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور

Marfat.com

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾	(اس بات پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔
اور کافی ہے اللہ بطور گواہ	

لغوی ونحوی اشارات:-

تُصِبْهُمْ :- اَصَابَ يُصِيْبُ (آلگنا، نشانہ پر بیٹھنا) سے مضارع تُصِيْبُ (صیغہ مؤنث) اِنْ شرطیہ کی وجہ سے تُصِبْ ہوا — قُلْ كُلٌّ :- اس میں كُلٌّ مبتدا ہے اور دراصل اس کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی كُلُّ ذٰلِكَ — فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ اصل میں لِهٰؤُلَآءِ ہے مگر یہ لفظ قرآن کریم میں اس طرح لکھا جاتا ہے۔ القوم اسم جمع ہے اس لیے اسم اشارہ جمع (هٰٓؤُلَآءِ) آیا ہے۔ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ : كَادَ يَكَادُ کے معنی ہیں "کسی کام کے کرنے کے قریب ہونا اگرچہ ابھی اسے کیا نہیں" — اس طرح ترجمہ یہ ہوگا — "وہ ابھی قریب بھی نہیں آرہے اس بات کے کہ سمجھنے لگیں" شاہ عبدالقادرؒ نے "لگتے نہیں کہ سمجھیں" ترجمہ کیا ہے۔ رَسُوْلًا : اس کی نصب حال برائے تاکید ہونے کی وجہ سے ہے یعنی "اس حالت میں کہ تو رسول ہے" — اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصدر بمعنی اِرْسَالًا ہو کر مفعول مطلق ہو۔ اس طرح ایک باب کے فعل کے ساتھ دوسرے باب کا مصدر استعمال ہو سکتا ہے۔ شَهِيْدًا : كَفٰى کی تمیز ہو کر نصب میں ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

موت وحیات کی طرح اس زندگی میں دکھ اور سکھ کے اسباب ونتائج کے بارے میں بھی نظریات مختلف ہیں۔ ان دو آیتوں میں اس موضوع پر غلط عقیدوں کے خیالات کی تردید اور اصل حقیقت حال کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

(۱) اس حصۂ آیت میں ذکر منافقین مدینہ کا ہے۔ اگر جنگ میں کامیابی، کاروبار

Marfat.com

میں نفع یا زرعی پیداوار میں اضافہ ہوتا تو کہتے یہ سب کچھ اللہ کے قانون قدرت کے تحت ہوا ہے یعنی ایک تقدیری معاملہ ہے اس میں رسول یا کسی اور کے حسن تدبیر وغیرہ کا کیا دخل ہے؟ یا اسے اپنے حسن عمل کا نتیجہ اور عنداللہ اپنے استحقاق کی دلیل قرار دیتے تھے ــــ مگر جب کہیں شکست ہو جاتی (جیسے احد میں ہوا) یا زرعی کاروباری نقصان سے واسطہ پڑتا تو خود اس کا الزام لینے کو تیار نہ ہوتے اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ تسلیم کرنے کی بجائے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر تھوپتے کبھی کہتے یہ نقصان ان کی بے تدبیری سے ہوا اور کبھی کہتے یہ سب (معاذ اللہ) ان کی نحوست کے سبب سے ہے۔

(۲) یہ طرز استدلال اور یہ انداز فکر ایمان ہی نہیں عقل کے بھی خلاف ہے۔ اول تو حق و صداقت کا قطعی معیار یہ دنیوی دکھ سکھ نہیں ہے۔ دوسرے یہ انداز فکر ہمیشہ اپنے آپ کو بری الذمہ اور کسی دوسرے کو مورد الزام ٹھیرانے کی عادت کا سبب بھی بنتا ہے جو انسان کی اخلاقی ترقی اور روحانی اصلاح کے سراسر منافی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ؕ

(۱) آپ انھیں یہ سمجھا دیجئے کہ دکھ ہو یا سکھ، راحت ہو یا رنج، نفع ہو یا نقصان، سب کا حقیقی مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم اور اپنے قانون جزا ئے عمل کے ذریعے انسان کی بھلائی یا برائی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے ــــ مگر یہ لوگ ــــ اس ذہنیت کے لوگ جو ہر معاملے میں داد کے طلب گار خود بنیں اور الزام دوسروں پر ڈالیں ــــ یہ زندگی و موت نعمت و ابتلا، رنج و راحت اور مشیت الٰہی و ارادۂ انسانی کے فلسفہ کو کیا سمجھیں جو دھاندلی اور ڈھٹائی سے اپنی بات پر جمے رہنا چاہتا ہو اور کچھ سننے سمجھنے کو تیار ہی نہ ہو اس کی بات کو سمجھانے اور اس سے بات کرنے کا فائدہ؟ اور ان کی دھاندلی تو اس "منطق" سے ظاہر ہے جو انھوں نے اختیار کی ہے۔ کہ فائدہ خدا کی

Marfat.com

طرف سے ہے اور نقصان تیری وجہ سے۔ اگر یوں کہتے کہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے یا سب کچھ تیری وجہ سے ہے یا سب کچھ ہماری وجہ سے ہے تو کم از کم اسے "معقول استدلال" تو کہہ سکتے۔ پھر یہ صریح گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہے تو سب اللہ کی طرف سے مگر برائی کو اپنا قصور کہنے میں ادب کا پہلو تو ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ :-

(۱) اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوتی ہے — اور انسان کو جو برائی یا تکلیف پیش آتی ہے اس کا ذمہ دار وہ خود اور اس کا اپنا عمل ہوتا ہے — پس انسان کو ہر سکھ اور راحت کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہر دکھ اور رنج کے موقع پر اپنے نفس کا محاسبہ اور اپنے گناہوں سے استغفار کرنا چاہیے۔

(۲) — مفسرین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس حصّہ آیت کا خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ضمیروں کی اچانک تبدیلی کا یہی وہ خاص قرآنی اسلوب ہے جسے ملحوظ نہ رکھنے سے قرآن فہمی میں ٹھوکر لگتی ہے۔

(۳) بظاہر قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (سابقہ حصّہ آیت) اور اس حصّہ آیت کے مضمون میں تعارض نظر آتا ہے — در اصل دونوں جگہ موضوعِ مسئلہ ایک ہی ہے مگر بات اس کے دو مختلف پہلوؤں پر کی گئی ہے۔ یہ ایک ہی مسئلے کے دو رُخ ہیں۔ اور فرق صرف جہت و سمت کا ہے۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے اس کا اصل و مصدر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے کہ وہ خالق کائنات ہے۔ اس نے کائنات کی ہر شے کے لیے ایک قانون، ایک ضابطہ اور ایک ناموس مقرر کر دیا ہے اور یہ سلسلۂ اسباب و نتائج، سنت اللہ کے مطابق جاری ہے۔ پس اس لحاظ سے تو یہاں سب کام اللہ کی مشیت سے اور اس کی طرف سے ہوتے ہیں —

دوسری طرف اسی مشیت ایزدی اور ارادۂ الٰہی نے انسان کے لیے یہ ضابطہ مقرر

Marfat.com

کیا کہ اسے ارادہ و اختیار کی کچھ آزادی عطا فرمائی۔ اس کے سامنے خیر و شر کے دو راستے رکھے۔ اسے بتا دیا کہ خیر کا راستہ اختیار کرنے سے وہ خدا کی رضا اور اس کے فضل و کرم کا امید وار بن سکے گا۔ شر کا راستہ اسے خدا سے دُور لے جائے گا اور اس کے لیے دکھ، رنج اور نقصان کا باعث ہوگا۔ اور ساتھ یہ بھی بتا دیا[1] کہ اللہ یہ پسند کرتا ہے کہ انسان خیر کا راستہ اختیار کرے ــــ اب اس کے بعد اگر وہ بھلائی کا راستہ اختیار کر کے بھلائی پاتا ہے تو یہ اللہ کا فضل و کرم ہی ہے اور اگر دوسرا راستہ اختیار کر کے برائی پاتا ہے تو یہ خود اس کا ذمہ ہے ــــ اور درحقیقت تو بھلائی ہو یا برائی اللہ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ وہ اس کے مقرر قوانین اور اس کی مشیت و سنت کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہے
(۴) اس حل تعارض کا اشارہ خود آیت کے الفاظ میں بھی ہے اور وہ "مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" اور "مِنَ اللّٰهِ" کے فرق میں ہے ــــ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں کائنات میں واقع ہونے والے ہر اچھے یا برے کام یعنی خدا کے عام قانونِ تکوینی کی طرف اشارہ ہے۔ اور مِنَ اللّٰهِ محاورے میں صرف پسندیدگی اور رضامندی کے موقع پر بولا جاتا ہے۔

(۵) اس طرزِ عمل اور انداز فکر ــــ یعنی ہر بھلائی کو اپنی کوئی خوبی سمجھنے کی بجائے اسے اللہ کا فضل قرار دینا اور ہر برائی کا الزام دوسرے کے سر تھوپنے کی بجائے اسے اپنی غلطی تسلیم کرنا ــــ اس طرزِ عمل اور اندازِ فکر کی روحانی برکات و فوائد کے علاوہ ایک نفسیاتی وجہ موجّہ ((Explanation)) یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس طرح سے آدمی مسلسل قابلِ کمال اور تکمیل پذیر (Perfectible) رہتا ہے۔ اس کے برعکس جب آدمی اپنے آپ کو "برائیوں سے بری اور بھلائیوں سے بھرا ہوا" خیال کرنے لگتا ہے تو یہ اس کے روحانی و اخلاقی زوال کی انتہاء

---

[1] مثلاً دیکھیے الزمر: ۷

Marfat.com

ہوتی ہے۔

وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

(۱) ہم نے آپ کو (اے پیغمبرؐ!) سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس بات کی صداقت پر صرف اللہ کی گواہی کافی ہے — اور یہ گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و معجزات سے ظاہر ہو رہی ہے۔

(۲) آپ کا اصل کام تبلیغ رسالت ہے۔ باقی رہے ان لوگوں کے اعمال اور ان کے محرکات و نتائج تو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے — ان لوگوں کے "اللہ اور رسولؐ پر ایمان" کی کیفیت و حقیقت اور ان کا خلوص یا نفاق اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

(۳) قرآن کریم کی اور متعدد آیات کی طرح[1] یہاں رسولا للناس خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عالمگیری کے ثبوت میں دلیل قاطع ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ جس نے اطاعت کی رسول کی (۱) سو اس نے اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اطاعت کی اللہ کی اور جو منہ موڑ گیا ، تو نہیں اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰ بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان بنا کر	جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جو روگردانی کر گیا تو اے پیغمبرؐ آپ یہ بات پریشان ہوں کہ ... اطاعت کیوں نہ کرا سکے کیونکہ ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا

[1] مثلاً الاعراف: ۱۵۸، سبا: ۲۸، النساء: ۱۷۹، یونس: ۲،۱۰۸، الحج: ۴۹۔

Marfat.com

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا

اور وہ کہتے ہیں (کہ ہمیں) اطاعت (قبول ہے) لیکن جب

بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ

باہر نکلتے ہیں تیرے پاس سے (تو) رات کو مشورے کرتا ہے

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

ایک گروہ ان میں سے برخلاف اس کے جو

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا

تو کہتا ہے

وہ (منہ سے) کہتے ہیں اور اللہ لکھتا (جاتا) ہے جو کچھ

يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

وہ رات کو مشورے کرتے ہیں سو تو بے پرواہ رہ ان سے

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور کافی ہے

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اللہ کارساز (ہونے کے لحاظ سے)

اور یہ لوگ (منہ پر تو) "سر و چشم" کہتے (اور اپنے آپ کو بڑا مطیع فرمان ظاہر کرتے) ہیں مگر (حالت یہ ہے کہ) جب تمہارے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں، تو ان میں سے کچھ لوگ راتوں کو (جمع ہو کر اپنے اس دعویٰ اطاعت کے برعکس تمہارے اور تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ اور جو مشورے یہ راتوں کو کرتے ہیں اللہ سب لکھتا جا رہا ہے — سو آپ ان (کے خفیہ مشوروں اور سازشوں) کی پروا نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے — وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے۔

لغوی و نحوی اشارات :-

حَفِيْظًا : اَرْسَلْنٰكَ کی ضمیر مخاطب کا حال ہو کر منصوب ہے ۔ طَاعَةٌ : ایک

Marfat.com

مبتدا محذوف کی خبر ہے مثلاً اَمْرُنَا طَاعَةٌ (ہمارا کام تو بس فرماں برداری ہے) جیسے اردو میں کہتے ہیں "سر آنکھوں پر" یعنی آپ کا حکم ہمارے سر اور آنکھوں پر۔ طَاعَةٌ اسم مصدر ہے اور باب افعال کے مصدر اِطَاعَة کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ بَرَزُوْا: بَرَزَ یَبْرُزُ کے معنی "نمودار ہونا، باہر نکلنا" کے ہیں۔ بَیَّتَ یُبَیِّتُ: (بیت سے تفعیل) کے معنی "راتوں رات کوئی کام خصوصاً سازش کرنا، رات گزارنا یا رات گزار دینا" ہیں ــــ آیت میں پہلے معنی مراد ہیں۔ اور مطلق خفیہ تدبیر اور سازش کے معنوں میں بھی استعمال ہوسکتا ہے کیونکہ "رات" اور "خفیہ" میں ایک حد تک مناسبت ہے۔ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ: میں تَقُوْلُ مخاطب کا صیغہ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور غائب مؤنث کا صیغہ ہوکر طَآئِفَةٌ کے لیے بھی ــــ اور دونوں طرح ترجمہ اور مفہوم درست ہے۔ فَاَعْرِضْ اور تَوَکَّلْ: امر کے صیغے ہیں اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ وَکِیْلًا: کی نصب کفیٰ کی تمیز ہونے کی وجہ سے ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

ان آیات میں منافقوں کے شبہات اور ان کی حرکات کا ذکر ہے ــــ اور اطاعت رسولؐ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ اطاعت رسولؐ کے بغیر نفاق کی جڑ ہی نہیں کٹ سکتی۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ:-

(۱) اطاعت رسولؐ ہی میں اطاعت خدا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کیونکہ عام انسانوں کے پاس احکام الٰہی سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں جیسا کہ پہلے آیات ۵۹، ۶۰، ۶۴ اور ۶۹ میں بوضاحت بیان ہوچکا ہے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی خدا کے احکام پہنچانے اور اس کی اطاعت کا عملی طریقہ سکھانے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اللہ کے احکام کی اطاعت ہی اصل مقصو

Marfat.com

ہے۔ مگر اللہ کے احکام بھی صرف رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان پر درست طریقے سے عمل کرنا بھی۔

(۲) اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت سے الگ اور جدا نہیں ہے اور اس آیت کے بعد ان لوگوں کی گمراہی میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتے — کیونکہ اگر رسولؐ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے تو رسولؐ کی نافرمانی ضرور اللہ کی نافرمانی ———

البتہ اس زمانے کے منافقوں کو عہدِ رسالت کے منافقوں پر یہ "برتری" (Advantage) حاصل ہے کہ "رسول" اور "اطاعت" کا جو مفہوم ان کی "لغات" میں ہے وہ اس سے پہلے نہ منافقوں کو معلوم تھا نہ مومنوں کو۔

(۳) آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عن الخطا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر رسولؐ سے غلطی اور خطا کا امکان ہوتا تو ان کی اطاعت کو عین اطاعت الٰہی قرار دیا جاتا ——— اور اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو رسولؐ کے احکام اور سنت سے ثابت تفصیلات کو مشورے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ انسانوں کے مشورے پر مبنی فیصلہ بہرحال غلطی کے امکان سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر آیت ان احکام کو خدا کے احکام کے برابر اور ان کی اطاعت کو عین اطاعت الٰہی کا درجہ دے رہی ہے۔ جو ان کی قطعیت اور معصومیت عن الخطا کی دلیل ہے۔

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔

پس اس ساری وضاحت کے بعد بھی (اے پیغمبرؐ!) اگر کوئی آپ کا کہنا نہیں سنتا یا آپ کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے تو آپ اس کے بے زیادہ فکر و غم میں نہ پڑیئے۔ ان لوگوں کی پاسبانی کرنا انہیں زبردستی راہِ راست پر چلانا اور نہیں پکڑ پکڑ کر اور گھیر گھیر کر ہلاکت و تباہی سے بچانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ تبلیغ کے ذمہ دار ہیں اس کے بعد یہ لوگ اپنے عمل اور اس کے نتائج کے لیے خود ذمہ دار ہیں۔

Marfat.com

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۔

(۱) ذکرِ اطاعتِ رسول کے اولین منکروں یعنی منافقینِ مدینہ کا چلن رہا ہے
جہاں تک باتوں اور زبانِ "قال" کا تعلق ہے۔ یہ لوگ "لبیک" اور "سراپا اطاعت"
تھے ــــ مجلسِ نبوی میں حاضر ہوتے تو ہر وقت "لبیک و چشم حضور" [illegible]
بدل و جان منظور "کی قسم کے کلمات ان کے منہ سے نکلتے تھے۔

(۲) کیا آج بھی منافق کی ایک پہچان یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کی "زبانی خدمت"
اور اپنے "تقریری و تحریری بیانات" کی حد تک "کسی سے کم مسلمان نہیں" [illegible]

فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۔

(۱) بارگاہِ نبوی سے باہر نکل کر ان منافقوں کی لیڈرشپ یعنی ان کے سربراہ اور
سرغنے عموماً رات کی تاریکی میں یا اپنے مخصوص اڈوں پر اسلام اور پیغمبر اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ یہاں جو فیصلے [illegible]
کیے جاتے تھے کہ جس بات کے پابند ہونے کا وہ اقرار کر چکے ہیں اس [illegible]
چھوٹے ہوئے بغیر اس سے جان چھڑائی جا سکے؟

(۲) "زبانی خدمات" کے ساتھ ساتھ اپنی مجالس اسلامی اعلانات کی پابندی
اور ان کے نفاذ کی مسئولیت سے فرار کی راہیں بھی سوچتے اور نکالتے [illegible]
آج کے منافق کا بھی شناختی نشان ہے۔ عہدِ رسالت کے منافق بارگاہِ [illegible]
میں کچھ اور کہتے تھے مگر اپنے "حلقوں" میں جا کر ان کی [illegible]
تھی۔ کیا آج ہماری بھی یہ حالت نہیں ہے۔ دینی جلسوں، اسلامی مذاکروں،
کانفرنسوں، کانوکیشنوں، اسمبلیوں اور انتخابی جلسوں میں ہم اسلام کا نام کس
طرح استعمال کرتے اور کیا کچھ وعدے اور اعلان نہیں کرتے۔ مگر [illegible]
اونچے ہوٹلوں، ہمارے بارونق "ثقافتی تقریبوں" اور ایوانِ حکومت میں پہنچ کر
ہم کیا کرتے اور کس انداز میں [illegible] جاتے ہیں؟

Marfat.com

وَاللّٰہُ یَکْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ :-

"اور اللہ سب کچھ لکھتا جا رہا ہے" ــــ اس میں غفلت پر تنبیہ بھی ہے اور منافق کی "ہوشیاری" (جس پر اسے اکثر ناز ہوتا ہے) پر طنز بھی ــــ منافقین مدینہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان کے دلیں پردہ اعمال بد دیکھنے والی آنکھ اور ہر سننے کان سے پوشیدہ ہیں ــــ اس اعلان یا تنبیہ پر بھی ان میں سے اکثر باز نہیں آئے ۔ اور مجرمانہ ذہنیت تو فرد تحقیقت (History Sheet) کھل جانے کی پروا بھی کم ہی کرتی ہے ــــ مگر ہر ہوش مند اور نیک بخت انسان اپنا ریکارڈ داغدار کرنے سے پرہیز ہی کرے گا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ؕ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ــ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۸۱ :-

(۱) سو اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں کے بارے میں زیادہ غم و فکر میں نہ پڑیئے اور نہ ہی ان کی سازشوں اور خفیہ منصوبوں کی پروا کیجئے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کام کرتے جایئے اور یقین رکھیے کہ دشمن کی سازشی سکیمیں اور سارے منصوبے اللہ کی کارسازی کے آگے یونہی دھرے رہ جایا کرتے ہیں۔

(۲) آیت میں دین کے لیے کام کرنے والوں کو بالواسطہ نصیحت بھی ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے زیادہ الجھنے، یا ان کی عیارانہ تدبیروں سے خائف ہونے کی بجائے خدا کے بھروسہ پر اپنا کام کرتے چلے جائیں ۔ ان سے زیادہ الجھنے میں اپنی نفسانیت کے ابھرنے کا خطرہ ہے اور ان سے ڈرنا خدا کی کارسازی پر ایمان کے منافی ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ	اور کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) پر غور نہیں کرتے
تو کیا یہ (لوگ) غور نہیں کرتے قرآن پر اور اگر	

Marfat.com

كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ

ہوتا (یہ کلام) کسی (اور) کی طرف سے اللہ کے سوا

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا

تو وہ پاتے اس میں بہت (سا)

كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ

اختلاف اور جب آتی ہے ان کے پاس

اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

کوئی بات امن کی یا خوف کی

اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ

تو وہ مشہور کر دیتے ہیں اس کو اور اگر وہ لوٹا دیتے / پہنچا دیتے اسے

اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي

رسول کی طرف اور اپنے میں سے اختیار

الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

والوں کی طرف تو جان لیتے اس (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْ

اس (قسم کی بات) کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان میں سے اور اگر

(کہ ان میں کہیں سرمو فرق نہیں) اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو وہ اس میں بہت کچھ (تناقض اور) اختلاف پاتے اور یہ لوگ جونہی کوئی خبر سن پاتے ہیں، چاہے وہ امن و اطمینان سے متعلق ہو یا خوفناک ہو، اسے لے اڑتے ہیں اور خوب پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اس (خبر) کو رسول تک اور اپنے میں سے (عرف) ذمہ دار اور [illegible] لوگوں کی طرف پہنچاتے تو [illegible] [illegible] [illegible] رکھتے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے (اور انہیں بتلاتے [illegible]) اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل

Marfat.com

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ	اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو گنتی کے چند افراد کے سوا تم سب ہی (اپنی طبعی کمزوریوں کے باعث) شیطان کے پیچھے لگ کر تباہ ہو گئے ہوتے
نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور	
رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ	
اس کی رحمت تو تم ضرور پیروی کرنے لگ جاتے شیطان کی	
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾	
بجز چند ایک کے	

لغوی و نحوی اشارات :-

اَذَاعُوْا بِهٖ :- اَذَاعَ يُذِيْعُ (افعال) کے معنی بات کو پھیلا دینا ہیں اور یہ بِ کے صلہ کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے۔ آج کل اِذَاعَة ریڈیو اسٹیشن یا ریڈیو پروگرام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ اور لَعَلِمَهٗ میں ضمیرہ کا مرجع اَمْرٌ ہے یعنی اس بات کی اصلیت اور اس کے نتائج ـــ لَاتَّبَعْتُمْ کا لام لَوْلَا کے جواب میں ہے۔ اِلَّا قَلِيْلًا یہ مستثنیٰ ہو کر منصوب ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ اَذَاعُوْا بِهٖ کے فاعل ہیں یعنی "سوائے چند ایک کے سب افواہیں پھیلانے لگتے"۔ بعض نے اس مستثنیٰ منہ کے بارے میں اور اقوال بھی لکھے ہیں مگر قابلِ ترجیح یہی ہے

تفہیم و تفسیر:-

ذکر منافقین کا ہی چل رہا ہے۔ ان آیات میں نفاق کے ایک اور پہلو یعنی بزدلانہ اور غیر ذمہ دارانہ افواہیں پھیلانے کی عادت پر تبصرہ کرتے ہوئے ملی حیاتِ اجتماعی کے بارے میں ایک نہایت اہم نصیحت کی گئی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ :- (۱) اگر یہ منافق قرآن کریم کی تعلیمات

Marfat.com

اور اس کی آیات کے مضمرات پر غور و فکر کرتے تو ان کے وہ شبہات دور ہو جاتے جو نفاق کا باعث تھے۔

(۲) قرآن کریم کو صرف کلام الٰہی مان لینے سے، جیسا کہ بظاہر منافق بھی اقرار کرتے تھے، وہ پختگیٔ ایمان پیدا نہیں ہو سکتی جو اس کے احکام پر غور و فکر اور تدبّر سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کی لفظی و معنوی خوبیوں سے آگاہ ہونے اور اس کی برکتوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے اس میں غور و فکر ضروری ہے۔ تدبر قرآن ایک طرح سے مکاشفۂ الٰہی ہے۔ قرآن کے مطالب میں صحیح تدبر کرنے سے اوپر اسرار قرآن کھلتے ہیں۔ قرآن اس کے رگ و پے میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی انوارِ معرفت ہیں اور یہی تجلیات ربانی —

(۳) قرآن حکیم نے کائنات میں تفکر کی طرح خود قرآن کی آیات پر تدبر اور غور و فکر کا حکم متعدد مقامات پر دیا ہے[۱]۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ زیادہ تر بیانِ نفاق و منافقین کے سلسلے میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے اور تدبر قرآن کو کفر و نفاق کے لیے ایک تریاق بیان کیا گیا ہے۔

(۴) قرآن کریم میں تدبر کی یہ دعوت مسلمان اور کافر سب کے لیے ہے۔ یہ قرآن کا ایک منطقی چیلنج ہے جو اس کی صداقت پر قطعی دلیل بن رہا ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا :-

(۱) اس طرح اس انداز میں اور اس نقطۂ نظر سے غور و فکر کے نتیجہ میں قرآن کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہ رہ جاتا۔

(۲) منافقوں کی اس دورخی کے ذکر کے بعد ——— کہ سامنے کچھ پیٹھ پیچھے کچھ تھے، دن کو کچھ کہتے اور رات کو کچھ کرتے تھے۔ اس دورنگی کے ذکر کے

---

[۱] مثلاً المؤمنون: ۶۸، ص: ۲۹، محمد: ۲۴۔

Marfat.com

فوراً بعد[1] قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر اس چیلنج اور اس دعوتِ غور و فکر کی مناسبت یہ ہے کہ منافقوں کی اس روش کا باعث ہی یہ تھا کہ دراصل انھیں دل سے اس بات کا یقین ہی نہیں تھا کہ رسولؐ پر واقعی وحی آتی ہے، اور یہ حقیقتاً کلامِ الٰہی ہے صاف ظاہر ہے اس عقیدے کے بعد قرآن کے اطاعتِ رسولؐ سے متعلق احکام (جو اس سورت میں بھی اوپر مسلسل بیان ہوئے ہیں) کے بارے ان کی رائے کیا ہو سکتی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول تسلیم کرنا اور قرآن کو ایک بشری تالیف (ہر چند کہ بلند مرتبہ ہی سہی) بھی قرار دینا (جیسا کہ بعض "روشن خیال" مرتدین عظام اور اسلام سے بے "نیاز" مگر مسلمان کہلانے پر اصرار کرنے والے بعض شاعر اور انشا پرداز حضرات اب بھی سمجھتے ہیں) غالباً نفاق کا وہ مرتبہ ہے جس پر کئی "کفر" قربان کیے جا سکتے ہیں۔

(۳) قرآن مجید میں الحمد سے لے کر والناس تک ایسی یکسانیت و ہم آہنگی، اتنا تناسب و تناسق اور ایک ایسا توازن و اعتدال پایا جاتا ہے جو خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا۔ پھر اس یکساں روی و یک رنگی میں بڑی وسعت اور جامعیت ہے۔ ادب و بلاغت اور زبان و اسلوب کے لحاظ سے دیکھو تو متنوع مضامین اور مختلف موضوعات کے باوجود کسی جگہ قرآن کے معیارِ فصاحت، شیرینیٔ زبان اور عبارت کی بندش و ترکیب میں فرق نہیں آنے پاتا ۔۔۔ مضامین و تعلیمات کے پہلو سے غور کرو تو کہیں فکر میں کوئی تبدیلی، آراء میں کوئی تصادم اور نظریات میں کوئی تناقض و تضاد نہیں — بلکہ ایک ہی بنیادی فکر اور ایک ہی کلی اصول ہے جو ہر حکم، ہر نصیحت، ہر قصے اور ہر جزئی تفصیل میں جھلکتا نظر آتا ہے۔

(۴) اس آیت میں قرآن عزیز نے ساری دنیا کے سامنے اور ہمیشہ کے لیے یہ بھی

[1] دیکھئے اوپر آیت ۸۱۔

Marfat.com

یکتائی کا چیلنج پیش کیا ہے۔ کہ ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لو۔ کسی پہلو اور کسی رُخ سے جانچ پڑتال کر لو کہیں کوئی ناہمواری یا کمی اور کوتاہی اس میں نہیں پاؤ گے۔ معنوی اور صوری کسی طرح کی بے آہنگی اور جھول جھال اس میں نہیں ملے گی ـــــ تقریباً ایک چوتھائی صدی کے طویل عرصے میں مختلف حالات، مختلف مواقع اور مختلف مسائل پر پیش کیے ہوئے اس کلام میں اتنا گہرا فکری ربط اور معنوی تسلسل قائم رکھنا ہرگز ایک بشر کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ قرآن کا کلام خدا ہونا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعووں میں سے ایک دعویٰ بھی ہے اور حضورؐ کے دعووں کی صداقت کی ایک دلیل بھی۔

(۵) مگر قرآن کریم کی صداقت اور اس میں پیش کردہ صداقتوں کا صحیح علم تدبر سے حاصل ہو گا۔ تدبر یعنی عمیق غور و فکر اور گہرے مطالعہ کے بغیر محض سطحی قرآن فہمی تو اُلٹا خطرۂ ایمان ثابت ہو سکتی ہے ـــــ قرآن کی بات سمجھنے کی بجائے اپنی بات کی تائید کے لیے قرآن سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرنا تدبر قرآن نہیں تمسخر قرآن ہے۔

(۶) تدبر قرآن کا تقاضا ہے کہ قرآن فہمی کے سارے اسباب جمع کیے جائیں۔ مسلمانوں نے اسی تدبر قرآن کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عربی لغت و نحو اور حدیث و تفسیر پر بیش بہا کتابیں لکھیں، جو ہمارا بہترین تہذیبی، دینی اور علمی ورثہ ہیں ـــــ تعجب ہے ان لوگوں پر جو ناظرہ قرآن بھی درست نہیں پڑھ سکتے مگر اس سارے "ذخیرۂ تدبر قرآن" سے بے نیاز ہو کر قرآن سے من مانے مفہوم نکالنے کی "تدبر ..." کرتے ہیں۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ :-

(۱) منافقوں اور کمزور ایمان کے مسلمانوں کی ایک غیر ذمہ دارانہ او... حالات کے لحاظ سے خطرناک عادت یہ تھی کہ وہ افواہوں کو دلچسپی سے سنتے اور تندہی سے پھیلاتے تھے۔ دشمن کے متعلق کوئی اطمینان بخش خبر سنتے (جو بعض دفعہ مسلمانوں کو غفلت میں رکھنے کے لیے دشمن کی چال ہوتی تھی) تو ـــــ اور اگر مسلمانوں کی کسی ہزیمت، یا دشمن سے کسی

Marfat.com

خطرے، کی کوئی بے بنیاد اطلاع پانے (جس سے بعض دفعہ دشمن کا مقصد مسلمانوں میں خوف و دہشت پھیلانا ہوتا تھا) تو ـــــ یہ لوگ تحقیقات کیے بغیر یا نتائج پر غور کیے بغیر اس خبر کو آناً فاناً پھیلا دیتے تھے۔

(۲) جیسا کہ پہلے سورت کے تعارف میں بیان ہو چکا ہے یہ زمانہ (جنگ احد کے بعد) مسلمانوں کے لیے بڑا ہنگامی زمانہ تھا۔ اسلام اور کفر کا معرکہ نہایت اہم مرحلے میں پہنچ چکا تھا ـــــ اعصابی جنگ اور اشتہاری حربوں یعنی Propaganda سے کام لینا کچھ عصر حاضر کی خصوصیات ہی نہیں ـــــ چالاک دشمن مدینہ کو، افواہوں کے ذریعے کبھی خوف و دہشت اور کبھی غفلت و بے فکری میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اسی طرح غیر ذمہ دارانہ طریقے پر بات کو مشہور کرنے میں بعض دفعہ اپنے قیمتی راز بھی دشمن تک پہنچ سکتے تھے اور بعض دفعہ اپنی ہی بعض اندرونی "خبروں" کی غلط تشہیر سے سوسائٹی کے امن و چین کو خواہ مخواہ نشانۂ اضطراب بنا دیا جاتا تھا[1]۔ ان حالات میں عسکری اور اجتماعی تقاضوں کے پیش نظر یہ تنبیہ کی گئی اور محض صحافیانہ انداز میں اور ہنگامہ پسندی کی خاطر ہر طرح کی خبریں پھیلانے پر ملامت کی گئی۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ:-

(۱) ان حالات میں ان منافقوں یا کمزور ایمان کے مسلمانوں کے لیے بہترین طریق کار یہ تھا۔ کہ اس قسم کی کوئی اطلاع ملنے پر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

[1] آیت کے شان نزول میں یہ واقعہ بھی بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ کسی غلط فہمی سے مدینے میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس خبر نے تمام اہل ایمان کو پریشان کر دیا۔ آخر حضرت عمرؓ نے حقیقت حال معلوم کر کے بآواز بلند اس افواہ کی تردید کی۔ اور لوگوں کو اطمینان ہوا۔

Marfat.com

ہیں یا (حضورؐ کی غیر حاضری ہیں) ذمہ دار صحابہ تک بات پہنچا کر خاموش ہو جاتے یہ کام پھر ان اصحابِ امر کا تھا کہ وہ اس بات کی تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط اور اگر صحیح بھی ہے تو اس کی فوری اشاعت کس حد تک قرینِ مصلحت ہے۔

(۲) آیت میں عموم کے اعتبار سے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو یہ نصیحت ہے کہ عام حالات میں بھی اور خصوصاً ہنگامی حالات میں افواہوں کے سننے اور پھیلانے سے پرہیز کریں۔ بلکہ اگر کوئی ایسی بات ہو بھی تو اسے اپنے اہلِ علم، مفکرین اور ذمہ دار باختیار لوگوں تک پہنچا دیں (اولی الامر سے مراد آیت ۵۹ کی شرح میں یہاں بھی علماء اور امراء دونوں ہو سکتے ہیں)

(۳) ملت کے عام افراد کو بھی چاہیئے کہ وہ ایک سنجیدہ اندازِ فکر اختیار کریں۔ ہنگامہ پسندی، سنسنی خیزی، سستی شہرت اور محض اخبار نویسانہ ذہنیت سے پرہیز کریں۔ اس کے برعکس انھیں اپنے اندر ملی مسائل کا شعور اور ہنگامی حالات میں دینی اور اسلامی مفاد کو اپنی کم تر درجے کی دلچسپیوں پر ترجیح دینے کی عادت پیدا کرنی چاہیئے۔

(۴) آیت میں بالواسطہ یہ بھی اشارہ ہے کہ ملت کے سیاسی امور کی نگرانی اور زمامِ کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ جو ہر ذہنی استعداد کے ساتھ ساتھ استنباطِ مسائل اور ملی و دینی امور میں مرتبۂ تحقیق رکھتے ہوں۔ ہر فرد امت اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ہر صاحبِ امر اس صلاحیت کا مالک ہو سکتا ہے۔ یہ بات آیت میں دو دفعہ لفظ مِنْهُم کے آنے سے نکلتی ہے پہلے مِنْهُم کا مطلب یہ ہے کہ ایسے معاملات صرف اپنے مسلمان اولی الامر کے نوٹس میں لاؤ۔ دوسرے مِنْهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ ان اولی الامر میں سے جو اصحابِ استنباط ہوں گے وہ بات کی حقیقت پا لیں گے۔

(۵) چونکہ آیت میں ملت کے سیاسی مفادات کے تحفظ اور دشمنانِ اسلام کے مقابلے پر موثر فوجی و سیاسی پالیسی اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ اس لیے ظاہر ہے

Marfat.com

کہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی حکومت کے سربراہ اولی الامر کی حیثیت سے ہمیشہ سرانجام دیتے رہیں گے —— اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیتوں سے ہی منکرین سنت نے منصبِ رسالت اور منصبِ امامت کو خلط مبحث ((Confuse)) کر کے یہ فاسد عقیدہ نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کی مرکزی حکومت کو ہر لحاظ سے رسولؐ کا درجہ حاصل ہے اور وہ دنیوی و سیاسی امور ہی میں با اختیار نہیں بلکہ خالص دینی امور مثلاً نماز کے اوقات و تعداد، روزوں کی مدت اور حج کی تاریخیں وغیرہ بھی بدل سکنے کے مجاز ہیں —— حالانکہ قرآنِ کریم ہی کی رُو سے یہ اولی الامر خود اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے پابند ہیں (دیکھئے آیت ۵۹)

(۴) آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت میں کوئی آدمی وحی والہام کی بناء پر اور معصوم عن الخطاء ہونے کے دعوی کے ساتھ ملّت کے امور میں حکم نہیں دے سکتا۔ تمام نئے مسائل (جن کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں) استنباط و اجتہاد سے حاصل کیے جائیں گے اور یہ استنباط ایک مشروط شرعی حجت ہوگا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا :-

(۱) یہ محض خدا کی مہربانی اور عنایت ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے اندر ایک دینی و ملی شعور پیدا ہو گیا ہے اور تمہاری اکثریت اس قسم کی افواہوں کے سننے اور پھیلانے سے پرہیز کرتی ہے۔ ورنہ ایسی انسانی کمزوری اور اتنا دلکش شیطانی پھندا ہے کہ تم میں سے بہت کم ہی اس سے بچ سکتے۔

(۲) یہ خدا کا فضل و کرم ہی ہے کہ اس نے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں مبعوث کر کے تمہیں راہِ ہدایت دکھا دی ورنہ تم میں سے معدودے چند

Marfat.com

ایک کے سوا سب شیطان کی پیروی میں لگے ہوتے۔

(۳) آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ برائی اور بدی سے بچنے کی توفیق محض اللہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ اتباعِ شیطان کی اتنی مختلف صورتیں اور ایسے ایسے غیر شعوری طریقے ہیں کہ بہت کم لوگ اس سے بچ سکتے ہیں

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ج	سو (اے پیغمبر!) آپ اللہ کی راہ میں (دشمنانِ دین سے) لڑیئے۔ آپ پر اپنی ذات کے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اہلِ ایمان کو (کفر کے مقابلے پر) جنگ کے لیے آمادہ کیجئے۔ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور روک دے اور اللہ کا زور سب سے زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ عبرتناک سزا ہے۔
سو تو لڑ اللہ کی راہ میں	
لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَ	
تجھ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی مگر تیری اپنی ذات کی اور	
حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ج عَسَى	
اور آمادہ کر مومنوں کو (بھی) قریب ہے / کچھ عجب نہیں کہ	
اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ	
اللہ روک دے زور آوری / جنگ جوئی ان لوگوں کی	
كَفَرُوا ط وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا	
جو کافر ہو گئے ہیں اور اللہ زیادہ سخت ہے بلحاظ زور و قوت کے	
وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾	
اور زیادہ سخت ہے بلحاظ عبرتناک سزا دینے کے	

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :-

فَقَاتِلْ : میں فَ کا عطف سابقہ احکامِ قتال (آیت ۷۴، ۷۵، اور ۷۶) پر ہے۔ نَفْسَكَ : فعل مجہول لَا تُكَلَّفُ کا مفعول ثانی ہو کر نصب میں ہے۔ حَرِّضْ : صیغہ امر ہے تَحْرِيْض کے معنی "کسی چیز کی خوبیاں بیان کر کر کے اس کی جانب شوق اور رغبت دلانا" کے ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ :- عَسَى افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور اللّٰهُ کی رفع اس کا اسم ہونے کی وجہ سے ہے۔ بَأْسَ :- (مضاف) کی نصب يَكُفَّ کا مفعول ہو کر ہے۔ بَأْسٌ اصل لغت میں زورِ جنگ جوئی اور خود جنگ کو کہتے ہیں۔ اہلِ عرب جب کسی کو امان دیتے تو کہتے تھے لَا بَأْسَ عَلَيْكَ یعنی تجھے ہم سے جنگ کا خوف نہیں ہے۔ کثرتِ استعمال سے اس کے معنی صرف حرج اور مضائقہ کے ہو گئے۔ مثلاً کہتے ہیں لَا بَأْسَ فِيْهِ (اس میں کوئی حرج نہیں) —— آیت میں یہ لفظ اپنے اصل لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے —— بَأْسًا اور تَنْكِيْلًا : دونوں اَشَدُّ کی تمیز ہو کر منصوب ہیں۔ تَنْكِيْل کے معنی "منہ پھیر دینا" اور "باعث عبرت بنا دینا" ہیں

تفہیم وتفسیر :-

(۱) اصل موضوع آیت ۷۱ سے مسلسل "جہاد" کا چل رہا ہے۔ درمیان میں منافقوں وغیرہ کے متعلق ضمنی مضامین آ گئے تھے —— اس آیت کا تعلق انہیں احکامِ جہاد والی آیتوں سے ہے۔ (اور یہ مضمون آگے بھی چلے گا) —— یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر کفار کے مقابلہ پر جنگ کرنے مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کرنے اور کفار کی فوجی طاقت سے خائف نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت کو تاریخی پس منظر میں سمجھنے کے لیے غزوہ بدر صغریٰ کے بعض واقعات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے —— غزوۂ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں کا خاصہ نقصان بلکہ ایک طرح سے شکست ہی ہوئی تھی۔ احد سے واپسی کے بعد ابوسفیان نے اگلے سال میلۂ بدر کے موقع پر مقابلہ کا دوبارہ چیلنج دیا

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے سال ان ہی دنوں میں مکہ سے کچھ آدمی لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں اس پر ایک نامعلوم سا خوف طاری ہو گیا۔ وہ خود تو کوئی حیلہ بہانہ کر کے راستے سے ہی اپنے آدمیوں کو لے کر واپس ہوا مگر اس نے ایک شخص ابو نعیم بن مسعود کو معقول اجرت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مدینے جا کر قریش کی زور دار طیاریوں کے افسانے سنائے اور مسلمانوں کو مرعوب کر دے۔ ان افواہوں نے منافقوں پر تو لرزہ ہی طاری کر دیا۔ ادھر چونکہ احد کے بعد سے لے کر اس وقت تک مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھوں دھوکے اور فریب سے بھی کئی نقصانات برداشت کرنے پڑے تھے (مثلاً واقعاتِ رجیع و بیر معونہ) اور مدینہ اور مسلمان ہر طرف دشمنوں کے خطرے میں گھرے ہوئے تھے۔ ان حالات اور ان افواہوں کا ایسا اثر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کے مطابق لشکر قریش کے مقابلے کے لیے نکلنے کو کہا تو اکثر مومنین بھی ساتھ دینے سے پس و پیش کرنے لگے ——

یہ رنگ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخدا! اگر میں اکیلا بھی رہ جاؤں تو بھی جہاد کے لیے ضرور نکلوں گا" اور حقیقتاً آپ تن تنہا ہی چل کھڑے ہوئے مگر حضورؐ کو یوں روانہ ہوتے دیکھ کر چند جاں نثاروں نے ساتھ دیا۔ راستے میں حضورؐ نے مڑ کر دیکھا تو صرف ستر آدمی ہمراہ تھے۔ بہرحال جب یہ بدر میں پہنچے تو وہاں دشمن کا تو کوئی آدمی پہنچا ہی نہ تھا۔ دو چار دن ٹھہر کر ان لوگوں نے بدر میں کچھ خرید و فروخت کی جس سے دگنا نفع اٹھایا اور بخیریت مدینے واپس آ گئے۔ اس مہم کا نام "غزوہ بدر صغریٰ" ہے[1] —— اس غزوے کے موقع پر افواہوں نے جس طرح اپنا کام کیا۔ غالباً سابقہ آیت ۸۳ میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے —— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جس فرض شناسی اور نصرت

---

[1] سورہ آل عمران: ۱۷۴ میں اسی واقعہ پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے "سلامت بھی رہے، نفع بھی ... اور خدا کو بھی راضی کر لیا۔ اللہ کے فضل کے کیا ہی کہنے"۔

Marfat.com

جس اعتماد کا اظہار کیا اور آیت زیر مطالعہ پر جس طرح عمل کر کے دکھا دیا وہ شان نبوت ہی کا حصہ تھا ــــــ (صلی اللہ علیہ وسلم)

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ :-

سو (اے پیغمبرؐ) آپ خود دین کی خاطر کفر کی ساری طاقتوں سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو جائیے۔ خواہ کوئی دوسرا ساتھ دے یا نہ دے۔ آپ پر ذمہ داری بھی صرف اپنی ذات کی ہے کسی دوسرے کے عمل کی نہیں ــــ پس اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر دیجئے۔ ہاں آپ کی ذمہ داریوں میں تبلیغ رسالت بھی شامل ہے۔ اور اس لحاظ سے مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلانا بھی آپ کے فرائض رسالت میں شامل ہے۔ سو آپ ان کے سامنے بھی جہاد کی خوبیاں اور اس کی اہمیت واضح کر کے انہیں اس پر آمادہ کیجئے۔

۲۔ اس آیت اور جہاد کی ترغیب کی سابقہ آیتوں (خصوصاً آیت ۷۷) سے واضح طور پر یہودی مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کے اس سفید جھوٹ اور بیہودہ الزام کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تو بس لوٹ مار کے شوق میں جہاد اور جنگ کے لیے تلے ہی بیٹھے تھے۔ رسولؐ کو بس اشارہ ہی کی دیر تھی" ــــ بھلا جنگ کے حریصوں کو بھی یوں تحریض دلانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟

۳۔ اگرچہ آیت خاص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متعلق ہے۔ مگر اس میں ایک اہم کا پہلو بھی ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ بوقت ضرورت دین کے لیے سر بکف ہو جائے اور دوسروں کو صرف اس کی ترغیب دلانے کا ذمہ دار ہے۔ اور یہی عین اسوۂ رسولؐ کی پیروی ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا :-

Marfat.com

(۱) کافروں کے زور وقوت کی خبریں افسانے ہوں یا حقیقت، اللہ سے یہ کچھ بعید نہیں۔ کہ ان کی پسپائی کے اسباب پیدا کر دے ـــــ بلکہ تم یقین رکھو ـــــ کہ بالآخر وہ ان کافروں کا سارا زور توڑ کر رکھ دے گا۔ ـــــ صرف یہی نہیں کہ اللہ ان کافروں کی فوجی قوت کا تار پود بکھیر دینے پر قادر ہے بلکہ ان کو ان کے اعمالِ بد کی عبرتناک سزا دینے میں بھی کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

(۲) اس آیت میں کفار کے اپنی ساری زور آوریوں کے باوجود مغلوب ہو جانے کی پیشین گوئی بھی ہے جو آیت کے زمانہ نزول کے بعد کے قریبی زمانے میں بھی پوری ہوئی اور اس وقت کے لحاظ سے مستقبل بعید میں بھی مشرکین عرب اور کفار مکہ کا زور تو اسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا۔ اور کچھ عرصہ بعد ایران و روم کی قوت و شوکت بھی مغلوب ہو گئی۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً

جو کوئی سفارش کرے گا سفارش اچھی (بات کی)

يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ

تو ہو گا اس کے لیے (بھی) ایک حصہ اس میں سے

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

اور جو کوئی سفارش کرے گا سفارش بری (بات کی)

يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَ

تو ہو گا اس کے لیے (بھی) کچھ بوجھ اس میں سے اور

جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو (بھی) اس میں سے حصہ ملے گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا اس کو (بھی) اس میں سے بوجھ بار رہے گا اور . . .

Marfat.com

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ہے — اللہ — ہر — چیز — کا / پر

مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ

حصہ بانٹنے والا / نگہبانی کرنے والا — اور جب تمہیں — سلام کیا جائے / دعا دی جائے

بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ

کلمہ دعا کے ساتھ / سلامتی کی — تو تم (بھی) سلام کرو — زیادہ بہتر — اس سے

اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

یا لوٹا دو وہی (کلمہ) — بیشک — اللہ — ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

ہر — چیز — کا — حساب — کر — لینے — والا

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

اللہ (وہ ہے کہ) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ ضرور جمع کرے گا تم سب کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

قیامت — کے — دن — نہیں — ہے — کوئی — شبہ

فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ

اس میں — اور — کون — ہے — زیادہ سچا

(اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا اور اس کی قدر دینا [illegible]ی کرنے والا) ہے

[illegible] حییتم (اختراماً) سلام کیا جائے تو سلام کرنے والے کا احترام کرتے ہوئے اس [illegible] بہتر طریقے پر سلام [illegible] جواب) دو یا کم از [illegible] اسی طرح (وہی کلمہ [illegible] جواب میں کہو [illegible] بیشک اللہ ہر چیز کا [illegible] حساب کر لینے والا ہے

اللہ وہ ہے جس [illegible] کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور [illegible] سب کو قیامت [illegible] جمع کرے گا جس [illegible] میں کوئی شبہ نہیں — اور اللہ کی

Marfat.com

اللّٰہِ حَدِیۡثًا (۸۷)	بات سے زیادہ سچی بات
اللہ سے (بڑھ کر) بلحاظ بات کے	بات اور کس کی ہو سکتی ہے

لغوی ونحوی اشارات :-

شَفَاعَۃً :- دونوں جگہ نصب مفعول کی وجہ سے ہے۔ شَفْعٌ کے اصل معنی جفت عدد (۲، ۴، ۶) ہو جانے کے ہیں۔ چونکہ سفارش میں ایک آدمی اپنے ساتھ دوسرے کو ملاتا ہے اس لیے اس کے لیے لفظ شفاعت استعمال ہوتا ہے۔ **کِفْلٌ** : دراصل اس آدمی کو کہتے ہیں جسے اونٹ پر پیچھے بٹھایا جائے چونکہ اسے اونٹ کی پیٹھ سے کچھ حصہ ملتا ہے اس لیے یہ لفظ "بوجھ" اور "حصہ" دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔——

مُقِیۡتًا :- نصب خبر کان ہونے کی وجہ سے ہے۔ اَقَاتَ یُقِیۡتُ (واوی) کے معنی ہیں "روزی دینا" "نگہبانی کرنا" اور "طاقت ور ہونا"۔ **حُیِّیۡتُمۡ** اس سے اسم فاعل ہے۔ **حُیِّیۡتُمۡ** : ماضی مجہول ہے۔ حَیَّا یُحَیِّیۡ (ح ی ی سے تفعیل) کے اصل معنی "زندگی دینا" "عمر دراز کرنا" ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب میں سلام کی ایک صورت یہ تھی کہ ایک آدمی دوسرے کو ملتا تو حَیَّاکَ اللّٰہُ ! (خدا تجھے زندہ رکھے) کہتا تھا۔ اس سے **تَحِیَّۃ** معنی دعا وسلام استعمال ہونے لگا۔ اسلام میں اس کی شکل "السلام علیکم" مقرر کر دی گئی۔ قرآن کریم میں یہ فعل چھ جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اپنے انہیں اصطلاحی معنوں میں —— **فَحَیُّوۡا** : صیغہ امر ہے جو دراصل حَیِّیُوۡا تھا۔ جس طرح تَحِیَّۃٌ دراصل تَحۡیِیَۃٌ (تفعلۃ) تھی۔ رُدُّوۡھَا [illegible] مضاف محذوف ہے یعنی رُدُّوۡا مِثۡلَھَا ہے۔ لَارَیۡبَ فِیۡہِ میں ضمیر "ہ" کا مرجع یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ بھی ہو سکتا ہے اور جمع (لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ) بھی۔ یعنی "قیامت کے دن میں کچھ شک نہیں" یا "جمع ہونے میں کچھ شک نہیں"۔

حَدِیۡثًا :- اَصۡدَقُ کی تمیز منصوب ہے

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

(۱) جہاد و قتال اور دشمن سے جنگ اور لڑائی کے احکام کے سلسلے میں اطاعت واستقامت، احتیاط و حفاظت، جرأت و شجاعت، جانبازی و جانفشانی، خلوص و وفاداری، تحقیق و رازداری اور جنگ جوئی و سپاہ داری کی تعلیم دیتے دیتے (یہ تمام الفاظ آیت ۱ تا ۷ کے خلاصہ مضمون کا اشاریہ ہیں)، درمیان میں یہ اخلاق و معاشرت کا درس، نہایت اہم اور قابل غور ہے ـــــ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد صرف شرک و فساد، ظلم و عدوان اور طاغوتی نظام کو مٹانا ہے ـــــ نہ یہ کہ درندہ پن اختیار کرکے جس کو جہاں چاہے مار ڈالو۔ بات کرنے سے پہلے لات مارنے پر اتر آؤ، اور اپنی وحشیانہ حرکات سے اسلام کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگاؤ۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے غوغہ درندگی و دہشت پسندی کسی قوم سے برسرپیکار ہونے کے زمانے میں بھی پسندیدہ نہیں ہے ـــــ چنانچہ آیات زیر مطالعہ میں عین زمانۂ جنگ ((War-time)) میں بھی انسانی تعاون، سلامتی اور امن و اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاد و قتال سے صرف باغی و شیطانی عناصر کو مغلوب اور مجبور کیا جاسکتا ہے مگر انسان کی آدمیت کو، اور دشمن کے بھی دل و دماغ کو صرف اخلاق و حکمت اور محبت و شرافت سے مسخر کیا جاسکتا ہے۔

(۲) اس سورت کے نزول کے وقت مسلمان اور مشرکین مکہ تقریباً گذشتہ تین سال سے برسرپیکار تھے مشرکین مکہ میں سے بہت سے لوگ مسلمانوں کے قرابت دار تھے اور ان میں سے بعض کو مسلمانوں اور کفار کی لڑائی سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ مگر مشرکین مکہ سے جنگ کے سلسلے میں جس قسم کے احکام دیئے جارہے تھے (جس کی کچھ مثالیں اس سورت میں گزر چکی ہیں) اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو اس وقت اپنے ان مشرک رشتہ داروں سے پوری طرح قطع تعلق کرلینی

Marfat.com

چاہیئے حتی کہ فطری انسانی جذبات کو بھی پس لیشت ڈال دینا چاہیئے۔ اور تعلقات کی اس کشیدگی کا مظاہرہ بد مزاجی، کج خلقی اور ترش روئی کی صورت میں بھی ہونا چاہیئے۔ بعض مسلمانوں نے حقیقتاً اس قسم کی "غیرت اسلامی" کا ثبوت بھی دیا مثلاً اسماءؓ بنت ابی بکر الصدیقؓ کی والدہ حالتِ شرک میں مکے سے اپنی بیٹی کو ملنے مدینے آئیں اور اپنے ساتھ بیٹی کے لیے محبتِ مادری کی بناء پر کچھ تحفے وغیرہ بھی لائیں۔ مگر اسماءؓ نے نہ صرف تحفے لینے سے بلکہ والدہ کو ملنے سے ہی انکار کر دیا اور انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت تک نہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو اسماءؓ کو والدہ سے حسن سلوک کرنے اور تحفے وغیرہ قبول کرنے کی سفارش کی ـــــ یہی بات ان آیات میں بیان ہوئی ہے کہ مسلمان کو زیادہ شائستہ۔ زیادہ انسان دوست اور زیادہ خوش خلق ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا مقصد تسکینِ نفس نہیں بلکہ لوگوں کو راہِ حق پر لانا ہے۔

۴۔ ذرا اس متوازن تربیت کا اندازہ کیجئے جو قرآن کریم اپنے متبعین کو دینا چاہتا ہے جہاد و قتال کے تقاضوں سے بھی پوری طرح آگاہ کیا جا رہا ہے لیکن ساتھ ساتھ اخلاق و شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی بھی تاکید کی جا رہی ہے۔ کردار میں یہ اعتدال و استقامت پیدا کرنا ہی معیار ہے اسلامی تعلیمات کا ـــ کتنا بلند معیار!

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا۔ بھلائی کی سفارش سے مراد یہ ہے کہ بھلائی کے مستحق تک بھلائی پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ جس میں کسی بے قصور کا نقصان نہ ہو کسی دوسرے حقدار کی حق تلفی نہ ہو کسی شرعی حد کو توڑا نہ جا رہا ہو۔ اس قسم کی سفارش باعث اجر ہے۔ کیونکہ وہ دراصل کسی نیک کام کا سبب بنتی ہے۔ اور مسلمان کو نیکی کے لیے کوشاں رہنا چاہیئے۔ براہِ راست بھی اور بالواسطہ بھی۔

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ بری

Marfat.com

سفارش سے مراد وہ سفارش ہے جس میں کسی بُرائی کی حمایت کی کوشش کی جائے، جس میں کسی کا مال ناحق مارنے کا ارادہ ہو، کسی بے گناہ کی ایذا رسانی مطلوب ہو، کسی مستحق کا حق چھین کر غیر حق دار کو دینا مقصود ہو، جس میں خدا یا بندوں کے حقوق میں سے کسی حق کو نظر انداز کیا جا رہا ہو، جس میں بھلائی کے پردے میں برائی کو فروغ دیا جا رہا ہو۔ ایسی سفارش چونکہ دراصل کسی برے اور شرعی طور پر ممنوع کام کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے اس کے وبال میں سفارش کنندہ بھی برابر کا شریک ہے مسلمان کو کسی بُری بات کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ نہ براہ راست نہ بالواسطہ۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا :-

(۱) اللہ سب پر نگران بھی ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس نے بُرائی یا بھلائی میں حصّہ لیا؟ کتنا اور کس انداز میں؟

(۲) اللہ سب کو روزی دینے والا ہے جس طرح وہ روزی دینے میں بھلائی اور بُرائی کے مرتکب کے درمیان فرق نہیں کرتا۔ اسی طرح تم بھی بھلائی اور نیکی کو غیر و مسلم سب تک پہنچاؤ۔

(۳) اللہ ہر ایک کو اس کے "ذوق" کے مطابق "ذائقہ" چکھانے پر پوری طرح قادر ہے۔ اب یہ اپنا اپنا "نصیب" ہے کہ کوئی خدا کی راہ میں کوشش کر کے اس کا اجر پائے یا کوئی خدا کے باغیوں کا ساتھ دے کر سزا کا حق دار بنے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا :-

(۱) مردانسانوں کا آپس میں ملتے وقت کسی نہ کسی طریقے پر ایک دوسرے کے حق میں اپنی محبت، خیر خواہی، احترام اور شعوری تعلق کا اظہار کرنا دنیا کی ہر انسانی سوسائٹی میں رائج ہے۔ اس رواج میں سوسائٹی کے نظریۂ حیات

Marfat.com

اور اخلاق و مذہب کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ سلام و آداب ———
(Salutation) کی بیسیوں مختلف صورتیں دنیا میں رائج ہیں یا رہی
ہیں۔ اسلام سے پہلے عربوں میں بھی اس کے متعدد طریقے تھے۔ اور اس کے
لیے لفظ تَحِیَّۃ کے استعمال کی وجہ اوپر لغوی و نحوی اشارات[1] میں بیان ہو
چکی ہے۔

(۲) اسلام میں باہمی تحیات کے لیے "السلام علیکم" یا سَلَامٌ عَلَیْکَ
(تجھ پر سلامتی ہو) اور وعلیکم السلام (بصیغۂ واحد تم بھی سلامت رہو)
کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج فرمائے۔ اسلامی سلام میں نہ صرف
صورت کے اعتبار سے سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے[2] بلکہ اپنے معنوں کے
اعتبار سے یہ اس بلند ترین نصب العین (دنیا و آخرت میں امن اور سلامتی) کا نشان
(Symbol) بھی ہے جس کے حصول کا راز صرف "اسلام" کی پیروی
میں نہاں ہے۔

(۳) اسلام میں سلام کے دستور (institution) کی اہمیت کا
اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں ایک
دوسرے کو کثرت سے سلام کہنے پر خاص زور دیا ہے[3] اور سلام کے آداب و
قواعد کی تعلیم میں بھی اس کے فوائد اور مقاصد کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے۔
چنانچہ کتب حدیث میں "سلام" سے متعلق ابواب موجود ہیں اور ان ارشادات
سے کئی مسائل مستنبط کئے ہیں، جن میں سے صرف چند ایک اہم کا ذکر ...

---

[1] باہمی صاحب سلامت کے مختلف اور دلچسپ طریقوں کے بارے میں عجیب
معلومات کے لیے (Encyclopedea of Religion and Ethics)
میں (Salutations) پر مقالہ دیکھئے۔ [2] اسمائے الٰہی میں سے ایک
اسم "السلام" بھی ہے۔

Marfat.com

کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) ابتداءً سلام کہنا سنتِ کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی گروہ میں سے ایک نے سلام کر لیا تو کافی ہے ورنہ یہ ایک سنت کا ترک ہوگا ــــ مگر سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے یعنی گروپ یا جماعت میں سے کسی ایک شخص نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا ورنہ سب ایک فرض کے تارک اور گنہگار رہیں گے۔ یہ بات آیت زیرِ مطالعہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں ابتداءً سلام کرنے کی نہیں بلکہ سلام کا جواب ضرور دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ سلام میں پہل کرنے کی فضیلت کا علم ہمیں سنتِ رسولؐ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا کا مطلب حدیث نبوی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو الفاظ سلام کہنے والے نے کہے ہیں ان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے۔ مثلاً اگر اس نے صرف "السلام علیکم" کہا تو جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہا جائے۔ نیز اس میں زیادہ خندہ پیشانی اور زیادہ گرم جوشی کا اظہار بھی شامل ہے۔ اور رُدُّوْهَا سے یہ مراد ہے کہ کم از کم وہی الفاظ جواب میں دہرائے جائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلام کے جواب میں محض سر ہلا دینا یا ایک آدھ انگلی سے اشارہ کر دینا غیر اسلامی طریقہ ہی نہیں فرمانِ الٰہی کی تعمیل بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ سے سلام کہنے کے ساتھ باہم مصافحہ کرنے (ہاتھ ملانے) کو گناہوں کی بخشش کا سبب ٹھیرایا ہے۔ اور حقیقتاً کسی مسلمان کے دل سے دوسرے مسلمان کے بارے میں کدورت کا دور ہونا یا اس کے متعلق خیر سگالی کے جذبات کا ابھرنا (اور سلام و مصافحہ اس کی ایک علامت ہے) بہت سی سابقہ برائیوں کی تلافی اور

Marfat.com

آئندہ اصلاح کا موجب بن سکتا ہے۔ بہت دنوں کی غیر حاضری کے بعد ملاقات پر سلام کے ساتھ مصافحہ کی بجائے معانقہ (گلے ملنا) بھی صحابہ میں رائج تھا۔ اور مسلمانوں میں "عید کے چاند" پر معانقہ کی رسم کی وجہ یہی ہے۔

(۱۷) مجلس سے جاتے وقت بھی سلام کہنا سنت ہے۔

(۷) کم عمر اپنے بڑوں کو، سوار پیدل چلنے والوں کو، چلنے والے بیٹھے ہوؤں کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کرنے میں پہل کریں۔

(۱۷) لفظ "سلام" کا استعمال مسلمانوں کے باہمی سلام کے لیے مخصوص ہے۔ ویسے کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی اس کے اپنے معروف طریقے کے مطابق صاحب سلامت کرنا اور آداب وغیرہ کا گرم جوشی سے جواب دینا خود اسی آیت سے مستنبط ہوتا ہے۔

(۴) احکام جہاد کے درمیان سلام کے اس حکم (جس کی اہمیت کو سنت نے مزید واضح کر دیا ہے) کی معنی خیزی (Significance) واضح ہے۔ اسلام کا اصل مقصد اشاعت اسلام اور امن و سلامتی کا قیام ہے۔ باہم مسلمانوں میں بھی اور عام انسانوں میں بھی ـــ اور مسلمانوں کو انتہائی شدت جذبات اور پر آشوب حالات (مثلاً زمانہ جنگ) میں بھی اس مقصد کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔

(۵) یہاں بطور عبرت منکرین سنت کی ضد اور گمراہی کا ایک نمونہ پیش کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن کریم کی "نماز" کی تفصیلات جو خصوصاً سنت سے معلوم ہونے والی تفاصیل سے، چونکہ سنت رسول سے محض بے نیاز ہو کر نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ کی ہر ممکن مخالفت کے نقطہ نظر سے جب یہ لوگ "مفہوم قرآن" کے درپے ہوتے ہیں تو بعض دفعہ زبان و لغت کی دلدل میں پھنس کے جوش میں اپنے تئیں مجرم کی ناک پر جہالت کا استرا پھیر لینے سے بھی دریغ نہیں

Marfat.com

کرنے ــــــ چنانچہ سلام کے اس اسلامی دستور کو "فضول" اور "محض مولویانہ" سمجھتے ہوئے انہیں قرآن کریم کی اس آیت تحیہ کا مفہوم یوں بدلنا پڑا:۔ "جو تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر تمہارے لیے زندگی اور سلامتی کا سامان بہم پہنچائے تم اس کے لیے اس سے بہتر اور حسین تر، حیات بخش سامان بہم پہنچاؤ اور اگر ہنوز حالات ایسے سازگار نہ ہوں کہ تم اسے اس کی پیش کش سے زیادہ دے سکو، تو کم از کم اسے اتنا ہی لوٹا دو۔" ایک سنت ثابتہ سے روگردانی کے علاوہ عربی زبان کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ اس قسم کا بی گھامڑپن ہے جیسے کوئی "دانشور" افعال الاعضاء (Physiology) کی کسی کتاب میں (Liver) کو جگر کی بجائے لیے فعل (live) کے اشتقاقی معنی مثلاً بسر اوقات کرنے والا پہنانے پر اصرار کرے یا کسی ادب کی کتاب میں (White liver) اور (Lily liver) (بزدلی) سے "سفید جگر" یا "جگر سوسن" مراد لے کر حیاتیات (Biology) کی دنیا میں نئے "انکشاف" کا مدعی ہو۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا:۔

(۱) اس لیے ان معاشرتی آداب کو بھی حقیر اور معمولی نہ سمجھو۔ اللہ ظاہری قول و عمل اور اس کے پس پشت کام کرنے والے ارادہ اور نیت سب کا حساب لینے والا ہے۔

(۲) آیت میں "اتنا ہی" اور "اس سے بہتر" کے الفاظ کے ساتھ "حَسِيبًا" کے استعمال میں ایک لفظی و معنوی حسن بھی ہے۔ واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے یا فرض شناسی اور فیاضی سے کام لو گے، ہر چیز کا حساب رکھا جائے گا۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا۔

(۱) جس طرح اس حقیقت میں شبہ نہیں کہ اس کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اکیلے اللہ کا ہی ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور کو کسی درجے میں بھی معبود ماننا

Marfat.com

یا کنا ہی سرے سے غلط ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر سمجھو کہ ایک دن تمہیں ضرور اس اللہ کے سامنے اکٹھے بھی ہونا ہے، اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اگر اس چیز کے متعلق کوئی ریب وتردّد دل میں رہ گیا تو عمل کیا، ارادۂ عمل میں بھی کوتاہی آ جائے گی۔

(۲) یوم قیامت کا انکار کفارِ مکہ کا خاص عقیدہ تھا اور اس پر انہیں سخت اصرار تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے شرک کی تو توجیہہ بھی کر لیتے تھے (کہ ہمارے معبود بذاتِ خود معبود نہیں بلکہ اللہ کے ہاں وسیلہ اور ذریعۂ سفارش ہیں) مگر "یوم قیامت" کا قرآنی تصور ان کے ذہن کسی طرح قبول نہیں کرتے تھے۔ عہدِ رسالت کے مسلمان اور کافر سب ہی اہلِ زبان تھے اور قرآن کریم کے واضح بیانِ قیامت سے دونوں کے ذہن میں قیامت کا ایک ہی مفہوم آتا تھا۔ مسلمان اسے درست مانتے تھے اور کافر اس کا انکار کر دیتے تھے۔ مگر ہمارے زمانے کے "منکرین قرآن" نے اپنی نئی "لغات" کی مدد سے قیامت کا وہ مفہوم ڈھونڈ نکالا ہے جس کے بعد انکارِ قیامت کے کسی بھی "تکلف" کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ پھر قرآن کوئی ایسی خاص قیامت ڈھاتا بھی نظر نہیں آتا۔ مثلاً لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ کا یہ مفہوم نکالا ہے کہ "اس مخالفت کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب آنے والے انقلاب کے وقت تم اور تمہارے مخالفین میدانِ جنگ میں ایک ساتھ جمع ہوں گے۔ یہ ٹکراؤ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔" منت [illegible] کے جھگوڑے اور عربی زبان سے کورے، مادہ پرست ذہن، کفر واسلام کو ایک جگہ جمع کر دینے والی، ایسی "روشن خیالی" کی کیوں کر داد نہ دیں۔ تب پتا ہے ابوجہل بھی اپنے سارے اونٹ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا۔

Marfat.com

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ

سو کیا ہو گیا ہے تمہیں (کہ) منافقوں کے بارے میں

فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا

دو گروہ (ہو گئے ہو) اور اللہ نے ان (کی عقل) کو اوندھا کر دیا ہے بوجہ

كَسَبُوْا ۭ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا

اس کے جو کچھ انہوں نے (عمل) کیا ہے۔ کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ

مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ

ان کو جنہیں گمراہ کر رکھا ہے اللہ نے۔ اور جس کو گمراہ کرنے

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

اللہ تو پھر تو ہرگز نہ پائے گا اس کے لیے کوئی رستہ۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا

وہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ

كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا

(خود) کافر ہوتے ہیں تاکہ وہ اور تم (سب) ہو جاؤ برابر سو تم

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى

نہ بنانا ان میں سے دوست جب تک کہ

پھر یہ) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تمہارے درمیان دو رائیں موجود ہیں۔ حالانکہ جو کرتوت ان منافقوں نے کیے ہیں۔ ان کی بدولت اللہ نے ان (کی عقلوں) کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے اسے راہِ راست پر لاؤ حالانکہ جسے اللہ نے راستے سے ہٹا دیا ہے تم کسی (طرح بھی صحیح) راستے پر نہیں لا سکتے وہ تو دل سے یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ وہ اور تم سب یکساں ہو جاؤ سو تم ان میں سے اپنے دوست نہ بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت

يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

وہ ہجرت (نہ) کریں اللہ کی راہ میں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

بلکہ اگر وہ رو گردانی کریں تو انہیں پکڑو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ

اور مت بناؤ ان میں سے (کسی کو اپنا) دوست اور

لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

مددگار سوائے ان لوگوں کے جو جا ملتے ہیں

اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

ان لوگوں سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ

عہد (معاہدہ) ہے یا (جو) تمہارے پاس آجائیں (اس طرح کہ)

صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ

تنگ ہو رہے ان کے سینے (دل) اس بات سے کہ تم سے لڑیں یا

نہ کریں۔ اور اگر وہ (ہجرت سے) روگردانی کریں تو تم انہیں گرفتار کرلو اور جہاں پاؤ، انہیں قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست یا مددگار نہ بنانا (اور نہ سمجھنا)۔ البتہ وہ (منافق) اس حکم سے خارج ہیں جو کسی ایسی قوم کے ساتھ جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے اسی طرح وہ منافق بھی اس حکم (گرفتاری اور قتل) سے مستثنیٰ ہیں جو لڑائی سے (لڑنے سے) دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں نہ تو وہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں۔ نہ اپنی قوم ہی سے (لڑنا چاہتے ہیں) اگر انہیں

Marfat.com

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ

وہ لڑیں اپنی قوم سے اور اگر اللہ

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

چاہتا تو ان کو مسلط کردیتا تمہارے اوپر

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

تو وہ تم سے (ضرور) لڑتے پس اگر وہ تم سے ایک طرف ہوجائیں

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا

اور تم سے لڑائی نہ کریں اور ڈالیں

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

تمہاری طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں رکھی ہے

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾

اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لیے کوئی (الزام کی) راہ

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

تم عنقریب پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو جو یہ چاہتے ہیں

اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا

کہ وہ امن میں رہیں تم سے (بھی) اور امن میں رہیں

کہیں اللہ تم پر زور دیتا تو یہ ضرور تم سے لڑتے (باز نہ رہتے) سو اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش ہوجائیں، اور تمہارے ساتھ لڑنے سے باز رہیں۔ اور تم سے صلح کی درخواست کریں۔ تو پھر اللہ نے تمہیں ان پر دست درازی کی اجازت نہیں دی ہے عنقریب تم کچھ اور ایسے منافق بھی دیکھو گے جو چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی امن رہیں۔

Marfat.com

قَوْمَهُمْ ط كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى

اپنی قوم سے (بھی) جب کبھی انہیں لوٹایا جائے فساد

الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا فَاِنْ

کی طرف تو (بس) اوندھے منہ گریں گے اس میں سو اگر

لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

یہ لوگ تم سے ایک طرف نہ ہو جائیں اور نہ ڈالیں تمہاری طرف

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

صلح (کا پیغام) اور (نہ ہی) روکیں تم سے اپنے ہاتھ

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

تو تم بھی انہیں پکڑو اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ط وَاُولٰٓئِكُمْ

تم ان کو پاؤ اور یہی وہ لوگ ہیں کہ

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ

ہم نے قائم کر رکھی ہے تمہارے لیے جن پر

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (٩١)

لیکن اگر انہیں کوئی (مشتعل) ان کی (اپنی قوم) انہیں تمہارے خلاف (استعمال کرنے کے) فتنہ میں ڈالے تو وہ (سب امن پسندی بالائے طاق رکھتے ہوئے) فوراً اندھا دھند اس (فتنہ جوئی) میں کود پڑیں گے ایسے لوگ اگر تمہارے مقابلے سے باز نہ آئیں اور نہ ہی صلح اور آشتی کا ہاتھ تمہاری طرف بڑھائیں اور نہ ہی اپنی دست درازیوں سے باز آئیں تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں پاؤ انہیں مارو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف اس قسم کی کارروائی کرنے کے لیے ہم نے تمہیں صاف صاف (اجازت) دے رکھی ہے۔

Marfat.com

لغوی و نحوی اشارات

نِعْمًا ہِیَ ایک محذوف فعل ناقص کی خبر ہو کر نصب میں ہے گویا دراصل صِدَّقْتُم نِعْمًا ہِیَ ہے۔ اَرْکَسَہُمْ:۔ اَرْکَسَ یُرْکِسُ کے معنی ہیں "کسی شے کو دوبارہ پہلی حالت میں لوٹا دینا" اور "کسی کو یوں الٹا لٹکا دینا کہ اس کا اوپر کا حصہ نیچے اور سامنے کا حصہ پیچھے ہو جائے"۔ وَدُّوا لَوْ تَکْفُرُوْنَ:۔ وَدَّ یَوَدُّ (پسند کرنا) کے ساتھ جب لَوْ آئے تو اس کے معنی "تمنا کرنا" ہوتے ہیں اور یہاں لَوْ تَکْفُرُوْنَ مصدر مفعول کے معنوں میں ہے یعنی ترجمہ "وہ تمہارے کافر ہونے کی تمنا کرتے ہیں" ہوگا۔ فَتَکُوْنُوْنَ:۔ میں ف کا عطف تَکْفُرُوْنَ پر ہے۔ سَوَآءً:۔ یہاں خبر کان ہو کر منصوب ہے اور یہ لفظ تثنیہ و جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اَوْلِیَآءَ:۔ نصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہے اس کا واحد وَلِیٌّ ہے۔ تَوَلَّوْا:۔ فعل ماضی صیغہ جمع غائب ہے۔ حَیْثُ:۔ ظرف مبینہ ہیں سے ہے اور اس کے آخر پر ہمیشہ پیش (ـُـ) ہی آتا ہے۔ مثلاً مِنْ حَیْثُ الْقَوْمِ زیادہ تر ظرف مکان کے طور پر استعمال ہوتا ہے لفظ حَیْثِیَّتْ (کسی خاص جگہ یا درجے پر ہونا) اسی سے بنایا گیا ہے۔ مِیْثَاقٌ:۔ وَثِقَ یَثِقُ (اعتماد کرنا) سے اسم آلہ ہے اور اس کی جمع مَوَاثِیْق ہے۔ حَصِرَتْ:۔ صیغہ تانیث فاعل (صُدُوْرُ) کے جمع مکسر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حصر کے معنی "تنگ ہونا" اور "تنگ کر دینا" ہیں عموماً "عَنْ" کے ساتھ آیا ہے اور یہ پورا جملہ "حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ" حالیہ ہے۔ اِعْتَزَلُوْکُمْ:۔ اعتزال کے معنی "الگ ہو جانا" ہیں۔ یَاْمَنُوْکُمْ:۔ اَمِنَ یَاْمَنُ کے معنی "کسی کی طرف سے بے فکر ہونا" ہیں۔ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا:۔ (مرکب توصیفی) نصب جَعَلْنَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔ سُلْطَان کے معنی "گرفت، دلیل، حجت اور سند" کے ہیں۔ مُبِیْن کے لفظی معنی "واضح کر دینے والا" کے ہیں۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

ان آیات کا موضوع یہ ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کے زمانے میں منافق اور مشکوک وفاداری کے آدمیوں کے بارے میں مسلمانوں کو کیا پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ یہ تو مضمون کے عموم کے اعتبار سے ہے لیکن آیات کو ان کے صحیح تاریخی پس منظر میں سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور کو ذہن میں رکھنا چاہیئے

(۱) جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے ہمراہی جنگ سے پہلے ہی واپس چلے گئے تھے۔ بعد میں ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں میں دو رائیں پیدا ہوئیں کچھ لوگ ان منافقوں کی اس غداری کے بعد انہیں دائرہ اسلام سے خارج گردانتے تھے اور کافروں کی طرح ان کے ساتھ بھی بوقت ضرورت جنگ کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ مگر ایک گروہ انہیں مسلمانوں ہی میں شمار کرتا تھا ——— اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھانا جائز نہیں سمجھتا تھا۔

(۲) ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اس تھوڑے سے خطے میں مسلمان اپنے دین اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام حکم دے دیا کہ جہاں جہاں اور جس جس قبیلے میں مسلمان کفار کے خوف سے آزادانہ اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکتے وہ وہاں سے ہجرت کر کے دارالاسلام (مدینہ) میں آجائیں مسلمانوں کے اپنے دینی مفاد کے علاوہ اس وقت کفار کی جارحانہ کاروائیوں کے مقابلے پر مدینے کی سیاسی و دفاعی مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی تھا کہ تمام مسلمان اس ایک مرکز میں جمع ہو جائیں یہی وجہ تھی کہ جو لوگ ہجرت کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف بعض دنیوی مفادات کی بنا پر اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے ان سب کو منافق قرار دیا گیا، جیسا کہ ان آیات میں (اور آگے بھی) ذکر ہے مگر جو لوگ حقیقتاً مجبور

Marfat.com

اور ہجرت کرنے سے معذور تھے انہیں "مستضعفین" یعنی بے بسوں میں شمار کیا گیا۔ اسی دوسری قسم کے لوگوں کے متعلق پہلے آیت ۷۵ میں اور آگے آیت ۹۷، ۹۸ میں حکم بیان ہوا ہے۔

(۳) مسلمانوں کے لیے دارالاسلام (مدینہ) کی طرف جبری اور لازمی ہجرت کا یہ حکم فتح مکہ تک نافذ رہا[1]۔ اور اس زمانے میں (فتح مکہ سے پہلے تک) کسی مسلمان کے دعویٰ ایمان کی صداقت کا ثبوت ہی یہ تھا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف منتقل ہوتا ہے یا نہیں۔ مگر بعض صحابہ ہجرت نہ کرنے والے منافقوں کو بھی داخل اسلام سمجھتے تھے کیونکہ وہ کلمہ گو ضرور تھے اور نماز، روزہ وغیرہ بھی کرتے تھے۔ چونکہ اس وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے اس وقت کسی کو دائرۂ اسلام کے اندر یا باہر سمجھنے کا مطلب یہ تھا کہ اس سے بھی لڑنا ہے یا نہیں؟ —— قرآن کریم نے تمام ہجرت نہ کرنے والوں کے خلاف لڑنے ہی کا حکم دیا سوائے ان لوگوں کے جو واقعی معذور ہوں یا کم از کم مسلمانوں کو ان سے ضرر نہ پہنچے۔

(۴) ان ہجرت نہ کرنے والے منافق مسلمانوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اگرچہ عام حالات میں امن کے خواہاں تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کے قبیلے یا علاقے کے لوگوں اور مسلمانوں میں جنگ ہو۔ یہ مسلمانوں کے خلاف زیادہ سرگرم نہیں تھے لیکن اگر موقع مل جاتا تو اپنے قبیلے کی خلافِ اسلام کارروائیوں میں حصہ لینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے —— صاف ظاہر ہے کہ اس بات کا ثبوت ملنے کے بعد ان کے ساتھ بھی دشمنانِ اسلام کا سا

---

[1] فتح مکہ کے بعد تمام عرب دارالسلام بن گیا تھا اس لیے ہجرت کا شرط ایمان ہونا ضروری ہی نہ رہا۔ مگر اس حکم سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کن حالات میں ایک مسلمان کو غیر مسلم حکومت کے علاقے سے اسلامی علاقے میں چلے جانا بہتر یا ضروری ہے۔

Marfat.com

ہی معاملہ کرنا بالکل قرینِ عقل و انصاف تھا۔

(۵) بعض قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ بھی معاہدہ ہائے صلح کر رکھے تھے، اور بعض دوسرے قبائل کے ساتھ بھی۔ ان حلیف قبائل اور ان کے حلیفوں سے بھی مسلمانوں کو ضرر و ایذاء (بمقابلۂ کفار) کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے ان کے اندر رہنے والے منافقوں سے بھی بالکل برسرِ پیکار کافروں کا سا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا۔

(۶) بعض لوگوں نے اسلام قبول کر کے مدینے کی طرف ہجرت بھی کی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں ہی کا نقصان کر کے اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے (مثلاً ایک گروہ نے مدینہ کی چراگاہ کو ہی لوٹ لیا تھا) اسی طرح کچھ لوگ محض تجارت یا کسی اور دنیوی غرض سے کچھ دنوں کے لیے دارالاسلام (مسلمانوں کے علاقے) میں آتے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر پھر واپس جا کر اپنے ہی مشرک بھائیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں میں حصہ لیتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی چند روزہ ہجرت ایمان و اخلاص کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی بلکہ اس قسم کے منافق اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ اس لیے انہیں اسلامی ریاست کی حدود میں داخل ہونے پر گرفتار کر لینے بلکہ بوقتِ ضرورت، (گولی تک) مار دینے کی اجازت دی گئی۔

(۷) منافقوں کی ان مختلف قسموں کی پہچان اور ان سے مناسب سلوک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں مومنانہ فراست کے ساتھ ساتھ دین کے مفاد کو حقیقتاً سب سے مقدم سمجھنے کا جذبہ غالب ہو ورنہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق بعض دفعہ کسی کو دین کا دشمن یا دوست قرار دے کر ایسا طرزِ عمل اختیار کر سکتا ہے جو خود اس کی ذات کے لیے بھی اور پوری ملت کے لیے بھی باعثِ وبال ثابت ہو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا

Marfat.com

کَسَبُوا:-

اگر انسان کے عمل اور "کسب" ہی کی بنا پر اس کے ایمان واعتقاد اور عقل و اخلاق کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے ــــ اور یقیناً کی جاسکتی ہے۔ تو پھر ان منافقوں کے کرتوت دیکھ کر بھی ان کے بارے میں دو رائیں کیوں ہیں؟ ان کے اعمال، ان کی دورنگی اور ان کی دلچسپیاں ہی ان کی الٹی ذہنیت، کج رائی اور معکوس فطرت کا ثبوت ہیں۔ یہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر گناہ و گمراہی کے الٹے راستے پر پڑ لینے کا نتیجہ ہے کہ ان کے سوچنے کا انداز ہی الٹا ہو گیا ہے۔ جیسے مادہ پرست و منکرِ آخرت بے کفر ہیں تھے ویسے ہی اسلام میں ہیں۔ گویا جدھر سے آئے تھے ادھر ہی چلے گئے۔

أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۔

بھلا کیا تم ان لوگوں کے دلوں میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں رکھتے۔ انسان غلط روش اور بدعملی سے باز نہیں رکھا جاسکتا جب تک خود اس کے اندر ایک تبدیلی پیدا نہ ہو۔ اور جو اس تبدیلی کا خواہاں ہی نہیں اس نے گویا خود ہی کفر و ضلالت کو اختیار کر رکھا ہے ــــ یہ اپنی اصلاح کا خیال تک پیدا نہ ہونا ہی وہ حالت ہے جسے قرآن کریم متعدد جگہ "اللہ کا گمراہ کر دینا" سے تعبیر کرتا ہے ــــ اور حقیقتاً اس کے بعد آدمی کو راہِ راست پر لانے کی کوئی بیرونی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۔

(۱) تم ان کو اپنے ساتھ کیا ملا سکو گے۔ وہ تو تمہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لینے کی دھن میں ہیں۔ ان کے عزائم تو یہ ہیں کہ کسی طرح تمہیں بھی اپنے اندر جذب کرلیں۔ تاکہ ان کی طرح تم بھی دینِ حق چھوڑ دو اور دونوں ایک جیسے ہو جاؤ۔

(۲) آج بھی دینِ حق کو چھوڑ دینے والے اور عملاً کفر و فسق کا راستہ اختیار کرنے

Marfat.com

والے ہر ممکن طریقے پر آنے والی نسل کے ذہنوں میں اسلام سے بیزاری و تنفر پیدا کرنے میں پوری طرح کوشاں ہیں۔

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

(۱) پس ان منافقوں میں سے، ان مسلمان کہلانے والوں مگر اسلام سے دور رہنے والوں میں سے کسی سے یہ توقع نہ رکھنا کہ وہ کفر کے مقابلے پر تمہارا ساتھ دے گا۔ جب تک کہ وہ راہِ خدا میں گھر بار چھوڑ کر تمہارے ساتھ آ شامل نہیں ہو جاتے۔ اور یہ ہجرت[۱] اللہ کی راہ میں ہونی چاہیئے کسی اور مفاد کے پیشِ نظر نہیں ورنہ جو مفاد انہیں کافروں کے علاقے میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں وہ انہیں تمہارے خلاف کافروں کا ساتھ دینے پر بھی آمادہ کر سکتے ہیں۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ یہاں ہجرت سے مراد خدا کی راہ میں گھر بار اور وطن چھوڑنا ہی مراد ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ہجرت کی یہ تعریف بھی فرمائی ہے۔ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ اِلٰى مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے ہے)۔ اگر ان معنوں کو سامنے رکھا جائے تو اس حصّہ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت و احیائے دین کے کام میں مدد و معاون صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو کم از کم کسی شرعی طور پر ممنوع اور حرام فعل کے مرتکب نہ ہوں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔

(۱) یہ آیت واضح طور پر منافقینِ مدینہ کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ مدینے

---

[۱] اور اس میں اس شہر اور وطن میں رہنا بھی آ جاتا ہے جہاں کفر کا ایسا غلبہ ہو کہ اسلام کے احکام پر آزادی سے عمل نہ ہو سکتا ہو۔

Marfat.com

سے باہر دوسرے علاقوں میں رہنے والے ان منافقوں کے بارے میں ہے جو دارالاسلام میں اپنی بعض اغراض کے لیے آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کرتے مگر واپس اپنے علاقوں میں جاکر پوری طرح اپنی قوم کے ساتھ ہو جاتے اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں حصہ لیتے جب دو قوموں میں جنگ شروع ہو تو دشمن کے آدمیوں کو اس طرح اپنے علاقے میں آنے جانے کی آزادی دینا بلکہ انہیں اپنے شہری حقوق و مراعات بھی دے دینا سخت خطرناک بات ہے۔ جب برسرپیکار دشمن کے علاقے سے نکل کر تمہارے پاس آنے اور مسلمان کہلانے کے باوجود وہ تمہارے شہری بن کر رہنے پر آمادہ نہیں اور واپس دشمن کے ہی علاقے میں جانا چاہتے ہیں تو ان سے پوری طرح برسرجنگ دشمن کا سا ہی سلوک کرو۔ جہاں ملیں گرفتار کرلو اور ضرورت پڑے تو انہیں تہ تیغ کر دینے سے بھی دریغ مت کرو —— اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار سمجھنے کی غلطی کے تو ہرگز ہی مرتکب نہ ہونا۔

(۲) کافروں اور مشرکوں کے بارے میں "جہاں پاؤ پکڑ لو یا مار دو" کا حکم قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ زمانۂ جنگ سے متعلق ہے۔ صاف ظاہر یہ زمانۂ امن کا حکم نہیں ہے اور جنگ کے دنوں میں دشمن کے آدمی —— فوجی سپاہی ہو یا ایجنٹ اور جاسوس —— کو پکڑنا اور مارنا مسلّم بین الاقوامی قانون ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۔

اس قسم کے خطرناک آدمیوں میں سے بھی ان لوگوں کو گرفتار کرنا یا قتل کرنا جائز نہیں جو کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کے علاقے میں جاکر پناہ لیں۔ جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ صلح ہو۔ ایک تو اس لیے کہ معاہدہ کی بنا پر ان

Marfat.com

لوگوں سے مسلمانوں کو ضرر کا خطرہ نہیں یا کم ہے ۔ اصل جرم ان لوگوں کا کفر یا نفاق نہیں ہے، اور محض کفر و نفاق کی بناء پر کسی کو پکڑنے یا مارنے کا حکم بھی نہیں بلکہ اس کی وجہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے۔" دوسرے اس لیے بھی کہ چاہے اس قسم کے آنے جانے والوں سے کسی قسم کے نقصان کا بھی خطرہ ہو تاہم چونکہ ان کے قبیلے کے ساتھ معاہدہ ہے لہذا معاہدے کے احترام میں یہ خطرہ بھی مول لے لینا چاہیئے ۔

(۲) قرآن کریم میں بین الاقوامی معاہدات و مواثیق کے احترام اور ان کی پابندی کے بارے میں متعدد جگہ احکام موجود ہیں ۔ اور ان احکام کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کی سیاست اور اس کے ساتھ معاملات و تعلقات کو بین الاقوامی اعتماد حاصل ہوتا ہے۔

أَوْ جَآءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ :-

اور اس قسم کے لوگ بھی "گرفتاری و قتل" کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جو اہل اسلام اور اپنی قوم کی لڑائی سے سخت دل برداشتہ ہو گئے ہیں ۔ اگرچہ وہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑنا چاہتے ۔ مگر اپنی قوم کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ بھی تو نہیں لڑنا چاہتے گویا دوسرے لفظوں میں وہ غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں اور اس لحاظ سے مسلمان ان کی طرف سے بھی امن اور بے فکری میں رہ سکتے ہیں ـــــ اس حصۂ آیت سے دوبارہ اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے ۔ کہ مسلمانوں کی جنگ کا اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت و نقصان سے بچانا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَٰتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا :-

Marfat.com

اگر مشیت الٰہی انہیں تمہارے مقابلہ پر کچھ زور دیتی اور ان میں تم پر غالب آجانے کی قوت ہوتی تو یہ ضرور تمہارے ساتھ لڑتے۔ یعنی ہر چند کہ ان کی یہ غیر جانبداری بھی واقعی صلح پسندی پر مبنی نہیں بلکہ محض حالات کی سیاست کا تقاضا ہے :۔ تاہم پھر بھی اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تمہارے خلاف لڑائی میں شامل نہ ہوں بلکہ تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اس صورت میں بھی تمہیں ان کے خلاف کوئی نوجی نوعیت کی کاروائی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اصل مقصود نہ انتقام لینا ہے نہ جنگ کے لیے بہانے ڈھونڈنا ——— بلکہ مقصد تو صرف مقابلہ پر کھڑے ہونے والے سرکشوں کا زور توڑ دینا ——— ہے۔ سو جو مقابلے پر نہیں آتا چاہے بزدلی سے یا کسی اور وجہ سے اس پر دست درازی کی نہ ضرورت ہے نہ اجازت۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

اور (مسلمانو!) ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا رہے گا جو تمہاری طرف سے بھی بے فکر رہنا "چاہتے" ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ مگر ان کا یہ "چاہنا" کسی خلوص کی بنا پر نہیں ——— بلکہ ان کی یہ خواہش امن بھی مکر و فریب پر مبنی ہے وہ اپنے دعویٰ اسلام کی طرح اس صلح جوئی کے اظہار میں تمہارے ساتھ منافقت برت رہے ہیں۔ دل سے اپنی قوم کے ساتھ ہی ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی ان کی قوم انہیں تمہارے خلاف کوئی فتنہ برپا کرنے میں آلہ کار بنائے تو یہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں دیں گے۔ بلکہ بلا تامل تمہارے ساتھ لڑنے پر تُل جائیں گے۔

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

Marfat.com

وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا۔

سو جب اس قسم کے لوگوں کی امن پسندی کا پول کھل جائے، جب ان کے کفر اور مسلم دشمنی کا عملی ثبوت بھی اس طرح مل جائے، کہ نہ تو وہ تم سے الگ تھلگ ہی رہیں نہ تمہیں صلح و آشتی کی پیش کش کریں اور نہ ہی اپنی دست درازیوں سے باز آئیں ـــــ تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا، جو کھلم کھلا برسر پیکار دشمن کا ہوتا ہے یعنی انہیں جہاں پاؤ گرفتار کر لو اور ضرورت پڑے، تو گولی مار دو ان کی بدعہدی اور کھلم کھلا عداوت اسلام بلکہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی بناء پر اب تم کو ان پر پوری طرح گرفت کرنے کا حق حاصل ہے۔

اور کسی مومن کا کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے الا یہ کہ ناوانستہ ایسا ہو جائے اور اگر کوئی ناوانستہ اور غلطی سے کسی دوسرے مومن کو قتل کرے تو اس کا کفارہ یہ ہوگا کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرے ہاں وہ خود یہ (خوں بہا) معاف کر دیں تو الگ بات ہے۔	وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ اور نہیں ہے کام کسی مسلمان کا کہ وہ مار ڈالے مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ کسی (دوسرے) مسلمان کو سوائے اس کے کہ غلطی سے (ایسا ہو جائے) اور جو (مسلمان) قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ مار ڈالے کسی مسلمان کو غلطی سے تو (بھی اس پر) واجب ہے آزاد کرنا رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ ایک مسلمان غلام کا اور (ساتھ ہی) خون بہا بھی مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ جو حوالہ کیا جائے گا اس (مقتول) کے اہل (وارثوں) کے بجز اس کے کہ

Marfat.com

يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ

وہ (لوگ خود ہی یہ خوں بہا) معاف کردیں پھر اگر وہ (مقتول) اس

قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ

قوم میں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں حالانکہ وہ مقتول

مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

(بذات خود) مسلمان ہی تھا تو بھی (واجب ہے) آزاد کرنا ایک مسلمان

مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

غلام کا اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسی قوم سے ہو کہ

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ (ہو چکا) ہے

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

تو خوں بہا (بھی واجب ہے) حوالہ کیا جائے گا اس (مقتول) کے گھر والوں کے

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ

اور (ساتھ ہی) آزاد کرنا ایک مسلمان غلام کا (بھی واجب)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

پھر جس کو (اس کا) مقدور نہ ہو تو روزے رکھنا (واجب ہوں گے)

اور اگر وہ (مقتول) مسلمان تو ہو مگر کسی ایسی قوم سے ہو جو تم سے برسر پیکار ہے (اسے نادانستہ قتل کرنے کے کفارے میں) صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ (مسلمان مقتول) کسی ایسی (غیر مسلم) قوم سے ہو جن سے تمہارا معاہدہ صلح ہے تو اس صورت میں اس (مقتول) کے وارثوں کو خوں بہا بھی دینا ہوگا۔ اور ایک مسلمان غلام کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔ لیکن جو (قاتل) اس (غلام آزاد کرنے) کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ لگاتار پورے دو مہینے کے روزے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً

دو مہینوں کے لگاتار ، بخشوانے کے لیے

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اللہ سے اور اللہ بڑا علم والا اور

حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ

بڑا حکمت والا ہے اور جو کوئی مار ڈالے

مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ

کسی مسلمان کو جان بوجھ کر سو اس کی سزا (تو)

جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ

دوزخ (ہی) ہے کہ ہمیشہ پڑا رہے گا وہ اس میں اور

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ

اللہ (اپنا) غضب (نازل) کرے گا اس پر اور لعنت کرے گا اس پر

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

اور تیار رکھے گا اس کے لیے ایک بڑا عذاب

رکھے اللہ سے اپنا گناہ معاف کرانے کے لیے) اور توبہ کا یہ طریقہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے البتہ وہ شخص جو کسی مومن کو دیدہ و دانستہ اور ارادے کے ساتھ قتل کرنے کا مرتکب ہو تو (دنیوی سزا کے علاوہ) (مرنے کے بعد بھی) وہ سیدھا جہنم میں جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لغوی ونحوی اشارات:۔

اِلَّا خَطَأً :۔ استثناء ہے اور خطأً دونوں جگہ حال ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

منصوب ہے۔ فَتَحْرِيْرُ . . . . مضاف ہو کر خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ تَحْرِيْرُ . . . . رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (مرکب توصیفی) مضاف الیہ ہو کر مجرور ہے۔ رَقَبَة کے اصل معنی "گردن" ہیں اور تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کے لفظی معنی "ایک گردن کو چھوڑنا" ہیں۔ اور محاورہ میں اس سے "غلام یا لونڈی آزاد کرنا" مراد ہوتا ہے۔ دِيَةٌ :- یہ مصدر ہے اور دراصل وَدْيٌ تھا (آیت میں دِيَةٌ سے پہلے جو وَ ہے وہ عطف کے لیے ہے) مگر هِبَة، نَفَة اور صِلَة کی طرح اس میں بھی واؤ گرا کر آخر پر ۃ لگا دی جاتی ہے —— یہاں فعل "خون بہا دینا" مفعول یعنی "خون بہا کی رقم یا مال" کے معنوں میں ہے اس لیے اس کی صفت مُّسَلَّمَةٌ (حوالے کیا ہوا) آئی ہے۔ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا :- یہ اصل میں يَتَصَدَّقُوْا ہے۔ تَصَدُّق کے معنی "صدقہ کر دینا" یا "رقم معاف کر دینا" ہیں۔ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ :- عَدُوّ (یعنی دشمن) مذکر مؤنث اور واحد تثنیہ جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ملیسے اس کی جمع اَعْدَاءٌ بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ فَصِيَامُ :- صِيَام مصدر ہے معنی "روزہ رکھنا" اور اسے صَوْم (جو خود مصدر ہے) کی جمع سمجھنا غلطی ہے تَوْبَةً :- کی نصب مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کا فعل محذوف ہے مُّتَعَمِّدًا اور خَالِدًا کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

(۱) کفار کے ساتھ جنگ کے زمانے میں، منافق مسلمانوں کی خاص خاص قسموں کے قتل و گرفتاری کی اجازت دی گئی تھی —— اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ کہیں اس قسم کی اجازت کے غلط استعمال سے تم آپس میں ہی ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔ مسلمانوں کے اندر باہمی خونریزی اور خانہ جنگی ہر حالت میں ممنوع، اور مسلمان کا خون مسلمان پر قطعاً حرام ہے کسی مومن مسلمان کو قصداً "مار ڈالنا" تو سنگین جرم، خدا کے غضب و

Marfat.com

لعنت کا باعث اور عذاب عظیم کا موجب ہے ہی۔ بھول چوک سے کسی مومن کی موت کا باعث بننے والا آدمی بھی بہر حال مستوجب سزا ضرور ہے اگرچہ غیر ارادی قتل کی سزا قصاص کی بجائے "جرمانہ" و "مشقت" (دیت اور کفارہ) کی صورت میں ہوگی (یہ ظاہر ہے کہ کسی جرم کی شرعی سزا مثلاً قصاص کے طور پر کسی کی جان لینے پر جرم قتل کا اطلاق نہیں ہوتا)

(۲) ان آیات کے نزول کے وقت عرب میں بکثرت اس قسم کے لوگ بھی تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنی حقیقی مجبوریوں کے باعث ہجرت نہ کر سکے اور مسلمانوں سے برسر جنگ قبائل کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے۔ بعض دفعہ جنگ کے دوران اس قسم کے مسلمان بھی نادانستگی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے تھے۔ نیز اس زمانے میں مسلمان فوجیوں کی کوئی امتیازی وردی نہیں ہوتی تھی اس لیے بعض دفعہ جنگ میں غلطی سے اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی آدمی مارے جاتے تھے۔ جنگ اُحد اور خندق میں بھی اس قسم کے واقعات ہوئے تھے۔ اس لیے یہاں اس مسئلے پر بات کی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً۔

(۱) عقیدے سے متعلق گمراہیوں (مثلاً کفر و شرک) کے بعد عمل سے تعلق رکھنے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ انسانی قتل ہے اور اس میں بھی قتل مومن تو اکبر الکبائر ہے۔ کسی مسلمان سے اتنے بڑے سنگین جرم کا ارتکاب بلا ہوش و حواس بہت بعید ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی غلطی، غفلت یا دھوکے کا شکار رہا ہو۔

(۲) جس طرح قتل دو طرح کا ہوتا ہے ارادی اور غیر ارادی۔ اسی طرح قتلِ خطأً

ؔ قتل عمد کی دنیوی سزا قصاص ہے خواہ قاتل ایک ہو یا متعدد ہوں۔ آخرت کا گناہ اس پر مستزاد ہے۔

Marfat.com

یعنی غیر ارادی قتل کی بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(i) ذہن اور ارادے کی غلطی مثلاً دور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا۔ یا اس کا آدمی ہونا تو پہچان لیا مگر اسے دشمن کا آدمی خیال کرتے ہوئے مار دیا (دورانِ جنگ اس قسم کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں) کسی غلط فہمی کی بنا پر فوری طور پر مشتعل و غضبناک ہو کر کسی کو خاص آلۂ قتل مثلاً بندوق وغیرہ کے علاوہ کسی اور شے مثلاً لٹھ یا پتھر، لات اور مکا وغیرہ ایسا مارنا کہ اس سے موت واقع ہو جائے یہ بھی قتلِ خطا ہی کی قسم ہے۔

(ii) ایک صورت یہ بھی ہے کہ خود عمل ہی غلطی ہو جائے مثلاً نشانہ کسی اور پر لگا یا تکر پڑ کسی اور پر گیا اسی طرح مختلف قسم کے حادثات کے ذریعے موت بھی قتل خطا ہی میں شمار ہوگی کیونکہ اس میں اگرچہ غفلت کی ذمہ داری کسی پر ڈالی بھی جا سکے تاہم فی الواقع مار ڈالنے کا ارادہ موجود نہیں ہوتا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا:۔

اگر کوئی غلطی اور نادانستگی میں بھی قتل مومن کا مرتکب یا باعث بنے تو بھی اسے بالکل "باعزت بری" نہیں کر دیا جائے گا۔ بلکہ ....

(i) فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا:۔

اگر مقتول اسلامی ریاست کا باشندہ ہے تو قاتل کو ایک طرف تو خدا سے اپنے اس قصور کی معافی مانگنے کے لیے، ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہوگا۔ اور اس لونڈی یا غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ دوسری طرف اسے خوں بہا بھی ادا کرنا ہوگا، جو مقتول کے شرعی وارثوں میں بطور میراث تقسیم کیا جائے گا ـــــــ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار رہے کہ خوں بہا کی پوری یا کچھ رقم معاف کر دیں۔ مگر خوں بہا کی ادائیگی کے ساقط ہونے پر بھی بطور کفارہ ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ضروری ہوگا۔

Marfat.com

(ii) فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ :-

اور اگر مقتول کسی ایسی غیر مسلم ریاست کا باشندہ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار ہے (جسے اصطلاح میں دار الحرب کہتے ہیں) اس صورت میں اگر مقتول مسلمان ہے تو قاتل کو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اس کا خوں بہا کچھ نہیں۔ کیونکہ مقتول جب کافروں کے درمیان ہی رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ جائے گی۔ جو زمانہ جنگ میں ملی مصلحتوں کے سراسر خلاف ہے۔ عین ممکن ہے کہ اسی رقم کا اسلحہ خود تمہارے ہی خلاف استعمال کیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس مقتول مسلم کے گھر والے کافر ہی ہوں اور مسلم کی میراث کافر نہیں لے سکتا۔

(iii) وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ :-

(۱) اور اگر مقتول ایسی غیر اسلامی ریاست کا شہری ہے جس کے ساتھ اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے تو اس صورت میں قاتل مقتول کے گھر والوں کو خوں بہا بھی ادا کرے گا اور اسے ایک مسلمان غلام کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔

(۲) اگرچہ شروع (آیت) سے بات "قتلِ مؤمن بالخطا" کی چل رہی ہے اور اس لیے ہر جگہ مقتول سے مراد "مسلمان مقتول" ہی ہونا چاہیئے۔ لیکن غیر اسلامی ریاست (جسے اصطلاح میں دار الحرب کہتے ہیں) کے شہری کے قتل کی صورت میں تو مقتول کے بارے میں وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی شرط کا دوبارہ ذکر ہوا ہے۔ مگر اس تیسری صورت میں مقتول کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ اس سے فقہاء نے اس تیسری صورت میں یعنی جب مقتول کسی معاہد غیر اسلامی ریاست (جسے اصطلاحاً دار الکفر کہتے ہیں) کا باشندہ ہو

Marfat.com

ــــــ اس صورت میں بھی کفارہ اور خوں بہا دونوں کی ادائیگی ضروری قرار دی ہے۔ چاہے وہ مقتول غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کافر کا خوں بہا کافر وارثوں کو ہی دیا جائے گا۔ اور یہ معاہدہ کے احترام کی وجہ سے ہے۔ اسی سے اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے غیر مسلم (جنھیں اصطلاحاً ذمّی کہتے ہیں) کے قتل خطا کی صورت میں بھی کفارہ اور خوں بہا کی ادائیگی کا حکم ثابت ہوتا ہے گویا کفّارہ اور خوں بہا کے لحاظ سے ایک ذمّی اور معاہد کافر بھی ایک مسلمان کے برابر حق رکھتا ہے ــــــ اس طرح یہ آیت نہ صرف اسلام میں بین الاقوامی معاہدات کے احترام کے بارے ہیں، بلکہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو ایک بنیادی حق میں مسلمانوں کے برابر درجہ دینے کے لحاظ سے بھی اسلامی نظریات کی بلندی اور عالمگیریت کی دلیل ہے۔

(۳) خون بہا دراصل انسانی جان کی قیمت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس دنیوی اور معاشی نقصان (Damages) کی تلافی (Compensation) کی ایک صورت ہے جو قاتل کے غیر محتاط فعل کی وجہ سے مقتول کے وارثوں کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ آج کل بھی تمام ملکوں میں اور بین الاقوامی قوانین میں اس قسم کے معاوضوں اور "تاوانوں" کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خون بہا کی مقدار سو اونٹ یا دو سو گائیں یا دو ہزار بکریاں مقرر فرمائی تھی۔ اگر خوں بہا نقدی یا کسی اور شکل میں ادا کیا جائے تو اس کی مقدار ان مذکورہ بالا چیزوں کی بازاری قیمت کے لحاظ سے متعین کی جائے گی۔ مثلاً حضورؐ کے زمانے میں بصورتِ نقد خوں بہا دینے کے لیے آٹھ سو دینار مقرر تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اونٹوں کی قیمتیں زیادہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک ہزار دینار مقرر کر دیئے۔ اس طرح دیت کی مقدار کے بارے میں ہر ملک کے حالات اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے پیشِ نظر، حکومت یا عدالت کو عرف کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ مگر شرط یہ

Marfat.com

ہے کہ شرعی مقدار سے کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔[1]

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۔

(۱) جسے کفارہ میں لونڈی یا غلام آزاد کرنے کی استطاعت ہی نہ ہو وہ اس کی بجائے مسلسل اور لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اگر کہیں درمیان میں کسی عذرِ شرعی کی بناء پر بھی ایک ناغہ ہو گیا تو تمام روزے از سرِ نو رکھنے ہوں گے ـــــ کفارہ اور دیت کا یہ طریقہ اللہ کا مقررہ کردہ ہے اور ندامت و شرمساری کے اظہار اور اپنی اصلاح کے لیے صحیح اور خدا کا بنایا ہوا طریقہ یہی ہے۔ لہٰذا اسے محض دنیوی سزا اور جرمانہ کی طرح ناگوار نہ سمجھو بلکہ اسے حقیقتاً توبہ کا ذریعہ بناؤ ـــــ اللہ کے تمام احکام سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہیں اور ان میں دنیوی انتظام کے ساتھ اخروی فلاح کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے

(۲) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ "جو نہ پا سکے" کا عام مطلب اگرچہ یہی ہے کہ جس میں غلام کو خریدنے اور پھر آزاد کرنے کی مالی استطاعت نہ ہو۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ پیسے رقم تو ہے مگر غلام ملتا ہی نہیں[2] اس طرح اس میں بالواسطہ یہ اشارہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاشرے سے بالآخر غلامی کو ختم کرنا ہے یا یہ کہ ایک وقت واقعی ایسا بھی آئے گا۔ جب غلام کہیں سے نہ ملیں

---

[1] دیت، کفارہ اور قصاص کے ساتھ ساتھ قتل عمد اور غیر ارادی کی ایک اور سزا حرمان میراث یعنی قاتل کا مقتول کی وراثت سے محروم ہونا بھی سنت سے ثابت ہے ـــــ قتل وغیرہ سے متعلق تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

[2] قرآن کریم میں یہ لفظ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ چار جگہ آیا ہے ایک جگہ قربانی کے جانوروں کے بارے میں اور تین جگہ کفارے میں غلام کے آزاد کرنے کے ضمن میں اور چاروں مقامات پر اس سے "چیز نہ دے سکنا" یا "چیز کا مل ہی نہ سکنا" دونوں ہی مفہوم نکلتے ہیں۔

Marfat.com

ہی نہیں سکے گا۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔

جان بوجھ کر اور سوچے سمجھے طریقے پر کسی مومن کو ہلاک کرنا ایسا سنگین جرم ہے جس میں قطعاً کسی دیت یا کفارے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ گناہ تو قصاص ((Capital Punishment) [1]) کے بعد بھی خدا کے ہاں معاف نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ سچی توبہ بھی شامل نہ ہو۔ بلکہ بعض صحابہ اور ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کی توبہ بھی غیر مقبول ہے۔ قرآن کریم میں، کفر و شرک کے سوا، کسی اور جرم کے لیے اتنے سخت وعید اور اکٹھی اتنی سزاؤں (خلود جہنم، غضب، لعنت اور عذاب عظیم) کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے قتلِ مسلم بالعمد کا کسی صورت میں بھی ارتکاب سخت ڈرنے اور لرزجانے کا مقام ہے۔ زمین کے جھگڑے اور جائداد و دولت کے لالچ میں کسی مسلمان کی جان کے درپے ہونا، اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے مخالف مسلمان کو راستے سے ہٹانا، کسی کافر حکومت کی فوج یا پولیس میں "عہدے" پاکر اس حکومت کے "دشمن" مسلمانوں پر گولی چلانا اور کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر جج کی حیثیت سے بیٹھ کر غیر اسلامی قوانین کے ماتحت کسی مسلمان کو سزائے موت دینا۔ یہ سب قتل مسلم بالعمد کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ مومنوں کے قاتل، چاہے اس دنیا میں خونِ ناحق کی سزا (موت) سے بچ بھی جائیں۔ مگر اُخروی عذاب اور اللہ کے غضب و لعنت سے کسی صورت بچ نہیں سکیں گے۔

---

[1] قتلِ عمد کے لیے قصاص کی سزا کا حکم البقرہ: ۱۷۸، ۱۷۹ میں بیان ہوا ہے۔

Marfat.com

84.267

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اے ایمان لانے

ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِ

نکلو / سفر کرو اللہ کی راہ میں

فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْ مَنْ

تو خوب تحقیق کر لیا کرو، اور مت کہہ دیا کرو اس شخص کو جو

اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ

ڈالے / پیش کرے تمہاری طرف (مسلمانوں کی طرح) سلام کہ تُو (تو)

مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

مسلمان ہی نہیں۔ تم تلاش کرتے / چاہتے ہو سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ

دنیوی زندگی کا پس اللہ کے پاس

مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ

بہت سی (جائز اور بہتر) غنیمتیں ہیں ایسے ہی

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ

تھے تم بھی اس سے پہلے پھر کرم کر دیا اللہ نے

دوست و دشمن اور مومن و منافق میں تمیز ضرور کیا کرو۔ مگر نیتوں کا کھوج لگانا تمہارا کام نہیں) لہٰذا جو شخص (اظہارِ اسلام کے لیے تمہیں سلام کرے تو تم فوراً یہ نہ کہہ دو کہ تو (اندر سے) مسلمان ہی نہیں ہے۔ (اگر تم (جہاد سے) دنیوی فائدہ چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمہارے لیے) بہت سی غنیمتیں ہیں۔ اس سے پہلے تمہاری اپنی حالت بھی تو ایسی ہی تھی۔ پھر اللہ نے تم پر بڑا کرم کیا۔ لہٰذا کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے

وہاں نہ پہنچا جائیں۔ مسلمانوں کی ... ط کی

Marfat.com

جاتا تو وہ حملہ آور مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ بھی ان کا دینی بھائی ہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" پکارتا۔ یا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ــــــ مگر سلام اور کلمہ کے یہ الفاظ، مسلمانوں کے خفیہ فوجی شعار نہیں تھے۔ بلکہ تمام غیر مسلم بھی جانتے کہ یہ الفاظ "نشانِ اسلام" ہیں ــــــ اس لیے مسلمانوں کو، تلوار کی زد پر آئے ہوئے آدمی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر، شبہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی کافر ہے اور محض جان بچانے کے لیے یہ الفاظ دہرا رہا ہے۔ لہٰذا وہ اسے مار ڈالنے، اور اس کا سامان بطورِ غنیمت قبضے میں کر لینے، سے نہیں رکتے تھے ــــــ مثلاً ایک دفعہ اسامہ بن زیدؓ کو کسی قبیلے کی طرف لڑائی کے لیے بھیجا گیا۔ وہاں ایک شخص نے ٹھیک اس وقت، جب اسامہؓ کا نیزہ اس پر پڑا، کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ زور سے پکارا۔ مگر اسامہؓ نے اسے، اس کی منافقت اور جان بچانے کا حیلہ سمجھتے ہوئے قتل کر دیا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو اسامہؓ سے باز پرس کی اور فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ قیامت میں اس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کیا جواب دو گے؟ اسامہؓ نے غلطی کا اعتراف کیا اور حضورؐ نے ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کی ــــ اسی طرح ایک دفعہ صحابہ کا ایک فوجی دستہ قبیلہ بنی سلیم کے علاقے میں دشمن کی تلاش میں تھا کہ وہاں ایک آدمی بکریاں چراتا انہیں ملا۔ یہ شخص پہلے سے درپردہ مسلمان تھا۔ چنانچہ وہ سلام کہہ کر مسلمانوں کی طرف بڑھا مگر انہوں نے اس کے اس سلام اور اظہارِ اسلام کو فریب سمجھ کر اسے مار ڈالا اور اس کی بکریاں قبضے میں کر لیں۔ اس آیت کے شانِ نزول میں جو روایات بیان ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ــــــ اس قسم کے اور واقعات بھی ہوئے تھے۔ ایسے ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قتل کے ذمہ دار آدمی کو سخت سرزنش فرماتے تھے؎ حتیٰ کہ یہ آیت اسی موضوع پر نازل ہوئی۔

؎ اور عموماً قاتل اور مقتول کے لیے دعائے مغفرت بھی فرماتے تھے۔ لیکن اگر آپ کو یہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

(۴) اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہ تھی۔ مسلمان رضاکارانہ اپنی جان کو قربانی کے لیے پیش کرتے تھے۔ بلکہ اسلحہ اور سامان بھی تقریباً ہر ایک آدمی کا اپنا ہی ہوتا تھا۔ آج کل کی طرح فوجی کمیشن، اعزازات اور خصوصی مراعات تو درکنار ان لوگوں کو تو اس بات کی ضمانت بھی حاصل نہیں ہوتی تھی کہ اگر مارے گئے تو ان کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا۔ اس "کاروبار" میں لے دے کر اگر کسی مالی منفعت کی کشش تھی، تو صرف اس "مال غنیمت" کی جس کے لیے پہلے اپنا سب کچھ دشمن کا "مال غنیمت" بنا دینے کا خطرہ مول لیا جاتا تھا —— محض مہم جو (Adventurer) آدمی کے لیے، جس کا نصب العین ہی دولت یا شہرت ہو، تو یہ خطرہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کا محرک قمار بازانہ ذہنیت (Gambling Spirit) ہوتی ہے۔ خود اہل عرب میں "لوٹ مار" کے لیے لڑنا مرنا قابلِ فخر "پیشہ" تھا —— مگر

(بقیہ صفحہ ۳۳۰) معلوم ہو جاتا کہ اس میں قاتل کی غلط فہمی کے علاوہ اس کی نفسانیت کو بھی کچھ دخل ہے تو آپ اس کے لیے استغفار نہیں فرماتے تھے۔ محلّم بن جثامہ نامی ایک مسلمان نے ایک دوسرے مسلمان عامر نامی کو، اس کے السلام علیکم کہنے کے باوجود زمانۂ جاہلیت کی کسی دشمنی کی بنا پر قتل کر دیا —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو واقعہ کی مذمت فرمائی۔ مگر محلّم کے لیے دعائے مغفرت نہیں فرمائی۔ چند دنوں کے بعد محلّم کا انتقال ہو گیا۔ دفن کے بعد کئی دفعہ زمین نے محلّم کی لاش باہر پھینک دی۔ آخر تنگ آکر لوگوں نے اس کی لاش کو یونہی پہاڑوں میں ڈال دیا اور اوپر سے چند پتھر رکھ دیئے۔ حضور نے فرمایا: "زمین میں تو محلّم سے کہیں زیادہ بُرے لوگوں کا ٹھکانہ ہے —— مگر اللہ نے تمہاری نصیحت کے لیے محلّم کا یہ حال تمہیں دکھایا ہے۔"

Marfat.com

اسلام نے جب اپنے متبعین کو تلوار اُٹھانے کی اجازت بھی دی تو ادنیٰ دنیوی منافع کی بجائے اعلیٰ دینی مقاصد کو اُن کا نصب العین قرار دیا اور ساتھ یہ بھی بتا یا کہ جب اس نصب العین کی خاطر کام کرنے سے جائز اعلیٰ انعامات" حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر" نا جائز اد نٰے مفادات" کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت اور صلاحیتوں کو کیوں برباد کرتے ہو؟

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ :-

(۱) جب تم جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے باہر نکلو جب تم اپنی نفسانی اغراض کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر چلے ہو تو اپنے دین کے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز کرنا بھی سیکھو۔

(۲) زمانہ جاہلیت کی طرح یونہی ہر ایک کو دشمن تصور کر کے اس پر دھاوا نہ بول دو محض شک وشبہ اور جلد بازی کی بنا پر تمہارے ہاتھوں کوئی جان تلف نہ ہونے پائے۔ خوب سوچ بچار کر کسی پر ہتھیار اٹھاؤ ایسا نہ ہو کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو ہی کافر سمجھ کر قتل کر بیٹھو۔

(۳) راہِ خدا کے مجاہدو! یاد رکھو" ہزار کافروں کے زندہ رہنے سے دین کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا ایک مسلمان کے مارے جانے سے ہو سکتا ہے (احادیث) پس نہایت ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کر لیا کرو کہ کیا تمہارے فعل کے نتیجے میں کوئی بعید ترامکان بھی کسی مسلمان کی ہلاکت کا تو نہیں۔

وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا :-

جب کوئی شخص ایک خالص اسلامی شعار (سلام) کے ذریعے تمہارے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرے تو تمہیں فوراً اس کے 'دعویٰ اسلام میں جھوٹے ہونے کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیئے ؟ خصوصاً میدانِ جنگ اور زمانۂ جنگ میں محض شبہ کی بنا پر ایسے شخص کو دشمن سمجھ کر گردن زدنی قرار نہیں دینا

Marfat.com

چاہیئے۔

(۲) آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہر شخص کے دعویٰ اسلام کو فوراً تسلیم کر لو۔ یا جب کسی میں اسلام کی کوئی ایک آدھ ظاہر علامت بھی پائی جائے تو فوراً اسے مومن کامل فرض کر لو۔ بلکہ حکم تبینوا یعنی تحقیق سے کام لینے کا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی سچا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جھوٹا ہو مگر اس کو تحقیق کے بغیر مار دینے میں ایک بے گناہ مومن کے مرنے کا امکان ہے اور تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں ایک ایک دشمن دین کے بچ جانے کا امکان ہے۔ ایک بے گناہ کو مار دینے کی نسبت ایک مجرم کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ دھوکے سے بچ جانے والا تو پھر بھی کیفر کردار کو پہنچایا جا سکتا ہے اگر دھوکے سے مارے جانے والے کو دوبارہ زندہ کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

(۳) آیت کا حکم میدان جنگ اور زمانۂ جنگ ہی سے متعلق ہے مگر اس میں ایک عموم کا پہلو بھی ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلانا پسند کرتا ہے۔ تم بلا تحقیق اس کے عدم ایمان یا کفر کا فتویٰ نہ دے دو۔ اپنے اندر تقلیدی کی بجائے تنقیدی نقطۂ نظر پیدا کرو۔

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ :۔

(۱) زمانۂ جاہلیت کی طرح، مال غنیمت کا لالچ تمہیں جلد بازی اور بے احتیاطی پر آمادہ نہ کر دے ــــ تمہارے دل میں یہ بات تو ایک لمحے کے لئے نہیں آنی چاہیئے۔ کہ تمہارا اصل مقصد مال غنیمت اور دولت ہے ــــ ویسے اگر دولت کا خیال ہے بھی تو کیا اللہ کے ہاں اس کی کمی ہے۔ وہ تمہیں جائز طریقے پر اور قانون شریعت کے اتباع کے ساتھ بھی بلکہ اسی کی بنا پر، بڑی سے بڑی مقدار دولت کی دے سکتا ہے۔

(۲) مال و دولت کی خواہش فی نفسہٖ مذموم نہیں۔ مگر دو باتیں اس کے ضمن میں یاد

Marfat.com

رہیں ایک تو یہ کہ خود یہ زندگی بھی آخرت کی زندگی کے مقابلے پر "دنیا" یعنی کمتر اور ہیچ تر ہے۔ دوسرے یہ کہ بہرحال یہ زندگی بھی اور اس میں فائدہ دینے والا سامان بھی "عَرَض" (یعنی عارضی اور فانی) ہے[1] پھر بھلا "پکی نوکری" چھوڑ کر "کچی نوکری" کرنے کا فائدہ؟

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔

(۱) اس سے پہلے تمہاری بھی تو یہی حالت تھی کہ تم لوٹ مار کے لیے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے ـــــ اور تمہاری لڑائیاں محض مال یا نفسانی خواہشات کے لیے ہوتی تھیں ـــــ اب جب کہ اللہ نے تم پر اتنا بڑا کرم کیا ہے اور اسلام کی نعمت سے نوازا ہے تو ذرا غور کرو کہ کیا تم پھر کہیں پست مقاصد کی طرف تو نہیں جانے لگے؟ کیا تم صرف حق و صداقت کی بجائے کسی اور "شے" کے لیے تو نہیں لڑ رہے؟ یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

(۲) تم ان لوگوں کے در پردہ مسلمان ہونے پر تعجب کرتے ہو؟ اور اسے ماننے کو تیار نہیں۔ آخر کل تک تمہاری حالت یہی نہیں تھی۔ تم میں سے کتنے ہی تھے جو ڈر کے مارے اپنا اسلام ظاہر نہیں کر سکتے تھے اب اللہ نے اپنے کرم سے تمہیں قوت عطا فرمائی ہے اور تم اس قابل ہوئے ہو کہ اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اٹھے ہو۔ پس اپنی ان نئی ذمہ داریوں پر غور کرو۔ تمہارا کام

---

[1] عَرَض اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو بذات خود قائم نہ رہ سکے اور جس کے سہارے وہ قائم رہے اسے جوہر کہتے ہیں۔ مثلاً سرخ کپڑے میں سرخی عَرَض اور کپڑا جوہر ہے۔ مال کو اسی لئے عَرَض کہتے ہیں کہ وہ بے ثبات اور زوال پذیر شے ہے۔

Marfat.com

کمزور اور دبے ہوئے مسلمانوں کو بچانا ہے نا کہ ان پر سختی کرنا یا انھیں تلف کرنا۔

(۳) جس طرح تمہیں پہلے دن سے ہی اخلاص باطن اور حسن نیت کی شہادت بہم پہنچانے کی آزمائش میں نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ اللہ نے اپنے فضل سے تمہیں استقامت اور حسنِ عمل کی توفیق دی۔ یہاں تک کہ اب تم اسلام کے نامور فرزند بن گئے ہو۔ اسی طرح کمزور ایمان والے مسلمانوں کی صلاحیتوں کو بھی ابھرنے کا موقع دو۔ اسلام کے اجارہ دار بننے کی کوشش مت کرو۔ آخر اللہ سے کون سی چیز پوشیدہ ہے؟

(۴) آیت میں ان مسلمانوں کے لیے بھی نصیحت ہے جو اسلام کے نام پر کرسیٔ اقتدار تک پہنچتے ہیں پھر اسی "عرض الحیوۃ الدنیا" کی خاطر دوسروں کے لیے اسلام کا نام استعمال کرنا ناپسند کرتے بلکہ اسے "ہوس اقتدار" کا نام دینے لگتے ہیں ——— اور ان کے لیے بھی، جو اپنی جماعت کے سوا کسی اور جماعت کو "اسلامی" ——— اور اپنے اندازِ فکر کے سوا اور فکر کو "قرآنی" ——— ہی نہیں سمجھتے ——— تبیین و تحقیق کے بغیر نظریات قائم کر لینا، اپنے اعمال کو اللہ سے پوشیدہ جاننے کے مرادف ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ	مسلمانوں میں سے وہ لوگ، جو کسی عذر (مثلاً اندھاپن یا مرض) کے بغیر گھر بیٹھ رہتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ
نہیں برابر ہو سکتے (گھر میں) بیٹھ رہنے والے	
الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ	
مسلمانوں میں سے (ایسے) جو نہیں ہیں ضرر / عذر والے	

Marfat.com

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرتے ہیں، یہ دونوں (یعنی قاعد اور مجاہد) ایک جیسے اور درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ (گھر) بیٹھ رہنے والوں سے زیادہ رکھا ہے۔ اور یوں تو ہر ایک (مومن) کے لیے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ (البتہ فرقِ مراتب ضرور ہوگا کیونکہ) اللہ نے مجاہدوں (کی قربانیوں) کا اجر بیٹھ رہنے والوں (کے اجر) کی نسبت بہت زیادہ رکھا ہے (اور ان کو) اس (اللہ) کی طرف سے بڑے
اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں	
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ	
اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ فضیلت	
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ	
دی ہے اللہ نے مجاہدوں کو (جو جہاد کرتے ہیں) اپنے مالوں کے ساتھ	
وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ	
اور اپنی جانوں کے ساتھ بیٹھ رہنے والوں پر	
دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ	
درجہ میں — اور سب کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے اللہ نے	
الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ	
بھلائی کا اور فضیلت دی ہے اللہ نے	
الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ	
مجاہدوں کو بیٹھ رہنے والوں پر	
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ	
اجر عظیم دے کر یعنی (اپنی طرف سے کئی درجات	

Marfat.com

مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ۭ	درجات (ملنے والے) ہیں اور مغفرت و رحمت (بھی) اور اللہ بڑا بخشش دینے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
اور بخشش اور رحمت	
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾	
اور اللہ ہی ہے بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا	

لغوی و نحوی اشارات :۔

لَا يَسْتَوِي : استواء کے معنی "برابر ہونا"۔ ایک ہی سطح پر ہونا" ہیں۔ الْقٰعِدُوْنَ :۔ رفع فاعل ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہاں بیٹھنے والوں سے جہاد میں عملی حصہ لینے کی بجائے گھر بیٹھے رہنے والے مراد ہیں۔ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ :۔ یہ اَلْقَاعِدُوْنَ کی صفت ہے۔ غَيْرُ میں ر کی پیش اسی رفع کی علامت ہے۔ ضَرَرٌ کے معنی "حالت خراب ہونا" "نقصان" "کسی بازو وغیرہ کا ناکارہ ہونا" اور کمی اور تنگی" کے ہیں۔ یہاں ضَرَرٌ سے مراد "عذر شرعی" ہے۔ اَلْمُجٰهِدُوْنَ کا عطف اَلْقَاعِدُوْنَ پر ہے۔ اَلْمُجٰهِدِيْنَ کی نصب فَضَّلَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے اور اَلْقٰعِدِيْنَ :۔ عَلٰی کی وجہ سے مجرور ہے۔ دَرَجَةً کی نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہے یا تَفْضِيْلًا کے معنوں میں مفعول مطلق ہے۔ كُلًّا :۔ وَعَدَ کا مفعول اول اور الْحُسْنٰى مفعول ثانی ہے۔ اَجْرًا عَظِيْمًا : میں اَجْرًا کی نصب فَضَّلَ بمعنی اَعْطٰی کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور فَضَّلَ کی تمیز بھی ہو سکتا ہے۔ دَرَجٰتٍ، مَغْفِرَةً اور رَحْمَةً سب کی نصب اَجْرًا کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔

تفہیم و تفسیر :۔

ان دو آیتوں میں جہاد و مجاہدین کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

Marfat.com

وسیاقِ عبارت کے لحاظ سے یہاں بے شک جہاد سے مراد قتال (جنگ لڑنا) ہی ہے مگر عموم کے لحاظ سے آیت میں جہاد کے معنی "جدوجہد میں عملی حصّہ لینا"، ہیں اور دین کو غالب کرنے کی ہر طرح کی فکری و عملی کوششیں اس میں شامل ہیں، جن میں ایک مرحلے پر قتال بھی لازماً آجاتا ہے —— اسی طرح قعود (بیٹھ جانا) کے اندر، دین کے معاملے میں کسی طرح اور کسی موقع پر سستی والا پروائی کا ثبوت دینا شامل ہے —— گویا اصل فضیلت دین کی خاطر "کام کرنے والے" کو "کچھ بھی نہ کرنے والے" پر حاصل ہے۔

لَا یَسْتَوِی :- اپنے عمل کے انجام اور عواقب کے پہلو سے اپنی کارکردگی کے ثمرات و نتائج کے لحاظ سے اور اللہ کے ہاں اپنے درجات و مراتب کے اعتبار سے یہ دو قسم کے لوگ جن کا ذکر آگے آرہا ہے کسی طرح یکساں حیثیت کے مالک نہیں ہو سکتے، انہیں ایک ہی سطح پر نہیں رکھا جا سکتا —— برابری سے مراد یہاں دنیوی اور طبعی امور مثلاً عمر، صحت، دولت اور شہرت وغیرہ میں برابری نہیں بلکہ اجرِ آخرت اور اعمال کے آخری نتائج میں برابری کی نفی کی گئی ہے۔

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ :- ایک قسم تو ان مسلمانوں کی ہے جو ضرورت کے وقت قتال میں حصّہ لینے اور میدان جنگ میں نکل آنے کی بجائے گھروں میں "خیر و عافیت" سے بیٹھ رہنے پر رضامند ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی معقول عذر بھی نہیں ہے، انہیں کوئی ایسی تکلیف یا بیماری بھی نہیں اور نہ ہی ان کے اندر کوئی ایسا جسمانی یا ذہنی عیب موجود ہے جس کا دور کرنا ان کے اختیار سے باہر ہو اور جس کے ہوتے ہوئے وہ جنگ و قتال، یا دین کے لیے کسی طرح کی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہ رہے ہوں ——

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ :

Marfat.com

دوسری قسم میں وہ مسلمان ہیں جن کی ساری زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہے جو بوقت ضرورت جنگ و قتال میں بھی پیش پیش ہوتے ہیں ——— اور ان کی یہ عملی جہاد و جہد، یہ مساعی اور جانفشانی و سرفروشی صرف اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ——— اور یہی راستہ ان کی منزل متعین کرتا ہے ——— ورنہ دنیوی لذتوں اور نفسانی مقاصد کے لیے کبھی [illegible] ان کو [illegible] یہ سرکشی [illegible] محض [illegible] کے غازی نہیں ہو سکتے [illegible] جان و مال اپنی زندگی اور اپنا پورا سرمایہ زندگی راہ خدا میں [illegible] دے ڈالنے کو تیار رہتے ہیں —— ——— اور دے ڈالتے ہیں ——— یہ دو قسم کے لوگ ——— یعنی "بلا عذر قاعدین" اور "جان باز مجاہدین" درجے میں ایک جیسے نہیں ہو سکتے یعنی [illegible] آسان مسلمان اور سراپا ایثار و مجسم عزیمت اہل ایمان ہم رتبہ قرار دیئے جا سکتے ——— بلکہ . . . . . .

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً :-

(۱) دنیا والوں کے پیمانے چاہے کچھ ہوں اور جہاں [illegible] کے استحقاق کا تعین چاہے کسی طرح کیا جاتا ہو ——— مگر اللہ کے [illegible] جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا مقام اور درجہ گوشہ نشینی اور عابد [illegible] انسانوں کی نسبت بلند تر ہے

(۲) آیت میں صرف مجاہدوں کی فضیلت کا ذکر ہے [illegible] کی مذمت نہیں کی گئی۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے [illegible] کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں یعنی ہر شخص پر [illegible] کی ایک جماعت یہ فریضہ سرانجام دیتی رہے ——— تو کافی ہے۔

(۳) مگر ہر مسلمان کو کسی نہ کسی "میدان" میں دین کی خدمت [illegible] چاہیئے ضروری نہیں کہ وہ میدان جنگ ہی ہو۔

Marfat.com

دین کی خدمت سے بس بالکل ہی "بیٹھ جائے" ایسا "قاعد" تو منافق ہی کے درجے میں ہے۔

اسی طرح بعض خاص حالات میں جب قوم کے ہر "قابلِ جنگ" فرد کو فوجی خدمت کے لیے بلایا جائے، اُس وقت اگر کوئی جان بچا کر اور بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہے ــــ یا جب ملت کے مفاد کا تقاضا یہ ہو کہ دشمن کی فوجی قوت سے فیصلہ کن ٹکر لی جائے، اس وقت محض اپنی کو ٹھیوں اور کاروں کی خیر منانے کے لیے اس اقدام سے پہلو تہی کی جائے ــــ تو اس قسم کا قعود (بیٹھ رہنا) بھی محض "درجہ میں کمی" نہیں بلکہ عین منافقت ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ میں بالتفصیل اس موضوع پر بات کی گئی ہے۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى :-

(۱) عذرِ شرعی کی بناء پر مجبوراً دین کی فوجی خدمت سے محروم رہنے والا مسلمان اور اپنا جان و مال راہِ خدا میں "قربان کر دینے والا مسلمان" درجے میں برابر نہ سہی، مگر ایسا بھی نہیں کہ صاحبِ عذر "قاعد" کا بھلائی میں سے کچھ حصہ ہی نہیں ہو گا ــــ ایمان کی بناء پر، اور شریعت کے دوسرے فرائض کی بجا آوری کی بنا پر یہ دونوں اللہ کی طرف سے بھلائی کے وعدے میں شریک ہیں۔

(۲) آیت کی شانِ نزول میں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے کہ دو نابینا صحابیوں ابنِ اُمِّ مکتومؓ اور ابنِ جحشؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے فضیلتِ جہاد سے محروم ہونے پر اظہارِ حسرت کیا تھا۔ اس پر آیت کا یہ حصہ نازل ہوا ــــ کہ فرقِ مراتب کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ایک کو بالکل محروم ہی کر دیا جائے گا ــــ بلکہ عین ممکن ہے کہ شرعی طور پر معذور آدمی بھی اپنی نیت کے خلوص کی بناء پر مجاہد کا سا درجہ حاصل کر لے۔ جیسا

Marfat.com

کہ جنگ تبوک سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "عذر کی بنا پر جو لوگ ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ جتنے کام اس لڑائی میں ہم نے کیے (سفر یا جنگ وغیرہ) ان سب کاموں میں وہ گھر بیٹھے ہمارے ساتھ ثواب میں شریک ہوئے" صاف ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس کے لیے نہیں جو اپنے عذر شرعی کو بھی اپنی "خوش قسمتی" سمجھتا ہو۔

(۳) عام حالات میں، جب کہ ملت کے صرف بعض افراد کا فوجی خدمت سرانجام دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ اس ذمت بھی اگرچہ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کرنا زیادہ بہتر ہے —— تاہم کسی اور مفید طریقے پر دین کی خدمت کرنے والے کے لیے بھی اللہ کے ہاں بھلائی کے "سنہری مواقع" موجود ہیں۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا:۔

(۱) مطلب بالکل صاف ہے کہ اللہ کے ہاں مجاہد کا درجہ بہر حال بلند ہے اور اس کا اجر و ثواب بھی "بیٹھ رہنے والے" سے زیادہ ہے۔

(۲) بیٹھ رہنے والے (قاعدین) کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ باعذر اور بے عذر —— بے عذر بیٹھ رہنے والے پر تو مجاہد کی فضیلت ایک واضح بات ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو بے عذر بیٹھ رہنے والا مجرم اور منافق قرار دیا جا سکتا ہے —— مگر فی الواقع معذور لوگوں پر بھی، مجاہدین کی برتری مسلّم ہے —— کیونکہ ظاہر عمل کا تقاضا یہی ہے —— باقی رہی معذوروں کی وہ قسم جنہیں مجاہدوں کے برابر اجر ملتا ہے، تو اس کا دارومدار نیت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب معذور بھی ایک درجے میں نہیں بعض صرف گرفت سے مستثنیٰ اور سزا سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض اپنے حسن نیت کی بنا پر حسن عمل کے اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(۳) اس حصۂ آیت میں جہاد اور قعود کے الفاظ اپنے وسیع مفہوم میں بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ یعنی دین کے لیے "کچھ نہ کچھ" کرتے رہنے والوں کا اجر ان لوگوں سے زیادہ اور بڑا ہے جو دین سے "مطلقاً" بے اعتنائی برتتے ہیں ——— اور جو بوقت ضرورت دین کے لیے جان بھی قربان کر دینے کے لیے نکل آئیں ان کی فضیلت تو ظاہر ہے۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(۱) اور مجاہدوں کو جو فضیلت اور برتری مل رہی ہے یہ بھی وہ کسی اپنے زورِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں۔ یہ درجات اللہ ہی نے عطا کیے ہیں۔ انسان کا عمل در اصل اسے درجات کا نہیں بلکہ اللہ کی مغفرت اور رحمت کا مستحق بناتا ہے۔ اور اسی مغفرت اور رحمت ہی سے اللہ کے ہاں بندے کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

(۲) اپنا مال اور جان تک، اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے بعد بھی مسلمان خدا کی رحمت اور مغفرت ہی کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان عمر بھر عمل یا نیت کی لغزشوں سے قطعاً ہی محفوظ رہا ہو۔

(۳) جہاد اور قتال کے سلسلے میں درجات کی بلندی کے ساتھ ساتھ اللہ کی مغفرت و رحمت کا ذکر اس لحاظ سے بھی نہایت مناسب ہے کہ بعض دفعہ قتال کے بعد دشمن پر فتح آدمی کو مغرور کر دیتی ہے اور وہ خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔ ——— یا جہاد کی دوسری قسموں ——— تزکیۂ نفس ——— تحریر و تقریر ——— وغیرہ میں بھی آدمی کے اندر اپنے "کچھ" ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ہر عمل کے ساتھ خدا سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنی چاہیے۔ روحانی مدارج کی بلندی کا دار و مدار اسی بات پر ہے۔

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

بیشک وہ لوگ کہ قبضے میں لیا ان (کی جان) کو فرشتوں نے

ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا

اس حالت میں کہ وہ ظلم کر رہے تھے (ان کی / اپنی) جانوں پر تو ان (فرشتوں) نے (ان سے) کہا

فِيمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوا كُنَّا

کس (کام / حال) میں تھے تم؟ انہوں نے کہا کہ ہم تھے

مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ

بے کس (بے بس) (اور ناتواں) اس سرزمین میں

قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ

پھر (فرشتوں) نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی سرزمین

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ؕ

وسیع کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں؟

فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

سو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا

اور وہ بہت بری (جگہ) بلحاظ پہنچنے کے ہے۔ سوائے ان لوگوں کے

جن لوگوں نے دارالحرب میں رضاکارانہ قیام کر کے اپنی ہی ذات پر ظلم کر رکھا ہے۔ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے تو ان سے (رسمانہ) پوچھیں گے کہ تم کس کام میں تھے [illegible] جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

Marfat.com

الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

جو بے بس (اور کمزور) ہوں مردوں میں سے

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

اور عورتوں میں سے اور بچوں میں سے کہ نہیں

يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا

کر سکتے کوئی تدبیر اور نہیں

يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

پاتے وہ (نکلنے کا) کوئی راستہ

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

سو یہی وہ لوگ ہیں کہ امید ہے / بعید نہیں ہے اللہ سے کہ وہ

يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

معاف کر دے ان کو ۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑا

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ

بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا اور جو کوئی

يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں

ہاں البتہ کمزور وناتواں مرد، عورتیں اور بچے جو واقعی بے بس ہیں اور نکل بھاگنے یا وہاں کے حالات بدل ڈالنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے ان کے بارے میں تو امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ ضرور انہیں معاف کر دے گا۔ اور اللہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا بخشش دینے والا ہے ہی۔

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا۔ (اور ایک بلند تر مقصد کے لیے گھر بار تج دے گا

Marfat.com

يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا	وہ (خدا کی) اس سرزمین
تو وہ پائے گا سرزمین میں ٹھیرنے اور جانے کی) جگہ	میں سر چھپانے کی کئی
كَثِيرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ	جگہیں (اور بسر اوقات
بہت سی اور کشائش اور جو کوئی	کے لیے) کشائش کی کئی
يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا	راہیں (کھلی) پائے گا۔
نکلے گا اپنے گھر سے وطن چھوڑ (دینے والا ہو کر	اور جو کوئی اپنے گھر سے
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ	اللہ اور اس کے رسول
اللہ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ (کی طرف) پھر	(دار الاسلام) کی طرف
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ	جانے کے ارادے سے
آئے اس کو موت تو	نکلے پھر راستہ ہی میں
وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَ	اسے موت آجائے تو
ٹھیر چکا ثابت رہا اس کا اجر اللہ پر اور	اللہ کے ہاں اسے پورا
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (١٠٠)	پورا اجر ملے گا۔ اور اللہ بہت
اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے	بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے۔

لغوی ونحوی اشارات:-

تَوَفّٰهُمْ:- تَوَفّٰى ماضی کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے (جیسا کہ اوپر بین السطور

Marfat.com

ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مضارع کا صیغہ موجود دراصل تَتَوَفّٰی تھا۔ باب تفعّل میں مضارع مخاطب و غائب میں ایک تَ کا گرا دینا جائز ہے۔ —— اس صورت میں ترجمہ فعل مستقبل کے ساتھ ہوگا، جیسا کہ رواں ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ —— تَوَفِّیْ (مصدر) کے معنی "کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا" ہیں۔ پھر اسی سے "جان قبض کرنا" کے معنی پیدا ہوئے۔ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ: یہ تَوَفّٰىهُمْ کی ضمیر "هُمْ" کا حال ہے۔ اور ظَالِمِیْنَ (حال منصوب) کا ۔نَ اضافت سے گر گیا۔ فِیْمَ: یہ دراصل فِیْ مَا ہے جس میں مَا استفہامیہ ہے حرف جار کے ساتھ مَا استفہامیہ کا الف اس موقع پر گرا دیا جاتا ہے جب اسے مَا خبریہ (موصول) سے الگ کرنا ہو۔ مثلاً عَمَّ، مِمَّ وغیرہ۔ قَالُوْٓا صیغہ ماضی ہے لیکن جب تَوَفّٰی کو صیغہ مضارع (تَتَوَفّٰی) سمجھا جائے تو ان افعال ماضیہ کا ترجمہ بھی مستقبل کے ساتھ ہوگا —— وَاسِعَةً:- کان (اَلَمْ تَكُنْ) کی خبر منصوب ہے۔ اور اَلَمْ تَكُنْ میں اَ استفہام اقراری ہے یعنی "ضرور تھی" —— سَآءَتْ تانیث جہنم کے لیے ہے۔ مَصِیْرًا: تمیز ہو کر منصوب ہے۔ مَصِیْر کے لفظی معنی "پھر کر جانے کی جگہ" ہیں اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ حِیْلَةً اور سَبِیْلًا کی نصب مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ —— مُرٰغَمًا: رَاغَمَ (چلا جانا) سے اسم مفعول کا صیغہ یعنی ظرف ہے اور اس کے معنی "چلے جانے یا بھاگ جانے کی جگہ" اور "مضبوط پناہ گاہ" کے ہیں۔ یہ صیغہ واحد ہے۔ سَعَةً: یَجِدْ کا مفعول ثانی ہے۔ مُهَاجِرًا: یَخْرُجْ کا حال ہے۔

تفہیم و تفسیر:-

اس رکوع میں دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کے واجب ہونے کو ایک موثر انداز میں سمجھایا گیا ہے —— تاریخی پس منظر اس سے پہلے

Marfat.com

بارھویں رکوع (آیات ۸۸تا ۹۱) میں بیان ہو چکا ہے[1]۔ (صفحہ پر) —— بیان ہجرت کا "فلسفہ" سمجھاتے ہوئے، یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جس طرح بوقتِ ضرورت، دنیوی مفادات، خاکِ وطن سے محبت کے جذبات یا محض سستی اور آرام طلبی کی بنا پر، دین کی خاطر ترکِ وطن نہ کرنا جرم ہے اسی طرح ہجرت محض ترکِ وطن کا نام نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ ترکِ وطن، اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور خالص دینی مقاصد کے لیے ہو —— معاشی توقعات اور مادی ترقیات اس کا محرک نہ ہوں۔ ہر محبِ وطن منافق یا کافر نہیں ہوتا اور ہر تارکِ وطن مومن اور مہاجر نہیں ہوتا۔ جس وطن میں اسلام آزاد بلکہ حکمران ہے اس کی محبت اور حفاظت مسلمان کا جزوِ ایمان ہے۔ اور دین —— صرف دین —— کی خاطر اپنے دیس سے نکلنا ہی وہ "ہجرت" ہے جو سنتِ انبیاء کرام اور عند اللہ باعثِ اجر والی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ

(۱) جن لوگوں پر اس حالت میں موت آتی ہے کہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہو رہے ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۲) ملائکہ (فرشتے) اللہ کے حکم سے اور اس کے مطابق جو جو مختلف امور سرانجام دیتے ہیں، ان میں سے ایک انسانوں کی موت (قبضِ روح) بھی ہے —— اور یہ مضمون" قرآن کریم میں بصراحت متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے[2] —— ملائکہ پر ایمان، اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے مگر ان کی حقیقت کے بارے میں غیر ضروری "غور و فکر" کرنے سے منع کیا ہوں

---

[1] یعنی عہدِ رسالت میں فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں پر دارالاسلام (مدینہ) کی طرف ہجرت کا لازمی ہونا۔ [2] مثلاً الانعام: ۶۱، الاعراف: ۳۷، الانفال: ۵۰، النحل: ۲۸، ۳۲۔ السجدہ: ۱۱ اور محمد: ۲۷۔

Marfat.com

اور روشن خیالوں ـــــ دونوں ہی ـــــ نے قرآن سے تجاوز کیا ہے ـــــ اس مسئلے کی مزید تشریح عقائد و کلام کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں

(۳) آیت میں "اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے پکڑے جانے والوں" سے مراد وہ لوگ ہیں (جیسا کہ اسی آیت میں آگے مذکور ہے) جو اسلام دشمن علاقے (دارالحرب) یا دشمنِ اسلام ماحول اور غیر اسلامی حکومت یا معاشرے میں بقولِ خود "مجبور و بے لبس" تھے، مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآنِ کریم نے انہیں "مظلوم" کی بجائے "ظالم" کہا ہے۔ اور دین کے معاملے میں سستی و لپست ہمتی، کاہلی و کم کوشی، سہل انگاری و تن آسانی اور مصلحت پرستی و ابن الوقتی سے کام لینے اور اس کا الزام حالات کے سر تھوپنے کو نالائقی اور نا اہلی (ظلمِ نفس) قرار دیا ہے

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ :-

موت کے وقت فرشتے اس قسم کے لوگوں سے پوچھیں گے :-

(۱) تم نے کون سے کاموں میں عمر گزار دی؟ زندگی کا مقصد تمہارے سامنے کیا تھا؟

(۲) کون سے مشاغل تھے جن کی وجہ سے تم ہجرت کو نہ نکل سکے؟

(۳) دین کی حفاظت و اقامت کے لیے تم نے کون سی کوششیں کیں؟

(۴) کبھی سوچا بھی تھا کہ تم کس کی خدمت میں لگے ہوئے ہو؟

(۵) آخر تم کیا سوچ کر کفر کی محکومی میں پڑے رہے؟

(۶) کس چیز نے تمہیں پوری اسلامی زندگی کے مقابلہ میں "کچھ کفر اور کچھ اسلام" پہ قانع اور مطمئن کر رکھا تھا؟

(۷) تم نے پورے مسلمان بننے کے مواقع کیوں تلاش نہ کیے؟ اور جو حاصل بھی تھے ان سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے تم کن دلچسپیوں میں مگن رہے؟

Marfat.com

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ:-

یہ حضرات جواب دیں گے کہ:-

(۱) ہم تو اس سرزمین میں کمزور پاکر دبا لیے گئے تھے اور جابر حکومت، ظالم معاشرہ اور طاقتور مخالفِ دین عناصر کے مقابلے پر ہم دب کر ہی رہنے پر مجبور تھے۔

(۲) ہم اپنے وطن میں بالکل مغلوب اور بے بس تھے۔ غلبۂ دین کے لیے جدوجہد کرنا تو درکنار ہمارے لیے تو احکامِ دین پر عمل کرنا، بلکہ فرائض اور واجبات کا ادا کرنا بھی دشوار تھا۔

(۳) طرح طرح کی پابندیوں اور بندشوں نے ہماری آزادئ فکر وعمل سلب کر رکھی تھی۔ اور ہم اپنے اندر اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے تھے بلکہ بالواسطہ ظالموں کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔

قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا:-

(۱) فرشتے ان سے کہیں گے کہ اوّل تو ظالموں اور جابروں کے مقابلے پر ہتھیار ڈال دینے، اور اپنی کمزوری و پست ہمتی، کا یہ اعتراف بذاتِ خود جرم ہے۔ اور اعترافِ جرم کوئی عذر نہیں ہوتا ـــــ لیکن اگر یہ بات درست بھی ہے کہ تمہارے اندر اتنی قوت و ہمت نہیں تھی کہ تم وہاں کا نظام بدل ڈالتے اور دین کا غلبہ اور اقتدار قائم کرتے، تو آخر تم اس ماحول، اس معاشرے، اس ملک اور ان حالات میں زندگی بسر کرنے پر رضامند کیوں ہو گئے؟ کیا تمہارے پاؤں میں لنگ تھا؟ یا ملکِ خدا ہی تنگ تھا؟ کیا اللہ کی اس وسیع سرزمین میں رہنے کے لیے اور کوئی جگہ ہی نہیں رہ گئی تھی؟ آخر تم کیوں کسی ایسے مقام کی طرف منتقل نہ ہو گئے جہاں فضا زیادہ سازگار تھی، جہاں خدا کے باغیوں کا غلبہ نہ تھا۔ اور جہاں تمہارے لیے نہ صرف احکامِ الٰہی کی پیروی نسبتاً آسان ہوتی۔ بلکہ تم حفاظت و اقامتِ دین کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ

Marfat.com

ہونے کے قابل ہو جاتے ــــــ اور اِس وقت یوں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے نہ ہوتے۔

(۲) اسلام اپنے پیروؤں کے اندر جرأت وہمت، شجاعت وصداقت، نظم واطاعت اور اخلاص وعزیمت کا وہ بلند معیار پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ ان کی زبان سے، کمزوری اور بے بسی کا "عذر لنگ" سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ ــــــ یہاں ہر دشواری اور حقیقی عذر کے موقع پر ایک متبادل آسان حکم ملتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اپنے لیے، **بلا استحقاق**، دین کی آسانیوں کو ہی جمع کرتا پھرے تو یہ قانون کا احترام نہیں استہزاء ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

(۱) سو اس قسم کے منافق اور کمزور ایمان کے مسلمان، جو اپنے آپ کو شرعاً معذور قرار دینے کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا "خوش قسمتی" سے ایک "عذر" ہاتھ آنے کا سہارا لے کر غیر اسلامی نظام کے تابع رہنے پر قانع اور مطمئن ہیں۔ یہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا کر ہی رہیں گے۔ حالانکہ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

(۲) ہجرت نہ کرنے پر عذاب کی یہ وعید اس وجہ سے ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اُس وقت (عہدِ رسالت میں) ہجرت فرض عین تھی ــــ جیسا کہ پہلے آیت ۸۹ کے ماتحت بیان ہو چکا ہے، اس وقت کسی شخص کے اقرار اسلام کی صداقت کا ثبوت ہی یہ تھا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کرتا ہے یا نہیں کافروں میں رہتے ہوئے مسلمان نہ صرف آزادی سے اپنے دین پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ بعض دفعہ انہیں مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں میں حصہ بھی لینا پڑتا تھا۔ خود مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کر چکے تھے ــــ مگر ہجرت کے بعد یہ مدینے نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے ــــ ان میں سے بعض جنگ بدر میں کافروں کی فوج کے ساتھ آکر مارے بھی گئے تھے (اور بعض روایات

Marfat.com

ہیں آیت زیر مطالعہ کا شانِ نزول یہی واقعہ بتایا گیا ہے) ـــــــ کمزور ایمان کے مسلمانوں کے علاوہ بعض سیاست داں قسم کے منافق بھی مختلف اغراض کے ماتحت مسلمانوں کے سامنے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان تو کرتے مگر رہنا اپنے کافر قبیلے ہی میں چاہتے تھے ـــــــ بہرحال درجۂ نفاق میں کمی بیشی کے باوجود قرآن کریم نے تمام غیر معذور ہجرت نہ کرنے والوں کو یکساں عذاب جہنم کا مستحق قرار دیا ہے ـــــــ اور شاید اسی لیے عذاب کے خلود و ابدیت کا ذکر اسی لیے نہیں ہے (واللہ اعلم) کہ اس قسم کے لوگوں میں سے بعض دل سے منکرِ اسلام نہیں تھے مگر ان کا طرزِ عمل قابلِ گرفت ضرور تھا۔

(۳) فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہجرت واجب نہ رہی ـــــــ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا کہ فتح مکہ کے بعد وہ حالات نہیں رہے تھے جن کی بنا پر ہجرت واجب قرار دی گئی تھی کیونکہ اس وقت عملاً تمام عرب دارالاسلام بن گیا تھا ـــــــ لہٰذا اب آئندہ بھی جہاں کہیں اور جب کبھی وہی اسبابِ ہجرت پائے جائیں تو مسلمانوں کے لیے اس علاقے سے ہجرت واجب ہوگی اور یہ ہجرت کفر کے مقابلے پر اپنی قوت مجتمع کرنے اور دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے ہوگی نہ کہ محض جان بچانے کے لیے جس طرح جہاد حفاظت و اشاعت دین کا اجتماعی حکم ہے اسی طرح [illegible] اسی مقصد کے لیے انفرادی حکم ہے۔

(۴) کسی برے اور غیر اسلامی ماحول یا علاقے [illegible] سے نسبتاً بہتر اخلاقی و اسلامی ماحول (Locality) [illegible] مستحب ضرور ہے۔ اور اس بات کی تو [illegible] تصریح کرتی ہے کہ اگر کسی ملک میں رہ کر فرائض دینی پوری طرح ادا نہ ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں آزادی سے دین پر عمل کیا جا سکتا ہے تو پہلے ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب اور لازمی ہوگی۔

Marfat.com

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا :-

(۱) البتہ ایسے بوڑھے مرد۔ عورتیں اور بچے لازمی ہجرت کے حکم سے مستثنیٰ ہوں گے اور عدمِ ہجرت کے جُرم میں ماخوذ نہیں ہوں گے جو نہ تو اپنی جسمانی کمزوری کے باعث سفرِ ہجرت پر قادر ہوں ـــــ اور نہ انہیں کسی دار الاسلام کا نشان و پتہ کہیں سے مل رہا ہو ـــــ نہ وہ خود اس حالت سے نکلنے کی کوئی تدبیر (حیلہ) کر سکتے ہوں نہ انہیں وہاں سے نکلنے یا اپنے تحفظ کی کوئی اور صورت (سبیل) نظر آتی ہو۔ بلکہ سخت نفرت و بیزاری کے ساتھ

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

کے مصداق مجبوراً وہاں ٹھہرے ہوئے ہوں ـــــ اور یہی درحقیقت بے بس (مُسْتَضْعَفِیْنَ) لوگ ہیں ـــــ ناکہ وہ جو خود بے بس "بنتے" ہیں۔

(۲) ایک طرف یہ "اصلی" مستضعفین ہجرت و ترک وطن پر مجبور نہیں کئے گئے۔ دوسری طرف اسی قسم کے بے بس و بے سہارا بوڑھوں عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے اسلامی حکومت کے ہر فرد کو جہاد و قتال پر آمادہ کیا گیا ہے (دیکھئے آیت ۷۵ صفحہ) ـــــ ان دو آیتوں (آیت زیر مطالعہ اور آیت ۷۵) کا آپس میں گہرا ربط ہے اور ہمارے آج کل کے بعض مسائل کے بارے میں یہاں ایک ہدایت موجود ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے مسلمان شہریوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دے اور عورتوں۔ بوڑھوں اور بچوں کو اپنی حدود سے باہر دھکیلنے لگے ـــــ اور ادھر بدلے ہوئے حالات کی بنا پر اسلامی حکومت اس جبری انخلاء یا "ہجرت" کا بوجھ برداشت نہ کر سکتی ہو تو پھر اس پران مجبور و کمزور مسلمانوں کو ستانے والوں کے خلاف جہاد واجب ہو جاتا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ

Marfat.com

عَفُوًّا غَفُوْرًا:۔

(۱) پس ایسے واقعی بے بس اور معذور لوگوں (بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں) کو اللہ نے فریضۂ ہجرت معاف کر دیا ہے۔ اور ان پر دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرنے کی گرفت نہ ہوگی۔ اللہ سے بہتر بندوں کی کمزوریوں، لغزشوں اور معذوریوں کو اور کون جانتا ہے؟ جبھی تو وہ اتنا درگزر کرنے اور بخش دینے والا ہے۔

(۲) اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان کے لیے کافرانہ نظام کے تحت زندگی گزارنے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب اس کے وہاں سے نکل جانے کا بھی کوئی امکان نہ ہو۔۔۔۔۔ خیال رہے قرآن کریم نے گھر سے نکل جانے کے بعد کہیں سر چھپانے کے "عدم امکان" کو "عذر" میں شمار ہی نہیں کیا بلکہ، جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے، اس "دانائی" کو ہی وہم اور خدا پر عدم اعتماد قرار دیا ہے۔

البتہ کسی کافرانہ ماحول میں قیام رکھنے کے جواز کی ایک اور صورت بلکہ اس کی اشد ضرورت کا علم ہمیں سنتِ انبیاءؑ سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور بیشتر مبلغ صوفیہؒ و اولیاءؒ نے اس پر عمل کیا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ اس سرزمین میں رہ کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کیا جائے اور آہستہ آہستہ وہاں اسلام کا مکمل نظام نافذ کرنے کی جدوجہد جاری رکھی جائے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً:۔

(۱) جب دین کی خاطر ہجرت ضروری ہو جائے تو پھر فکر خاطر کے بغیر اس بلا بائی کو ایک سعادت سمجھ کر اختیار کرو۔ معاشی دشواریاں، پشتوں کے معاشرتی تعلقات کا خاتمہ، نئے اور بیگانے دیس کے متعلق خدشات، ترکِ وطن کی جذباتی جاذبیت اور اسی قسم کے تاملات (Considerations) کی پرواہ نہ کرو۔۔۔۔۔ اگر ہجرت اللہ ہی کی خاطر، اور اس کی راہ میں ہے تو پھر فکرمند

Marfat.com

ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں وہ کئی ضخے وطن اور نئی دنیائیں دے سکتا ہے۔ اور تمہیں متعدد ایسی جگہیں مل جائیں گی جہاں آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکو گے بلکہ اس کے لیے کچھ کام کر سکو گے —— اور معاشی کشائش کی بھی کئی راہیں خود بخود نکل آئیں گی ذرا ہمت تو کر کے دیکھو

(۲) غور کیجئے مادیت کی کس طرح جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ بھلا جس آدمی کے نزدیک انسان کا اصلی مسئلہ صرف "پیٹ" ہو وہ اس تعلیم کو کیوں کر قبول کر سکتا ہے؟

آیت میں اہل ایمان کے لیے بالواسطہ یہ ہدایت ہے کہ وہ اللہ کی خاطر کام کرتے وقت نیت بالکل درست اور اپنی نظر صرف اس مسبب الاسباب پر رکھیں۔

وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ؁

(۱) اور جب آدمی اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے گھر بار چھوڑتا ہے جب وہ کسی ایسے مقام کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے، جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین کا اظہار کر سکے تو پہلے قدم کے ساتھ ہی اسے منزل مقصود مل گئی —— اب اگر اسے موت بھی آ جائے یا کوئی اور ایسی رکاوٹ پڑے کہ وہ اس مقام تک نہ بھی پہنچ پائے۔ تو بھی اللہ کے ہاں اسے اپنے اس عزم و نیت پر پورا پورا اجر مل جائے گا۔ کیونکہ اس کی اصل منزل مقصود کوئی خاص مقام نہیں بلکہ رضائے الٰہی تھی۔ اور اس بارگاہ میں انعامات نتائج اعمال پر نہیں بلکہ حقائق اعمال پر ملتے ہیں۔

(۲) عموم کے اعتبار سے آیت کے حکم میں ہر وہ سفر داخل ہے جو دین کی سربلندی اور رضاء الٰہی کے لیے اختیار کیا جائے۔ مثلاً سفر حج۔ طلب علم تبلیغ دین وغیرہ۔

(۳) غور کیجئے آیت کس طرح حکیمانہ انداز میں آدمی کے اندر ایک بامقصد

Marfat.com

سرفروشی، اور تعمیری جاں بازی کا جذبہ پیدا کرتی ہے — ایسا بے پناہ جذبہ جسے ناکامی کے تصور سے ہی ناآشنا کر دیا گیا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ

اور جب تم سفر کرو زمین میں

فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

تو نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اس بات

تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ

میں کہ تم کچھ کم کر دیا کرو نماز میں سے اگر

خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ

تمہیں ڈر ہو کہ تم کو ستائیں گے وہ لوگ جو

كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا

کافر ہوئے۔ بیشک کافر تو ہیں

لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا

تمہارے کھلے ہوئے دشمن۔ اور جب

كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ

تو ہو ان کے درمیان پیغمبر تو کھڑا کرے ان کے

اور جب تم لوگ سفر (مثلاً ہجرت یا جہاد) کے لیے (کہیں) نکلو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ تم نماز میں "قصر" کر لیا کرو۔ اگر تمہیں (ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی لگا) ہو کہ کافر تمہیں ضرور ستائیں گے

کیوں کہ کافر تو ہر حال تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں (اور) موقعوں کی تو وہ گھات میں رہتے ہی ہیں اور اے پیغمبر! جب آپ خود بھی ان (مسلمانوں) کے

Marfat.com

الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

نماز (میں) پس چاہیئے کہ کھڑی ہو جائے ایک ٹولی ان میں سے

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ وقف

تیرے ساتھ اور انہیں چاہیئے کہ لیے رہیں (ساتھ) اپنے ہتھیار

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا

پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو انہیں ہو جانا چاہیئے

مِنْ وَّرَآئِكُمْ ص وَلْتَاْتِ

تمہارے پیچھے اور (پھر) چاہیئے کہ آئے

طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

ٹولی دوسری کہ جس نے (ابھی تک) نماز نہیں کی

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ

پس انہیں چاہیئے کہ نماز کریں ساتھ تیرے اور

لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ

انہیں چاہیئے کہ لیے رکھیں اپنا بچاؤ کا سامان اور

اَسْلِحَتَهُمْ ج وَدَّ الَّذِيْنَ

اپنے ہتھیار۔ (دل سے) چاہتے ہیں وہ لوگ

درمیان (موجود) ہوں (اور نماز کا وقت آجائے) اور (عین میدان جنگ میں) آپ انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں تو اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کریں کہ پہلے تو) (ان میں سے (صرف) ایک گروہ (سارے نہیں) تمہارے ساتھ (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑا ہو۔ اور وہ اپنا اسلحہ بھی بدستور سنبھالے رکھیں۔ پھر جب یہ لوگ (اپنی پہلی رکعت پوری کرکے) سجدہ کر چکیں تو وہ (دوسری رکعت پڑھے بغیر) تمہارے پیچھے چلے جائیں (اور دشمن کے سامنے رہیں) (دریں اثناء) دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، آکر تمہارے ساتھ نماز کی دوسری رکعت میں شامل ہو جائے اور یہ بھی چوکس رہیں (اور نماز میں بھی اپنے ہتھیار بدستور لیے رکھیں۔

Marfat.com

كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ
جو کافر ہوئے ہیں کہ کسی طرح تم (ذرا) غافل ہو جاؤ

اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ
اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً
تو لیں پھر یہ ٹوٹ پڑیں تم پر یکبارگی ہی

وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
حملہ کر کے اور نہیں ہے کوئی گناہ تم پر،

اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ
اگر ہو تم کو کچھ تکلیف (مشلاً) بارش

مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ
سے یا ہو تم بیمار، اس بات کا

تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
کہ تم (اتار کر) رکھ دو اپنے ہتھیار ۔ اور لیے رہو تم

حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
اپنے بچاؤ کا سامان بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے

کافر تو دل سے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے اسلحہ اور سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں اس لیے تم ایسے موقع پر نماز میں بھی اسلحہ بند رہا کرو۔

ہاں البتہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس ہو یا تم بیمار ہو اور اس بنا پر کہ تم اسلحہ کے ساتھ [illegible] ہو تو اسلحہ [illegible] رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں — مگر پھر بھی چوکس اور چوکنے رہو — یقیناً اللہ نے ان کافروں کے سبب

Marfat.com

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

کافروں کے لیے ایک رسوا کر دینے والا عذاب

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

پھر جب تم پوری کر چکو نماز تو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے

وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) - پھر جب تم اطمینان حاصل کر چکو

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

تو درست (طریقے سے) کرو نماز بیشک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا

ہے مومنوں پر حکم فرض

مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي

پابندیٔ وقت کے ساتھ مقرر - اور تم ہمت نہ ہارو

ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا

تلاش کرنے میں (مخالف) قوم کے پیچھا اگر تم

ایک ذلت کی مار (اور رسواکن عذاب) کا بندوبست کر رکھا ہے (جس سے یہ بچ نہیں سکتے) پھر جب تم نماز (خوف) سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور بعد میں جب تمہیں (کچھ) اطمینان نصیب ہو تو اپنائے ہوئے معروف طریقے کے مطابق پوری نماز پڑھو — نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کے اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور یہ پابندیٔ وقت کے حکم کے ساتھ اہل ایمان پر لازم ٹھرائی گئی ہے — اور دیکھو! میدان جنگ میں اپنے مقابل گروہ (کفار) کا تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ — اگر بات اتنی ہی ہے کہ لڑائی کی وجہ سے تمہارا

Marfat.com

تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ

(بے آرام / دکھی) ہوئے ہو تو وہ بھی تو بے آرام ہوتے ہیں

كَمَا تَأْلَمُونَ ج وَتَرْجُونَ

جیسے کہ تم (بے آرام) ہو اور تم کو (تو) امید ہے

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۚ وَ

اللہ سے اس چیز کی کہ جس کی اُن کو امید (ہی) نہیں اور

كَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

اللہ سب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے

جیسے آرام ختم ہوا ہے تو (اُن کی حالت بھی تو خراب ہے) اور وہ بھی اس طرح تکلیف میں مبتلا ہیں جیسے تم ہو بلکہ تم تو اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کی وہ اُمید ہی نہیں رکھتے (اس لحاظ سے تم بہتر پوزیشن میں ہو) اور اللہ تو سب کچھ جانتا ہے اور حکمت و دانائی کا مالک ہے ۔

لغوی ونحوی اشارات :۔

مِنَ الصَّلٰوةِ : ۔ یہاں مِنْ سے پہلے تَقْصُرُوْا کا اصل مفعول محذوف ہے یعنی شَيْئًا مِّنَ الصَّلٰوةِ سمجھیے یا یہ بات ہے کہ قَصَرَ يَقْصُرُ (کمی کرنا اور کمی ہونا) کے ساتھ مِنْ کا استعمال صرف اس وقت ہوتا ہے جب یہ نماز کے لیے استعمال ہو — يَّفْتِنَكُمْ : ۔ فَتَنَ يَفْتِنُ کے متعدد معنی ہیں ازاں جملہ "مصیبت پیدا کر دینا" ہیں جو یہاں مراد ہیں — عَدُوًّا مُّبِيْنًا : (اگرچہ یہ ترکیب) خبر کان (كَانُوْا) ہو کر منصوب ہے ۔ یہاں عَدُوٌّ بمعنی اَعْدَاءٌ (جمع) آیا ہے کیونکہ یہ لفظ الْكٰفِرِيْنَ (جمع منصوب بانَّ) کے لیے ہے — یہ بات پہلے (آیت ۹۲ میں) بیان ہو چکی ہے کہ عَدُوٌّ واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لیے استعمال ہو سکتا ہے — فَلْتَقُمْ : میں فعل کی تانیث طَآئِفَةٌ کی لفظی صورت کی وجہ سے ہے ۔ مگر وَلْيَاْخُذُوْا میں فعل کی تذکیر اور جمع طَآئِفَةٌ کے معنوں کے اعتبار سے

Marfat.com

ہے۔ یہی صورت وَلْتَأْتِ اور لَمْ یُصَلُّوْا وغیرہ افعال کی ہے۔ فَلْیُصَلُّوْا:۔ صیغۂ امر غائب (جمع مذکر) ہے ـــــ قرآن مجید میں نماز کے لیے عموماً اِقَامُ الصَّلوٰۃ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں ـــــ اور اقامتِ صلوٰۃ بہت زیادہ وسیع لفظ ہے۔ جو نماز کے پورے نظام پر بولا جاتا ہے۔ مگر صَلّٰی یُصَلِّیْ (یعنی نماز پڑھنا) بھی سات مقامات پر آیا ہے جن میں سے دو دفعہ اسی آیت میں ہے اَسْلِحَتَکُمْ:۔ اَسْلِحَۃ کا واحد سِلَاحٌ ہے جو بذاتِ خود اسم جمع بھی ہے۔ مَیْلَۃً وَّاحِدَۃً: نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور مَیْلَۃً: مَالَ یَمِیْلُ (کسی خاص سمت میں جھک جانا) سے مصدر لِلْمَرَّۃ ہے۔ عَذَابًا مُّهِیْنًا:۔ اَعَدَّ کا مفعول ہو کر منصوب ہے اور مُهِیْن ـــــ اَهَانَ یُهِیْنُ (بے عزتی کرنا) سے اسم فاعل ہے ـــــ اِطْمَأْنَنْتُمْ رباعی مزید فیہ میں سے ہے۔ اس کا مادہ طمئن، باب اِفْعِلَّال اور مصدر طُمَأْنِیْنَۃ اور اِطْمِیْنَانٌ ہے کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا:۔ کَانَتْ کی خبر ہو کر منصوب ہیں اور کِتَابًا یہاں یعنی "حکم" اور "فرض" ہے۔ مَوْقُوْت:۔ وَقَتَ یَقِتُ (وقت مقرر کر دینا) سے اسم مفعول ہے۔ لَا تَهِنُوْا کا مادہ وھن ہے جس کے معنی کمزور ہو جانا ہیں۔ تَاْلَمُوْنَ: اَلِمَ یَاْلَمُ کے معنی "المناک ہونا" شدید درد میں مبتلا ہونا"۔ تَرْجُوْنَ:۔ کا مادہ رجو ہے اور اس کا مشہور مصدر رَجَاءٌ ہے۔

تفہیم و تفسیر:۔

سورت میں آیت ۷۱ سے جہاد کے احکام اور اس سے متعلق ضروری ہدایات اور مسائل کا بیان شروع ہوا تھا۔ اب یہ آیات (۱۰۱ - ۱۰۴) اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ یہاں بات تو صرف سفر میں نماز قصر کرنے اور جنگ میں نمازِ خوف پڑھنے کے طریقے کی ہوئی ہے مگر سیاق و سباق کے لحاظ سے اور اندازِ تعبیر

Marfat.com

سے تہ کی بات یہ نکلتی ہے کہ مومن کا تعلق ہر حال میں اپنے رب کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔ اور نماز ہی اس تعلق کی واضح اور مضبوط ترین صورت ہے۔ اعدائے اسلام کے ساتھ معرکہ آرائی کے دوران، عین میدانِ کارزار میں، نماز ادا کرنے اور ہتھیار سنبھالے رکھنے، کا حکم ایک ساتھ دیا گیا ہے —— حقیقتاً نماز ہی مومن کا اصل ہتھیار ہے، یہی اس کی نصرت و کامرانی کی ضمانت ہے اور نماز سے غفلت، میدانِ جنگ میں اپنا اسلحہ گنوا بیٹھنے سے زیادہ مہلک ہے —— یہ نماز ہی ہے جو مومن کے اصل نصب العین —— رضائے الٰہی —— کو اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی —— اور نماز اور ذکر اللہ کے ذریعے ہی پروردگار کے ساتھ وہ مستقل تعلق پیدا ہوتا ہے جو بندۂ مومن کے اندر، اس کے نصب العین کے حصول کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے اور ان پر غالب آنے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ : - جب تمہیں سفر کا اتفاق ہو تو ...... —— "ضرب فی الارض" کے معنی تلاشِ معاش یا جہاد کے لیے گھر سے نکلنا" اور "سفر میں جلدی اور تیزی سے راستہ طے کرنا" ہیں یہاں مراد مطلقاً سفر ہے اور بری، بحری یا ہوائی ہر طرح کا سفر اس میں شامل ہے الارض یہاں خاص خشکی کے لیے نہیں بلکہ بطور محاورہ ہر قسم کی سفر کے لیے استعمال ہوا ہے۔

(۲) آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کے لیے، دوسری ضرورتوں کے علاوہ، ہجرت، تبلیغ اور جہاد کے لیے سفر تقریباً معمول بن چکا تھا۔ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "سفر میں قصرِ صلوٰۃ" کا یہ حکم (آیت زیرِ مطالعہ کا ابتدائی حصہ) نمازِ خوف کے حکم سے (جو اس کے بعد مذکور ہے) ایک سال پہلے نازل ہوا تھا۔

(۳) ائمہ فقہاء نے سنتِ نبوی اور عملِ صحابہؓ سے حاصل ہونے والی معلومات

Marfat.com

اور اپنے اجتہادات کی بناء پر "سفر" کو مختلف پہلوؤں سے واضح طور پر محدود و معین کر دینے ((Definition)) کے سلسلے میں حسب ذیل مباحث کو چھیڑا ہے۔ اختلاف آراء سے قطع نظر، یہ مباحث، دقت و وسعتِ نظر اور "مسئلہ کے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑنے" کی نہایت عمدہ مثال ہیں:۔

(i) مقصدِ سفر ((Propriety of Purpose)) یعنی کیا صرف جائز مقاصد کے لیے سفر میں قصر کی اجازت ہوگی یا حرام اور ناجائز اغراض کے لیے اختیار کیے ہوئے سفر میں بھی؟

(ii) مقدارِ سفر ((Distance Restrictions)) یعنی کم از کم کتنے فاصلے کے سفر کو "سفرِ قابلِ قصر" سمجھا جائے گا؟

(iii) قیامِ اثنائے سفر:۔ ((Break of Journey)) یعنی سفر میں کسی جگہ عارضی قیام کی صورت میں ((Period)) زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں کے لیے قصر کی اجازت ہوگی؟

(iv) پیشہ وارانہ سفر ((Professional Travelling)) یعنی جب آدمی کا پیشہ ہی اس قسم کا ہو مثلاً ریلوں، بسوں، جہازوں اور کسی قسم کی ٹرانسپورٹ سروس کا سفری عملہ ((Running Staff)) تو اس صورت میں قصر کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

ان سوالوں کے جواب اور ہر ایک کے دلائل فقہ کی مبسوط کتب میں درج ہیں ـــــ یہاں اس کا موقع نہیں اور نہ ہی بہت سے مختلف اقوال لکھ دینا چنداں مفید ہے[1]

---

[1] بطور نمونہ صرف دو فقہی مذاہب یعنی حنفیہ اور جعفریہ کا مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ مقدم الذکر کے نزدیک مقصدِ سفر اجازتِ قصر پر اثر انداز نہیں ہوتا، شرعی سفر کی مقدار تقریباً ۵۵ میل اور عارضی قیام زیادہ سے زیادہ ۱۵ دن ہونا چاہیئے۔ موخر الذکر ہر قسم کے سفر (باقی بر آئندہ صفحہ)

Marfat.com

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ :-

(۱) پس حالتِ سفر میں نماز قصر کرنا قطعاً کوئی باعثِ ملامت یا قابلِ گرفت بات نہیں ہے۔ اور نہ اس سے اجر میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔

(۲) صلوٰۃ (یعنی وہ نماز جس میں قصر کرنا ہوگا) سے مراد یہاں فرض نماز کی رکعات ہیں ——

(۳) قصر کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن اوقات کی نماز میں فرض رکعتوں کی تعداد چار ہے۔ (یعنی ظہر، عصر اور عشاء) ان میں صرف دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ فجر اور مغرب کے فرض پورے پڑھے جائیں گے۔ سنتوں میں کوئی قصر نہیں ہوتا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سفر میں صرف فرض (قصر کرکے) پڑھ لیے جائیں یا سنتیں بھی پڑھنی ہوں گی —— حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں بھی فجر کی سنتیں اور رات کے وتر ضرور پڑھا کرتے تھے اس لیے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر دوسرے اوقات میں آپ کا بالالتزام سنتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اسی لیے ان کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض صحابہ و ائمہ کے نزدیک سفر کی حالت میں ان اوقات کی سنتیں پڑھنا ممنوع بعض کے نزدیک اختیاری اور بعض کے نزدیک افضل ہے۔

(۴) قصر کے سلسلے میں یہ بحث بھی پیدا ہوتی ہے کہ جب قصر کی پوری شرائط موجود ہوں تو نماز میں قصر کرنے کی صرف اجازت ہے یا ایسا کرنا واجب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہمیشہ ہی نماز قصر فرماتے تھے۔ اور بیشتر صحابہ کا بھی یہی عمل تھا اس لیے حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک نماز میں قصر کرنا واجب ہے بعض دیگر ائمہ اسے واجب تو قرار نہیں دیتے مگر

(بقیہ صفحہ ۲۹۲) میں قصر کے قائل نہیں اور ان کے نزدیک شرعی سفر کی مقدار تقریباً ایک سو میل اور عارضی قیام کی زیادہ سے زیادہ مدت ۱۰ دن ہے۔

Marfat.com

پھر بھی قصر کو افضل اور قصر نہ کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ دراصل "فلیس علیکم جناح" (تم پر کچھ مضائقہ نہیں) کا ظاہر مفہوم ہے ـــــ حالانکہ ان الفاظ کا مقصد لوگوں کے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ کیا نماز میں قصر کرنا محض آسانی کا بہانہ تو نہیں؟ یا اس سے نماز کے ثواب میں کمی تو نہیں ہوگی؟

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ـــــ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔

(۱) ان حالات میں جب کہ تمہیں ہر وقت ان کافروں کی طرف سے ضرر رسانی کا اندیشہ بھی لگ رہتا ہے، قصر کا یہ حکم تمہارے لیے ایک دفاعی اہمیت اور خدا کے انعام کی حیثیت رکھتا ہے اور کافروں کی تمہارے ساتھ دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

(۲) اس آیت میں "اِنْ خِفْتُمْ" (اگر تمہیں اندیشہ ہو) سے مسلمانوں کے بعض مذاہب فکر مثلاً اہل ظواہر اور خوارج نے یہ مطلب نکالا ہے کہ نماز قصر کرنا صرف خطرے کی حالت میں جائز ہے، ورنہ نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اسے حالت خوف کے ساتھ مشروط بیان کیا ہے ـــــ مگر ائمہ مذاہب کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ قصر صرف سفر کے ساتھ مشروط ہے چاہے یہ سفر زمانہ جنگ میں ہو یا زمانہ امن میں ـــــ اس لیے کہ

(۱) اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے امن کے زمانے میں ـــــ فتح مکہ کے بعد بھی ـــــ سفر میں ہمیشہ نماز قصر فرمائی ہے ـــــ بلکہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے قصر کی اجازت کو خدا کا انعام کہہ کر اسے قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا قصر نہ کرنے میں ایک پہلو بے ادبی کا نکلتا ہے۔

Marfat.com

(۲) دوسرے شرط کا مفہوم اکثر صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ اس وقت مشروط موجود تھا ــــــ یہ نہیں کہ آئندہ جب شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی موجود نہیں ہوگا ــــــ شرط کا اس طرح کا استعمال قرآن کریم، عربی زبان بلکہ دوسری زبانوں میں بھی عام ہے۔ اور ہر بات کا مفہوم مخالف مراد لینا ہمیشہ درست نہیں ہوتا۔ اس طرح ــــــ آیت میں صرف زمانۂ نزول کے وقت کی ایک واقعی موجودہ حالت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۳) زمانۂ امن اور زمانۂ خوف کا قصر ایک جیسا نہیں ہوتا۔ زمانۂ امن میں تو قصر کا مطلب صرف فرض رکعتوں کو نصف کر دینا ہے۔ اور وہ آدھی رکعتیں پوری طرح، تمام ارکان شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں مگر سفر جب زمانۂ خوف اور حالت خوف (جنگ، جنگل وغیرہ) میں کیا جا رہا ہو تو نماز کو حالات کے مطابق قصر کر لیا جاتا ہے ــــــ ایسی صورت میں صرف ایک رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہے ــــــ اور طہارت، قبلہ، حرکت اور رکوع سجود کے احکام کو بھی موقع کی مناسبت سے بدلا جا سکتا ہے[1]۔ بلکہ اشد مجبوری میں نماز کو مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ خندق میں کرنا پڑا تھا۔

○ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ
◎ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ، وَلْيَأْخُذُوٓا

---

[1] مثلاً نماز کی حالت میں ہتھیار چلانے، جگہ ہلانے، خون آلود کپڑوں سے نماز پڑھ لینے، اشارہ سے رکوع وسجود کر لینے اور قبلہ رخ نہ ہو سکنے کی صورت میں کسی طرف منہ کر لینے کی اجازت ہے گویا زمانۂ امن کا قصر صرف رکعات میں ہے اور زمانۂ خوف کا قصر نماز کی جملہ کیفیات میں ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اَسْلِحَتَهُمْ ◉ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ● وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ، وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ :-

(۱) یہ عین میدانِ جنگ میں نمازِ خوف کے ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے جسے اختصار اور وضاحت۔ دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

○ "جب آپ (خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے لگیں تو سب کے سب جماعت میں شریک نہ ہوں۔

◉ بلکہ پوری فوج کے دو حصے کر لیں — ایک حصہ تو پوری مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے۔ دوسرا حصّہ آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے۔ مگر یہ لوگ بھی اپنا اسلحہ سنبھالے رکھیں اور نماز کی حالت میں بھی ہتھیار بند رہیں۔

◉ جب پہلی رکعت پوری ہو چکے تو سجدے کے بعد دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کی بجائے یہ لوگ خود بخود پیچھے چلے جائیں اور پہلے حصّہ فوج کی جگہ ڈیوٹی سنبھال لیں اور انہیں نماز میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیں اس دوران میں آپ بدستور اپنی دوسری رکعت جاری رکھیں۔

● اب وہ دوسرا حصّۂ فوج جس نے ابھی تک نماز میں شرکت نہیں کی تھی، آ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور ایک رکعت نماز پوری کرے۔ مگر یہ لوگ بھی ہتھیار بند اور کسی ناگہانی صورتِ حال

Marfat.com

میں فوری کارروائی کے لیے مستعد رہیں ـــــ اس طرح ہر حصۂ فوج آپ کے ساتھ مل کر صرف ایک رکعت نماز ہی پڑھے گا۔ ـــــ

ـــــ اس کے بعد (اور یہ تفصیل کتبِ حدیث سے معلوم ہوتی ہے) جب آپ سلام پھیر چکیں ـــــ اور نماز تو بوجہ قصر دو رکعت ہی ہوگی ـــــ تو یہ دوسرا گروہ واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا جائے اور پہلا گروہ (جو پہلے ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا) نماز کی جگہ آ جائے اور یہ لوگ اب انفرادی طور پر ـــــ کیونکہ اب جماعت نہیں ہو رہی ـــــ اپنی دوسری رکعت پوری کر لیں ـــــ پھر یہ بھی سلام پھیرتے ہی دوبارہ واپس جا کر دشمن کے سامنے پوزیشن سے لیں اور وہاں کھڑے گروہ کو (جو صرف دوسری رکعت باجماعت ادا کر چکے ہیں) نماز کے لیے بھیج دیں ـــــ اب یہ حصۂ فوج نماز کی جگہ پر آ کر اپنی دوسری رکعت (جو شروع میں رہ گئی تھی) کو انفرادی طور پر اسی طرح پورا کر لیں جس طرح نماز کی کچھ رکعتیں باجماعت پڑھنے والا ـــــ (جسے اصطلاح میں مسبوق کہتے ہیں) ـــــ بعد میں کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لیتا ہے۔

کتبِ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر، مندرجہ بالا طریقے کے علاوہ، تین چار اور مختلف طریقوں سے بھی نمازِ خوف ادا کی ہے اور ائمہ فقہا میں سے کسی نے ایک روایت کو ترجیح دی ہے اور کسی نے دوسری کو ـــــ مندرجہ بالا طریقے کی روایت، جو آیتِ قرآنی کی تفسیر کرتی ہے، عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے اور حنفیہ اسے ترجیح دیتے ہیں ـــــ دراصل اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نمازِ خوف کا انحصار جنگ کے وقت محل اور فوجی صورت حال پر ہے اور اس کی ترکیب میں وسعت اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ بوقتِ ضرورت ان طریقوں میں سے جو موزوں و مناسب معلوم ہو اسے اختیار کر لیا جائے

Marfat.com

نمازِ خوف کی تمام صورتوں میں فوج کا دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز پڑھنا اور نماز کے دوران ہی اپنی پوزیشن بدلتے رہنا بنیادی اصول ہے۔

(۳) چونکہ اس آیت میں تمام تر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نمازِ خوف کا حکم صرف حضورؐ کے ساتھ مخصوص تھا ـــــ مگر قرآن کریم کا یہ اندازِ خطاب عام ہے اور بھی احکام ایسے ہیں جن کے مخاطب حضورؐ ہیں مگر حکم آپ کے بعد دیگر مسلمانوں کے لیے بھی ہے ـــــ اور نمازِ خوف تو صحابہؓ نے حضورؐ کے بعد بھی پڑھی ہے اور کسی صحابی سے اس کے متعلق کوئی اختلاف منقول نہیں ہے ـــــ لہٰذا نمازِ خوف کے حکم کو آئندہ کے لیے متروک قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوج کے مختلف حصّے کر کے ہر ایک کے لیے الگ امام بھی مقرر کیا جا سکتا ہے اور اس طرح سب حصے الگ الگ اور باری باری سے بھی نمازِ خوف ادا کر سکتے ہیں ـــــ مگر یہ سب اس صورت میں ہے جب دونوں فوجیں آمنے سامنے موجود ہوں لیکن ابھی جنگ نہ شروع ہوئی ہو ـــــ عین معرکہ قتال میں، جب لڑائی زوروں پر شروع ہو، نماز کو مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور جماعت کو ترک کر کے ہر آدمی الگ الگ اپنی نمازِ خوف پڑھ سکتا ہے۔ اس صورت میں رکوع و سجود کے لیے اشارہ کافی ہے ـــــ اور استقبالِ قبلہ اور قیام بھی ضروری نہیں رہے گا۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ـــــ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ

Marfat.com

مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ
— وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔

(۱) کفار اور دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی کسی بھی غفلت سے فائدہ اٹھانے میں کبھی غفلت نہیں کریں گے۔ میدانِ جنگ میں تو وہ ایسے موقع کی تلاش میں رہیں گے ہی کہ ان کا بس چلے تو مسلمانوں کو سنبھلنے سے پہلے ہی جھپٹ پڑیں — لہٰذا یہ تمہارا فرض ہے کہ احتیاطی تدابیر اور چستی و مستعدی میں فرق نہ آنے پائے۔ بارش، بیماری اور کسی عذر کی وجہ سے ہتھیار اتار کر الگ بھی رکھے جا سکتے ہیں — اصل بات ہتھیاروں کو ہر وقت لٹکائے رکھنا نہیں بلکہ ذہن کا ہر وقت بیدار رہنا ہے — بس اتنی بات کر دو — پھر دیکھو تمہارے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کفار کو کیسی رسوا کن سزا دیتا ہے۔

(۲) آج بھی اعدائے اسلام مسلمانوں کو ان کے دینی مسائل سے غافل کر کے ان کے خلاف خفیہ فوجی تیاریوں میں لگے رہتے ہیں — جا بجا لائنوں پر بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کو بے خبری میں نقصان پہنچانے کی کوششیں ہوتی ہی رہتی ہیں — مسلمانوں کو خصوصاً اسلامی ریاستوں کو اپنے مخالفوں کے ان ارادوں سے اور احکامِ الٰہی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اپنے دفاعی انتظامات سے کبھی کے لیے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ
قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔

(۱) اس قسم کی ہنگامی نماز میں تخفیف و آسانی کے ان احکام کا یہ مطلب

Marfat.com

نہیں ہے کہ ذکرِ الٰہی میں بھی کمی کی اجازت ہے۔ سفر ہو یا جنگ ذکرِ الٰہی دل سے تو ہر وقت اور ہر صورت میں جاری رکھا جا سکتا ہے۔

(۲) نمازِ خوف میں "ادائے فرض" تو ہو جاتا ہے" باضابطہ ذکرِ الٰہی" میں کمی ضرور واقع ہوتی ہے اس لیے اس کی تلافی یہ ہے کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے حتیٰ کہ گرتے یا لیٹتے وقت بھی دل اور زبان سے اللہ کا ذکر جاری رکھو۔[1]

(۳) صرف نماز کی صورت میں اور نماز کے وقت ہی نہیں بلکہ ہر وقت اللہ کے احکام پیشِ نظر رکھو۔ اور ان احکام کا اتباع کرتے رہو۔

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا۔

ہنگامی حالات میں تو نماز کا تخفیف کے ساتھ ادا کر دینا ——— بھی کافی ہے مگر جب خوف، سفر یا جنگ کی حالت نہ رہے تو پھر نماز کو اس کی پوری شرائط کے مطابق اور اصل قاعدے کے مطابق ادا کرو ——— اہلِ ایمان کو دونوں طرح نماز کا پابند کیا گیا ہے اوّل تو نماز کا پڑھنا بھی ضروری اور واجب ہے دوسرے اس نماز کے لیے جو اوقات مقرر کر دیے گئے ہیں ان اوقات میں ہی پڑھنا ضروری ہے۔ یعنی نماز کا صرف ادا کرنا ہی نہیں بلکہ ٹھیک وقت پر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے آج کل

---

[1] قرآن کریم میں ذکرِ الٰہی کے احکام بکثرت ہیں اور ذکر میں اللہ کی نعمتوں اور اس کے حکموں کو یاد رکھنے کے علاوہ اس کے نام کا ذکر بھی شامل ہے۔ ذکر زبان سے بھی ہو سکتا ہے اور دل سے بھی۔ مگر بہترین ذکر وہی ہے جس میں دل و زبان دونوں شامل ہوں۔

Marfat.com

نماز کو "موقوت" سمجھنے کی بجائے اسے سرے سے "موقوت" ہی کر رکھا ہے
(۲) ہنگامی حالات کے سلیے" ادا، نماز (فَقَضَیْتُمْ) اور حالتِ اطمینان
میں" اقامتِ نماز" (فَاَقِیْمُوْا) کے حکم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے
کہ قرآنی اصطلاح" اقامتِ صلوٰۃ" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کی جملہ
شرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کیا جائے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۚ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔

(۱) بعض روایات کے مطابق یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے موقع پر نازل ہوئی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے زخمی سپاہیوں کے ساتھ جنگ کے دوسرے ہی دن لشکر قریش کا تعاقب کیا تھا ——— اس غزوہ کا ذکر سورہ آل عمران (آیت ۱۷۲) میں بھی گزر چکا ہے ——— تاہم آیت کا مضمون عام ہے۔

(۲) مسلمانوں کو اعدائے اسلام کے ساتھ لڑنے اور بوقتِ ضرورت ان کا تعاقب کرنے میں ہرگز سستی نہیں دکھانی چاہیے۔ جنگ میں کامیابی کے خیال سے یا تازہ زخموں اور تھکان سے نڈھال ہونے کے باعث بعض دفعہ دشمن کا تعاقب غیر ضروری یا دشوار نظر آتا ہے۔ حالانکہ جنگی نقطۂ نظر سے دشمن کی قوت پر کاری ضرب لگانے اور اس کے حوصلے پست کر دینے کے لیے اس کا تعاقب کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے ——— مسلمانوں کو اپنے موقف پر دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ جنگ کی مصیبت اور تکلیف سے دشمن بھی تو متاثر ہوا ہے۔ اگر کافر اپنے غلط مقاصد اور باطل عقائد کے سبب جنگ کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے تو مسلمان

Marfat.com

کی کمزوری دکھانا کیوں کر زیب دیتا ہے؟ ——— دوسرے یہ کہ کافر کے سامنے
تو جنگ کے دو ہی نتیجے ہیں فتح یا شکست مگر مسلمان کے لیے اس کا نتیجہ
بہر صورت "اللہ کے ہاں اجر" ہے۔ جو کسی صورت ضائع نہیں ہو سکتا ———
مسلمان کی قوت اور ہمت کا سرچشمہ یہی عقیدہ ہونا چاہیے ——— اسی یقینِ
محکم کے ساتھ، غلبۂ دین کی خاطر، ہر تکلیف و مشقت کو برداشت کرنا
آسان ہو جاتا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ	(اے پیغمبر) ہم نے یہ کتاب برحق آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان (ان کے نزاعی امور میں) اس خداداد علم و ہدایت کے مطابق فیصلے کریں (اور دیکھئے) آپ کبھی بددیانتوں اور دغابازوں کی طرف داری نہ کیجیے اور (جو کبھی بھول کر بھی ایسا ہو جائے تو) اللہ سے معافی مانگیے وہ بڑا درگزر کرنے والا
یقیناً ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب	
بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ	
حق کے ساتھ تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان	
بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن	
اس چیز کے مطابق جو تجھ کو سجھا دی ہے اللہ نے۔ اور تو مت ہونا	
لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾	
خائنوں کے لیے طرفدار	
وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ	
اور تو مغفرت طلب کر اللہ سے بیشک اللہ	

Marfat.com

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾	اور بڑا ہی مہربان ہے
بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی مہربان ہے	اور آپ ان لوگوں کی
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ	طرف سے وکالت
اور تو مت جھگڑا ان لوگوں کی طرف سے جو	نہ کرنے لگیں جو زعم
يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط اِنَّ	خود دوسروں سے مگر
دغا کرتے ہیں / بد دیانتی کرتے ہیں اپنے جی میں بیشک	حقیقتاً اپنے نفس
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ	سے خیانت کرتے ہیں
اللہ پسند نہیں کرتا اس کو جو ہو بڑا ہی	یقیناً اللہ کو ایسا شخص
خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ	جو بڑا [illegible] پسند نہیں ہے جو
خائن (اور) گنہگار اپنی ایسے لوگوں کو جو چھپ جاتے ہیں	دغا باز [illegible]
مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	ان لوگوں [illegible]
لوگوں سے مگر نہیں چھپ سکتے	السانوں [illegible]
مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ	[illegible] جاتا ہے مگر
اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب	اللہ سے [illegible]
	کیوں کر چھپ سکتے [illegible]
	سو تو اس [illegible]
	ان [illegible]
	[illegible]
	[illegible]
	[illegible]

ؔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے "لوگوں سے تو پردہ کرتے ہیں مگر خدا سے پردہ نہیں کرتے" یعنی وہ صرف اس زندگی کے مواخذے سے بچنا چاہتے ہیں، آخرت کا خیال نہیں۔

Marfat.com

Malva
24.6.69

يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ

وہ رات کو مشورے کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا (ایسی)

الْقَوْلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

باتوں کے (مشورے کرتے ہیں) اور اللہ جو کچھ وہ

يَعْمَلُونَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

کرتے ہیں اسے احاطہ کئے ہوئے ہے - ایسے تم (ہی)

هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ

وہ ہو جو جھگڑ چکے ان لوگوں کی طرف سے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قف فَمَنْ

دنیوی زندگی میں بھلا کون

يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

جھگڑا کرے گا اللہ کے سامنے ان کی طرف سے قیامت

الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ

کے دن یا کون ہوگا (اس دن)

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

ان کا کام بنانے والا

کرتے ہیں جو اللہ کو
پسند نہیں ہیں - اور
ان کے سارے
اعمال پر اللہ محیط ہے
(اور وہ سب اسکے
قابو میں ہیں) - اور
دیکھو! تم لوگوں نے
اگر اس دنیوی زندگی
میں ان مجرموں کی طرف
داری اور وکالت کر
بھی لی اور وہ یہاں
مواخذہ سے بچ بھی
گئے تو آخر قیامت
دن اللہ کے سامنے
کون ان کی طرف سے
جھگڑ سکے گا؟ اور
بھلا وہاں کون وکیل
بن کر ان کا کیس
سنبھال سکے گا؟

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات:-

اَرٰىكَ:- اَرٰى يُرِىْ (دکھانا، سکھانا) کے دو مفعول ہوتے ہیں جو یہاں ایک تو کَ ہے دوسرا محذوف ہے یعنی دراصل اَرٰىكَهٗ ہے۔ خَصِيْمًا:- یہاں معنی مُخَاصِمٌ (جھگڑا کرنے والا) ہے اور اس کی نصب خبر کان ہونے کی وجہ سے ہے۔ يَخْتَانُوْنَ:- خون سے افتعال ہے اور خَانَ يَخُوْنُ (خیانت کرنا) کے ہم معنی ہیں۔ خَوَّانًا:- اسی مادے سے اسم مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا خائن۔ يَسْتَخْفُوْنَ:- اِسْتِخْفَاء (خوف سے) استفعال کے معنی ہیں "چھپانے کی کوشش کرنا"۔ يُبَيِّتُوْنَ:- آیت ۸۱ کے تحت گزر چکا ہے۔ وَكِيْلًا:- خبر کان ہو کر منصوب ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

(۱) ان آیات میں دوبارہ اسی امانت و عدل کی تاکید ہے جس کا حکم آیت ۵۸ میں دیا گیا ہے اور پھر اسی عدل و امانت کے نفاذ اور اس کی بقا کے لیے اطاعت رسولؐ، جہاد اور ہجرت کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں (آیت ۸۲ - ۱۰۴) — آیات زیر مطالعہ میں اس عدل کامل کی بنیاد رکھی گئی ہے کہ تمام فیصلے خالصتاً اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ہوں اور ان میں ہرگز کسی قسم کے ذاتی میلانات، نسلی تعصبات اور گروہی مفاد کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہ ہرگز دیانت نہیں ہے کہ اپنی پارٹی کا آدمی ناحق پر ہو جب بھی اس کی حمایت کی جائے اور فریق مخالف کا آدمی برحق ہو تو بھی اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔ اسلامی عدل و امانت کی برکات بلا تمیز مذہب و ملت ہر انسان تک پہنچنی چاہئیں (آیت ۸۲ اور آیت ۱۰۵ دونوں میں بَيْنَ النَّاسِ کی صفت موجود ہے)۔

(۲) ان آیات کو تاریخی پس منظر میں سمجھنے کے لیے عہد رسالت کے ایک

Marfat.com

واقعہ کا ذکر ضروری ہے۔ جسے مفسرین نے ان آیات کے نشانِ نزول کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔ ایک دفعہ رفاعہ بن زید رضی انصاری کے گھر چوروں نے نقب لگائی اور ان کے ہتھیار (جن میں ایک زرہ بھی تھی) اور آٹے کی بوری لے گئے ۔۔۔ اپنے طور پر تحقیق کرنے سے[1] حضرت رفاعہؓ کو یہ پتہ چلا کہ یہ واردات طعمہ بن ابیرق (بعض روایات میں اس کا نام بشیر بھی آیا ہے) نامی ایک منافق مسلمان اور اس کے بعض بدمعاش ساتھیوں نے کی ہے ۔۔۔ رفاعہؓ نے اپنے ایک عزیز قتادہ بن نعمانؓ سے کہا کہ تم جاکر یہ واقعہ بارگاہِ رسالت میں بیان کرو شاید حضورؐ کی کوشش سے ہمارا مال مل جائے۔ طعمہ (یا بشیر) کے دو اور بھائی بشر اور مبشر بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر اپنے منافق بھائی کے خلاف رسوائی کی یہ خبر سنتے ہی ان کی وہی ذات برادری والی رگ پھڑک اٹھی جس کے اثرات خود ہمارے معاشرے میں پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قتادہؓ اور رفاعہؓ خواہ مخواہ ہمارے آدمی پر، جو مسلمان بھی ہو چکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں۔ آخر ان کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہؓ سے یہ پوچھا کہ تم بغیر قطعی ثبوت کے ایک مسلمان پر چوری کا الزام کیوں کر لگاتے ہو؟ اس وقت قتادہؓ کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں نے حضورؐ کے سامنے یہ چوری کی شکایت نہ کی ہوتی۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ آنحضورؐ پر آثارِ وحی ظاہر ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

---

[1] کہتے ہیں آٹے والی بوری میں سوراخ تھا جس سے آٹا راستے میں گرتا چلا گیا تھا۔ یہ نشان بھی سراغ نکالنے میں مفید ثابت ہوا۔

Marfat.com

بعض دوسری روایات میں اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں۔ کہ اپنا راز فاش ہونے کے خوف سے، یا جرم کو ناقابلِ سراغ بنانے اور تفتیش کا رخ دوسری طرف موڑ دینے کے ارادے سے، اس منافق طعمہ (یا بشیر) نے مالِ مسروقہ میں سے ایک زرہ (غالباً باقی مال کہیں ٹھکانے لگا لیا ہوگا) اپنے ایک پڑوسی یہودی "زید بن سمین" کے گھر بطور امانت رکھوا دی۔ اور بعد میں چھاپہ مروا کر زرہ اس یہودی کے ہاں سے برآمد کرا لی۔ یہودی کے حق میں بعض دوسرے یہودیوں نے گواہی تو دی مگر اصل چور (طعمہ یا بشیر) کی برادری والوں نے یہودیوں اور مسلمانوں کے کشیدہ تعلقات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا ——— اور کہا "حضورؐ! اس دشمن خدا و رسولؐ یہودی کی بات کا کیا اعتبار؟ ہماری بات تسلیم کی جائے کیونکہ ہم مسلمان ہیں" اب مقدمے کی ظاہری صورت یہ تھی کہ چوری کا مال بھی یہودی کے گھر سے برآمد ہوا تھا اور اس پر کئی گواہ موجود تھے۔ دوسری طرف یہودی کے صفائی کے گواہ صرف چند یہودی ہی تھے۔ ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی اسی طرف گیا کہ یہودی ہی اصل مجرم ہے قریب تھا کہ آپؐ یہودی کے خلاف حدِ سرقہ کا فیصلہ فرما دیتے اور شاید مستغیث کو بھی بنی ابیرق پر "ناحق" چوری کا الزام لگانے پر تنبیہ (Strictures) فرما دیتے ——— اتنے میں وحی نازل ہوئی اور معاملہ کی اصل حقیقت منکشف کر دی گئی ——— اس کے بعد بنو ابیرق نے خود ... اس سے ساتھیوں کو مجبور کر کے تمام مالِ مسروقہ برآمد کر کے ... کے پاس بھجوا دیا مگر طعمہ (یا بشیر) قطع ید کی سزا سے خائف ہو کر علی الاعلان دوبارہ مشرک ہو گیا۔ اور مرتد ہو کر مکہ کی طرف چلا گیا۔ وہاں پھر اس نے کسی کے گھر نقب لگائی مگر دیوار گر پڑی اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کے لیے خَوَّانًا اَثِیْمًا کے الفاظ آئے ہیں۔

Marfat.com

اسلام میں عدل کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ
دشمنِ اسلام یہودی کو ناکردہ جرم کی سزا سے بچانے کے لیے اس انفرادی

(۳) اسلام میں عدل کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک دشمنِ اسلام یہودی کو ناکردہ جرم کی سزا سے بچانے کے لیے ——— اس انفرادی واقعہ پر ——— قرآن کریم کی پوری گیارہ آیتیں (۱۰۵ - ۱۱۵) نازل ہوئیں۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔

(۱) اے پیغمبر صلعم! یہ کتاب برحق (قرآن کریم) آپ کو اس لیے دی گئی ہے۔ تاکہ آپ اس کے ذریعے حق کو نافذ کریں۔ اس کتاب کے ساتھ آپ کو وہ علم اور وہ دانائی بھی عطا فرمائی گئی ہے۔ اور ان چیزوں پر مطلع کیا گیا ہے جس سے آپ کو لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے میں کوئی الجھن اور دقت پیش نہیں آئے گی۔

(۲) آیت میں بالواسطہ یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ کتاب اللہ کے ذریعے لوگوں کے نزاعی امور (انفرادی جھگڑے ہوں یا اختلاف آراء) میں حق و انصاف کا نفاذ اسی صورت میں ممکن ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپؐ کے فہم قرآن کو بھی سامنے رکھا جائے ——— ورنہ عین ممکن ہے کہ محض ظاہر معنوں سے، یا معنوں کو "ظاہر" کرنے کی کوشش میں، اصل حقیقت سے اتنے دور ہو جائیں کہ جرم و معصیت اور بے گناہی و معصومیت میں فرق ہی نہ کر سکیں۔

وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا۔

(۱) اسلامی عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ کسی حالت اور کسی صورت میں بھی بددیانت لوگوں کی حمایت اور وکالت اختیار نہ کی جائے ——— کوئی جاہلی عصبیت، کوئی دنیوی مفاد اور کسی قسم کی مصلحت یا مجبوری نہیں قانونِ الٰہی سے اس طرح کھیلنے پر آمادہ نہ کرنے پائے ——— خیانت، معاملات

Marfat.com

میں ہو یا سیاست میں، عالمانہ ہو یا تاجرانہ کسی صورت میں اور کسی پہلو سے اسے تمہاری تائید حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔

(۲) اے پیغمبرؐ! یہ وحیِ الٰہی اور خدا داد علم کا نتیجہ تھا کہ آپ غلط فیصلہ کرنے سے بچ گئے اور عصبیت و جتھہ بندی کے الزام سے بھی محفوظ رہے

کیونکہ جس زمانے میں چوری کا مذکرہ بالا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت اسلام اور کفر کے درمیان ایک سخت کشمکش جاری تھی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقدمے کے ظاہری حالات کی بنا پر فیصلہ فرما دیتے تو اگرچہ اس میں آپ کے لیے کوئی گناہ کی بات نہ ہوتی کیونکہ عدالتوں میں ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں، مگر اس سے دشمنانِ اسلام کو آپؐ کے خلاف ایک اخلاقی حربہ ضرور مل جاتا۔ وہ کہتے پھرتے کہ اجی صاحب! حق و انصاف کے ان علمبرداروں کا حال تو دیکھو! فرقہ دارانہ تعصب اور غیر دیانتدارانہ طرفداری کی یہاں کون سی کمی ہے تا اس خطرے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے کے بارے میں خاص طور پر یہ آیات نازل فرمائیں:۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا :۔

(۱) بظاہر استغفار کا یہ حکم ان لوگوں کے حق میں ہے جنہوں نے جانبداری کے خیال سے منافق مجرم کے کیس کو مضبوط بنانے کی کوشش کی تھی یعنی حضورؐ کو ان لوگوں کے لیے دعائے مغفرت مانگنے کا حکم دیا گیا کیونکہ خود اصل چور کی طرح وہ سب کے سب حقیقتاً منافق نہیں تھے آیت کے نازل ہونے کے بعد انھوں نے خود ہی چوروں سے مالِ مسروقہ برآمد کر کے حضورؐ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اور جن لوگوں کو جرائم پیشہ قبائل کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک مالِ مسروقہ کی "واپسی" چور کے سزایاب ہو جانے کی نسبت کہیں زیادہ گراں اور باعثِ "توہین" سمجھی جاتی ہے

Marfat.com

(۲) اور اگر یہ معنی لیے جائیں کہ اے پیغمبرؐ! آپ اپنے حق میں طلبِ مغفرت کیجئے، تو اس سے اشارہ صرف حضورؐ کے اس میلانِ طبع کی طرف ہے جو مجرم کے خاندان، بنو اُبیرق کی بظاہر کامیاب وکالت کے باعث آپؐ کے اندر پیدا ہوا تھا۔ اگرچہ آپ نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں دیا تھا، لیکن خدا کا نبی تقویٰ اور طہارتِ قلبی کے جس مقامِ رفیع پر فائز ہوتا ہے، اس کے لحاظ سے اس قدر ارادہ اور ذہنی جھکاؤ بھی قابلِ استغفار قرار دیا گیا۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ۔
آئندہ بھی کبھی ایسے لوگوں کے وکیل بن کر نہ کھڑے ہو جائیں جو خیانتِ نفس کے مجرم ہوں بددیانت آدمی کی بددیانتی و دغا بازی کو "خیانتِ نفس" اس لیے کہا گیا ہے کہ اول تو خائن پہلے خود اپنی دل و دماغ کی قوتوں میں خیانت کرتا ہے یعنی ان کو غلط استعمال کرتا ہے۔ دوسرے اس لیے کہ بالآخر خیانت کا وبال خود خائن کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ کسی دوسرے کے ساتھ دغا کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرتے ہوئے، وہ صرف اپنے ہی ضمیر کو دھوکا دے رہا ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا:۔
خَوَّان اور اَثِیم مبالغہ کے صیغے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ چھوٹے چھوٹے خائن اور مجرم اللہ کو ناپسند نہیں ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ مجرم کو مجرم جانتے ہوئے بھی خواہ مخواہ اس کی حمایت کرنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ اس قسم کے حق پوش اور باطل کوش لوگ درحقیقت بڑے اونچے" درجے کے خائن و دغا باز اور بہت بڑے مجرم و بدکردار ہوتے ہیں ——— اور ایسوں کی حمایت کو بھلا خدا کیوں کر پسند کرنے لگا؟

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ:۔
(۱) یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ سے تو بات چھپی ہوئی ہے ہی، انسانوں سے بھی

Marfat.com

چھپا لیں تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔

(۲) لوگوں سے وہ اپنے اعمال پوشیدہ رکھنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اللہ سے کیوں کر چھپ سکتے ہیں؟

(۳) ان کے اخلاقی نظام کی بنیاد بس اتنی ہی ہے کہ "سب کچھ کرو مگر لوگوں میں اپنی ساکھ قائم رکھو۔ اسی کا نام ان کے ہاں "کامیاب سیاست" ہوتا ہے۔

(۴) حالانکہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی دلیل یہی ہے کہ وہ حقائق کے ساتھ لوگوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے —— اور ان کی حماقت کی انتہا یہ ہے کہ مخلوق کے سامنے ذلت و رسوائی سے تو شرماتے ہیں مگر خدا کے سامنے مجرم ہو کر پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔

وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۔

(۱) طعمہ کے حامیوں نے رات کو یہ رازدارانہ مشورہ کیا تھا کہ صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے "کیس" کو اس طریقے پر پیش کرنا چاہیے —— مگر یہ نہ سمجھے کہ ان کے یہ مشورے اللہ سے کیوں کر چھپے رہ سکتے ہیں تنہائی ہو یا رات کی تاریکی، اللہ تو ہر جگہ ان کے ساتھ اور ان کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔

(۲) منافق اور اعدائے دین اپنے منصوبوں کو خفیہ ہی رکھنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر ہی دیتا ہے کہ اصل حقیقت پر زیادہ دیر تک پردے نہیں ڈالے جا سکتے۔

هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۔

(۱) تاریخی پس منظر میں یہاں هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ کا خطاب بنو ابیرق اور

Marfat.com

طعمہ (سارق زرہ) کی برادری والوں سے ہے مگر آیت کے مفہوم میں عموم ہے۔ توجہ اس حقیقتِ کبریٰ کی طرف دلائی جارہی ہے کہ اصل جواب دہی اور ناقابلِ اپیل فیصلہ تو عدالتِ آخرت ہی کا ہے۔ یہاں اگر کسی طرح حقیقت پر پردہ ڈالنے یا کسی اور طرح سے بات بنانے میں کامیاب بھی ہو گیے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے سامنے کون مجرم کی پشت پناہی کر سکے گا اس دنیا میں قانون کی گرفت سے بچ جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہمیشہ کے لیے مواخذہ سے ہی چھوٹ گیے ہرگز نہیں بلکہ گناہ و بے انصافی کی بے جا حمایت کے جرم میں تم خود بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کر دیے جاؤ گے تو کیا پھر بہتر یہی نہیں کہ خود اپنے لیے اور اپنے عزیز رشتہ داروں کے لیے بھی مواخذۂ آخرت سے بچنے کی کوئی صورت تلاش کرو۔

(۲) ایمان بالآخرت اسلامی نظامِ اخلاق کی جڑ اور بنیاد ہے ـــــ اور قرآن کریم بار بار اور مختلف طریقوں سے قاری کی توجہ اسی پر مرکوز کرانا چاہتا ہے۔ غور کیجیے اس آیت کے مخاطب، آخرت کے منکر نہیں، بلکہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کے قائل تو ہیں مگر عملاً اس سے غافل بھی ہیں یعنی میں اور شاید آپ بھی ـــــ

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ اور جو کوئی کرے برائی (دوسرے کے خلاف) یا يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ زیادتی کرے خود اپنی جان پر پھر مغفرت طلب کرے	اور اگر کوئی شخص بُرا کام کر گزرے (جیسے کسی اور کے خلاف ہو مثلاً چوری بدزبانی) یا خود اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے (مثلاً گناہ یا

خیالات کی خیانتیں) اور اس کے بعد اللہ ہی سے معافی و بخشش کا طلب گار ہو

Marfat.com

اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا

اللہ سے تو وہ پائے گا اللہ کو بڑا بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

بڑا مہربان اور جو کوئی کمائے / کرتا ہے

اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى

گناہ تو بس وہ تو کماتا / کرتا ہے اپنے ہی

نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

جان کے خلاف اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

حکمت والا ہے اور جو کوئی کمائے / کرے کسی قسم کا بھی

خَطِيْٓــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ

قصور یا گناہ پھر

يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـــًٔا فَقَدِ

تہمت لگا دے اس کی کسی بے گناہ پر تو درحقیقت

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا

اس نے اٹھا لیا بڑا بہتان اور گناہ

تو وہ اللہ کو معاف کر دینے والا اور بڑا مہربان پائے گا اور جو کوئی کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو در اصل وہ یہ جرم اپنے ہی خلاف کرتا ہے اور اللہ کو تو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ دانا اور حکیم ہے پھر اگر کوئی آدمی کسی معمولی قصور یا (بڑے) جرم کے ارتکاب کے بعد اس کا الزام کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے تو اس نے بہتان اور بہت بڑا گناہ جیسا ارتکاب (کیا) اس نے دوہرا بوجھ اپنے سر لیا۔ ایک تو بہتان (کا) اور دوسرے خود اس

مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۲﴾	صریح گناہ کا۔
صریح	

لغوی ونحوی اشارات :۔

يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ اور يَجِدِ اللّٰهَ میں "ر" اور "د" کی زیر جواب شرط ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور دونوں جگہ اللہ منصوب مفعول ہے۔ خَطِيۡٓـئَةً: يَكۡسِبۡ (مفارع خفیف بوجہ شرط) کا مفعول ہو کر نصب میں ہے اس کی جمع خَطَايَا ہے۔ خَطِيۡٓـئَةً کے معنی "معمولی گر ارادی لغزش" کے ہیں خَطَأً غیر ارادی گناہ کو کہتے ہیں۔ اِثۡمًا: نصب مفعولیت کی وجہ سے ہے ــــ اِثۡمٌ کی جمع آثام ہے اور اِثۡمٌ کے معنی "سخت ممنوع کام کرنا" ہیں عموماً اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا نقصان براہ راست دوسرے انسانوں کو پہنچتا ہے یعنی جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓـئًا: يَرۡمِ اصل میں يَرۡمِيۡ تھا مگر جواب شرط ہونے کی وجہ سے یٰ گر گئی۔ بِهٖ میں ضمیر "ہ" اِثۡمٌ کے لیے ہے اور اَوۡ کی وجہ سے خَطِيۡٓـئَةً اور اِثۡمٌ دونوں کے لیے بھی ہو سکتی ہے بَرِيۡٓـئًا ــــ يَرۡمِ کا مفعول ثانی ہے۔ بُهۡتَانًا کی نصب اِحۡتَمَلَ کے مفعول ہونے کی وجہ سے ہے ــــ بُهۡتَانٌ کے معنی "کسی سے دانستہ ایسی برائی منسوب کرنا جو حقیقتاً اس میں نہیں پائی جاتی"۔ کسی کے متعلق سنی سنائی برائی بلا تحقیق بیان کرنے کو اِفۡكٌ اور کسی کے اندر پائی جانے والی برائی کو اس کی پیٹھ پیچھے بیان کرنے کو غِيۡبَةٌ کہا جاتا ہے۔ اور برائی کی یہ تینوں صورتیں قرآن کریم نے حرام قرار دی ہیں۔

Marfat.com

تفہیم و تفسیر:-

پچھلی آیتوں میں عدالتِ آخرت کی جوابدہی کا خوف دلایا گیا تھا۔ اب یہاں مواخذۂ آخرت سے بچنے کی درست صورت (استغفار) کا ذکر کرتے ہوئے یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ اپنا گناہ دوسرے کے سر تھوپنے سے آدمی سچ مچ بے گناہ نہیں "ہو جاتا" بلکہ حقیقتاً زیادہ گنہگار ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا بُرائی نہیں، خوبی ہے۔ اس کے برعکس اپنا گناہ دوسرے کے سر تھوپنا بنیادی شیطنت ہے۔ گناہ کو گناہ نہیں کاٹتا۔ بھلا بدرَو کے پانی سے بھی کپڑا صاف کیا جا سکتا ہے؟

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

(۱) گناہ کی نوعیت جو بھی ہو، کسی دوسرے کے خلاف سرزد ہوا ہو (مثلاً، ظلم، چوری، رشوت، سود) یا صرف اپنی ہی ذات کو ملوث کیا ہو (مثلاً، ترکِ نماز، شراب، نگاہِ ناپاک)، اس کے مواخذہ سے بچنے کی واحد صورت اظہارِ ندامت و طلبِ مغفرت ہے ۔۔۔ پھر اس میں الزام یا اپنے غیر مفید بلکہ نقصان دہ "دفاع" کی کیا ضرورت ہے؟ ۔۔۔ ہر انسان سے اس کے ذاتی اعمال کا مواخذہ ہو گا اور اُس کو اس مواخذے سے نہ دوسروں کی وکالت بچا سکتی ہے نہ اپنی ذہانت و فطانت ۔۔۔ اس معاملے میں یہ سب "بڑے بڑے ہتھیار" بے کار ہیں۔ اِستغفار کے سوا اس بھنور سے نکلنے کا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

(۲) اِستغفار کے معنی "معافی مانگنا" درگزر کی درخواست کرنا" ہیں۔ قرآن کریم میں اس لفظ کے مختلف صیغے ۴۳ مقامات پر استعمال ہوئے ہیں اور اس کے معنوں میں "کسی دوسرے کے لیے معافی مانگنا" اور "کسی کو یہ کہنا کہ آپ مجھے معاف

Marfat.com

دلا دیں" بھی شامل ہیں۔ اِستِغفَار، گزشتہ خطاؤں اور گناہوں کے لیے معافی طلب کرنے کا نام ہے اور توبہ مستقبل میں گناہ سے باز رہنے کے عزم کا اظہار ہے۔ اور اس طرح یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں سے بھی معافی مانگی جائے اور اِستِغفَار کا تقاضا یہ ہے کہ آئندہ بھی گناہوں سے بچ کر رہے۔

(۳) اِستِغفَار کی فضیلت اور اس کی تاکید پر کتاب و سنت میں بہت کچھ مواد موجود ہے۔ بخاریؒ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دن میں ستر سے زیادہ دفعہ ـــ اور مسلم رحؒ کی روایت سے آپؐ کا دن میں سو دفعہ مغفرت طلب کرنے کا پتہ چلتا ہے ـــ ایک حدیث میں استغفار کو گناہوں پر اصرار سے بچنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے (مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ) ـــ ایک اور حدیث میں اِستِغفَار کو صیقلِ قلب کہا گیا ہے (فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ) ـــ اسی طرح حضورؐ نے استغفار کے لیے اچھے الفاظ کی بھی تعلیم دی ہے۔ ان میں سَیِّدُ الاِسْتِغفَار بہت مشہور ہے، جو بخاری کی روایت کے مطابق یوں ہے:-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ [1]	میرے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا ادنیٰ بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیرے عہد و پیمان پر کاربند ہوں مگر جو کچھ مجھ سے سرزد ہوئے اس کے بُرے نتائج سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے ان نعمتوں کا اقرار ہے جو تو نے مجھ نالائق پر کی ہیں اور میں اپنے گناہ کا بھی اعتراف کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی دوسرا گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا

[1] دیکھیے حاشیہ صفحہ ۳۸۰ پر۔

Marfat.com

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ؕ

گناہ کا اور اس کی معافی یا سزا کے بارے میں یہ بنیادی حقیقت ذہن نشین رہے کہ گناہ کا وبال بالآخر خود اس کے مرتکب کو ہی بھگتنا پڑتا ہے ——— اس لیے اسے ضروری ہے کہ وہ اس کے تدارک وتلافی کی کوشش کرے۔ اور خدائے علیم وحکیم کو ہر شخص کے افعال کی خبر ہے اور وہ جزا وسزا کی مصلحتوں اور حکمتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ؏

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ ہر آدمی اپنے عمل کے لیے خود ذمہ دار ہوگا (آیت ۱۱۱) برُے اعمال کے مواخذہ سے بچنے کی صورت ضرور کوئی ہونی چاہیئے۔ مگر اس کا طریقہ یہ ہرگز نہیں کہ اپنا گناہ، چھوٹا ہو یا بڑا، دانستہ یا غیر دانستہ، حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے ——— کسی دوسرے کے سر تھوپ دیا جائے ——— یہ حرکت یقیناً مجرمانہ ذہنیت اور ضمیر واخلاق کی انتہائی پستی کا ایک نمونہ ہے۔ اس لیے اسے خاص طور پر قابلِ گرفت ٹھیرایا گیا ہے۔ دنیا میں بھی ایسا شخص "بہتان تراش" کہلا کر ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں تو اس کا گناہ واضح ہی ہے ——— مواخذہ سے بچنے کی درست صورت وہی ہے جو آیت ۱۱۰ میں بیان ہوئی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۸۶) ؎ اس موضوع پر مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب الدعوات کے باب الاستغفار والتوبہ کا مطالعہ خصوصاً ایمان افروز ثابت ہوگا۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ	اے محبوب (صلی اللہ علیہ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تجھ پر	وسلم) اگر اللہ کا فضل اور
وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ	اس کی رحمت آپ کے
اور اس کی رحمت تو تہیہ کر ہی لیا تھا ہوتا ایک گروہ نے	شاملِ حال نہ ہوتی (جس
مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا	کی بنا پر آپ بچ گئے
ان ہی سے اس بات کا کہ وہ بہکا دیں تجھ کو۔ اور وہ نہیں	ورنہ) تو ان میں سے ایک
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ	گروہ نے اس بات کا
بھٹکاتے مگر صرف اپنے ہی آپ کو اور	بس تہیہ ہی تو کر لیا تھا کہ
مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ	(کسی طرح) آپ کو غلط
وہ نہیں بگاڑ سکتے تیرا کچھ بھی تو۔	راستے پر ڈال دیں حالانکہ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	وہ صرف اپنے آپ
اور نازل کی ہے اللہ نے تجھ پر کتاب	کو ہی غلط راستے پر
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا	ڈال رہے تھے اور آپ
اور حکمت اور سکھایا ہے تجھ کو جو	کا تو وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ
لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ	سکتے تھے۔ اور اللہ
تو نہیں تھا جانتا (ویسے) اور	نے آپ پر کتاب
	اور حکمت نازل کی
	ہے اور (اس طرح)
	آپ کو وہ کچھ سکھا
	دیا۔ جو آپ (کسی اور
	طریقے پر) تو سیکھ
	ہی نہیں سکتے تھے)
	اور آپ پر (تو اللہ

Marfat.com

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾

اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا (ہے)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ

نہیں ہے کوئی بھلائی ان

نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ

کی اکثر سرگوشیوں / کے اکثر خفیہ مشوروں میں سوائے اس شخص کی سرگوشی کے جو حکم دے

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ

خیرات کا یا اچھی بات کا یا

اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَ

لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا ۔ اور

مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ

جو کوئی کرے گا یہ (ایسے نیک کام) بغرض چاہنے

مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

اللہ کی رضا کے تو ہم

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾

دیں گے اس کو بڑا ثواب

کا بڑا ہی فضل ہے — ان (منافقوں) کی پوشیدہ سرگوشیوں (اور ان کے خفیہ مشوروں) میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی کی بات نہیں ہوتی۔ (کیونکہ بھلائی کے حامل تو صرف اس قسم کے مشورے ہوتے ہیں جن میں مثلاً پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین ہو یا (وہ) کسی قسم کے نیک کام کے بارے میں یا لوگوں کے مابین کی اصلاح کی خاطر ہوں۔ مگر منافقوں کو یہ توفیق نصیب [illegible]) جو کوئی (بھی ذاتی منفعت کا خیال کیے بغیر) محض اللہ کی رضاجوئی کے سبب (ایسے نیک) کام کرے گا۔ تو ہم اسے بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

Marfat.com

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ

اور جو کوئی مخالفت کرے گا پیغمبرؑ کی بعد

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

اس کے کہ کھل چکی اس پر ہدایت (کی راہ)

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

اور پیروی کرے گا مومنوں کے راستے کے علاوہ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى

(کسی اور راہ کی) تو ہم اسے متوجہ کریں گے ادھر جس طرف وہ (خود) متوجہ ہوا

وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ

اور (پھر) ہم اسے لے کر ڈال دیں گے دوزخ میں اور بہت بری ہے

مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

(وہ جگہ) ٹھکانے کی

مگر جو شخص راہ راست کے (یوں) واضح ہو چکنے کے بعد بھی رسولؐ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے۔ اور (جمہور) اہل ایمان کے رستے سے ہٹ کر کسی اور روش پر چلے تو ہم (بھی) اس کے سپرد وہی چیز کریں گے جدھر وہ خود پھر گیا (اور اسے وہی کرنے دیں گے جو کچھ وہ خود کرنا چاہتا ہے) اور (انجام کار) ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔

لغوی و نحوی اشارات :-

لَوْلَا :- کا جواب ایک فعل محذوف مانا جائے گا۔ یعنی لَاَضَلُّوْكَ (تو وہ تجھے گمراہ کر لیتے) ـــــــ اور یہ ہو سکتا ہے کہ لَهَمَّتْ اس کا جواب ہو اس صورت میں لَهَمَّتْ کا ترجمہ "تو تہیہ کر لیا ہوتا" ہو گا۔ پہلی صورت میں لَهَمَّتْ کا ترجمہ "تہیہ ہی تو کر لیا تھا" ہو گا ـــــــ مِنْ شَيْءٍ :- مِنْ شَيْءٍ مصدر

ضرر کے قائم مقام ہے۔ لَا خَيْرَ :- میں لا نفی جنس ہے۔
نَجْوٰىهُمْ :- میں نجوٰی کے معنی "سرگوشیاں کرنا" بھی ہو سکتا ہے اور "سرگوشیاں
کرنے والے" بھی ——— اِلَّا مَنْ اَمَرَ :- میں مَنْ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ
یہ نجوٰی بمعنی "سرگوشی کنندگان" کے لیے ہے اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا "سوائے
اس سرگوشی کنندہ کے جو حکم دیتا ہے" ——— دوسرے یہ کہ نجوٰی بمعنی "سرگوشی"
لیا جائے تو پھر مَنْ سے پہلے ایک محذوف ماننا پڑے گا یعنی دراصل یہ اِلَّا نَجْوٰى
مَنْ اَمَرَ ... " ہے اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا ——— "سوائے اس شخص کی
سرگوشی کے جو حکم دیتا ہے ...." اِبْتِغَاءَ :- مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے
نصب میں ہے۔ مَرْضَاتِ اللّٰهِ :- مرکب اضافی ہے۔ مَرْضَات،
جو قرآن کریم سے باہر مَرْضَاۃ لکھا جاتا ہے، دراصل رَضِيَ يَرْضٰى (ناقص
واوی) کا ایک مصدر ہے۔ يُشَاقِقْ ... کو يُشَاقِّ ... بھی پڑھ
سکتے ہیں۔ نُوَلِّهٖ اور نُصْلِهٖ میں ضمیر "ہ" مَنْ ... کے لیے ہے۔

تفہیم و تفسیر :-

یہ آیات بھی اپنے پس منظر کے اعتبار سے قصۂ اُبیرق سے متعلق ہی ہیں ان
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم عن الخطا ہونے کا، نیز حضورؐ کی مخالفت
اور جمہورِ مسلمین کے طریقے سے انحراف کی سزا کا ذکر ہے اور خفیہ نجوٰی مشوروں
کی بجائے خاموشی اور رازداری سے تعمیری مقاصد کے لیے کام کرنے کی تلقین
کی گئی ہے :-

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ :-

(۱) طعمہ (بشیر) بن ابیرق کے حامیوں نے سرقۂ زرہ کے معاملے میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلط فیصلہ صادر کرانے کا پورا اہتمام کر دیا۔

Marfat.com

تھا۔ اللہ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت یوں تو ہمیشہ ہی حضورؐ کے شاملِ حال تھی مگر اس واقعہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور ہوا اور آپ کو ٹھیک وقت پر بذریعہ وحی اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا۔

(۲) آیت میں ہمارے لئے یہ نصیحت ہے کہ راہِ حق سے بہکانے والوں کے ناپاک ارادوں سے حفاظت صرف اللہ کے فضل وکرم سے ہی ممکن ہے۔ اپنی احتیاط سے بھی زیادہ اللہ پر اعتماد ضروری ہے۔

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَىْءٍ :-

(۱) حضورؐ کو دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا کر کے وہ لوگ آپؐ سے حسب منشا غلط فیصلہ حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف پر، پبلک کے اعتماد کو تو کسی طرح نقصان نہ پہنچا سکے، البتہ خود راہِ راست سے بھٹک کر عند اللہ سزا کے مستحق بنے۔

(۲) اگر وہ لوگ اپنی چالاکی سے حضورؐ کو دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہو جاتے اور اپنے حق میں فیصلہ صادر کرا لیتے جب بھی نقصان انہی کا تھا۔ حضورؐ کا تو اس میں کچھ نہ بگڑتا ـــــ کیونکہ اللہ کے ہاں مجرم وہی ہوتے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) دوسروں کو دھوکا دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لینا بہت بڑی گمراہی نفس اور خود فریبی ہے؟ نہ تو فریب خوردہ حاکم یا شخص پر اس قسم کے غلط فیصلے کا کوئی وبال ہوتا ہے اور نہ ہی یہاں کے غلط فیصلوں سے اللہ کے ہاں اصل حقیقت بدل جاتی ہے۔ وہاں کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا :-

(۱) اور اے پیغمبرؐ! منافق کیوں کر آپ کو دین کے کسی بھی معاملے میں مغالطہ میں ڈال سکتے ہیں؟ اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی اور اس کے ساتھ آپ

Marfat.com

کو حکمت عطا فرمائی مزید برآں آپ کو شرائع اور قضایا بازنا نون کے عملی استعمال) کا وہ خاص علم سکھایا جس کے سیکھنے اور جاننے کے کوئی ذرائع آپ کے پاس ہرگز نہ تھے۔ اور یہ سب کچھ اس عظیم فضل کا نتیجہ ہے جس سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔

(۲) آیت میں حضورؐ کی طرف "کتاب وحکمت" کے نازل ہونے کا ذکر ہے کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے ـــــ اور حکمت سے مراد سنت اور دونوں کا خدا کی طرف سے نازل ہونا، نصوص قرآن وسنت کی حجیت کی دلیل ہے ـــــ قرآن کریم میں لفظ "حکمت" آٹھ مقامات پر تو "کتاب وحکمت" ملا کر اور نو مقامات پر صرف اکیلا لفظ "حکمت" آیا ہے۔ حکمت کے لفظی معنی تو دانائی کے ہیں مگر اس سے مراد خاص طور پر علم نبوت اور علم کتاب ہے قرآنِ کریم میں جہاں جہاں لفظ حکمت علیحدہ اور کتاب کے ذکر کے بغیر آیا ہے وہاں تو بہت سے ائمہ لغت وتفسیر اس سے مراد "حق کو پہچان کر اس پر عمل کرنا" اور "قول و فعل میں ہر دو میں یکساں درستی" لیتے ہیں ـــــ اور جن جن مقام پر لفظ حکمت کتاب کے ساتھ مل کر آیا ہے وہاں ہمیشہ اس سے مراد سنت لی جاتی ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ:

(۱) جس طرح ابن اُبیرق کے حامیوں نے اپنا سارا پروگرام سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں میں طے کیا تھا ـــــ اسی طرح اکثر لوگ "نجوٰی" (سرگوشی اور کان میں کہی جانے والی بات) کا استعمال بھلائی کی بجائے برائی کے لئے ہی کرتے ہیں ـــــ زیادہ تر اس کا مقصد غیبت، عیب جوئی اور فریب ہی ہوتا ہے۔

(۲) انسانوں میں "نجوٰی" کی جتنی بھی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ چاہے وہ انفرادی بات چیت ہو یا جماعتوں اور حکومتوں کے خفیہ ریکارڈ۔ ان میں سے اکثر و بیشتر میں کوئی بھلائی کی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ عموماً برے مقاصد ہی سامنے

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے سیاسی جوڑ توڑ، محلاتی سازشوں، اور پسِ پردہ داؤ پیچ پر "نجویٰ" کا اطلاق ہوتا ہے۔

إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ :-

البتہ چند صورتیں "نجویٰ" کی ایسی بھی ہیں جن میں بھلائی کا پہلو موجود ہے ——— مثلاً پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات دینا، کسی کو قرض حسنہ دینا یا کسی ضعدار مستحق کی چپکے سے مدد کرنا ——— کسی غلط کار آدمی کو نیک مشورہ دینا اور بھلے (معروف) طریقے پر اسے علیحدگی میں نصیحت کرنا ——— یا نازک جھگڑوں کو طے کرانے کے لیے باہم کشیدہ اشخاص کے درمیان مصالحت و مفاہمت کرانے کے لیے فریقین سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنا اور ہر ایک کے دل کی بات سننا ——— یا کوئی اور ایسی صورت جس میں محض شہرت طلبی اور ناموری کی بجائے حقیقتاً کچھ اچھا کام کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو ——— ان صورتوں میں تو "نجویٰ" کے کچھ فوائد ہیں مثلاً صدقہ میں اظہار کر دینے سے لینے والے کو عار محسوس ہوگی ——— نصیحت میں اظہار و اعلان باعثِ فضیحت ہو سکتا ہے اور باہمی اصلاح کی کوشش میں حقائق کا اظہار اصل مقصد کو فوت کر دیتا ہے

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا :-

تو جو شخص اس قسم کے مقاصد کے لیے "نجویٰ" کا استعمال کرتا ہو، جو چھپ چھپ کر خالصتاً لوجہ اللہ نیکی کرتا اور نیکی پھیلاتا ہو۔ جس کے عمل میں ریاکاری اور ذاتی دنیوی اغراض کی بجائے اخلاص اور لِلّٰہیت ہو اور ——— شہرت و ناموری کی بجائے جس کا مقصد وحید اللہ کی رضامندی ہو ——— ایسے آدمی کو یقیناً اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ملے گا۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ

Marfat.com

الْهُدٰی ــــ وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ ــــ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔

(۱) تَبَیَّنَ هُدٰی" یعنی راہِ راست کی وضاحت کے ذکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں بات ان "مرتدوں" کی ہو رہی ہے جو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو چکے، بلکہ اپنے اسلام کا اعلان بھی کر چکے مگر پھر نفسانی خواہشات نے انہیں رسول ؐ کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ــــ اور وہ مسلمانوں کے متفقہ مسلک کو چھوڑ کر "روشن خیال" بن گئے اور یہ نہ سوچا کہ کسی کی اپنی انفرادی عقل تو اسے گمراہ بھی کر سکتی ہے مگر جمہور اہل ایمان کیوں کر غلطی و گمراہی پر اتفاق کر سکتے ہیں؟ ــــ یہی وجہ ہے کہ ہدایت الٰہی اور سبیل مومنین کو چھوڑ کر رسول ؐ (اور ان کی سنت) کی مخالفت اختیار کرنا ایسا جرم ہے۔ کہ اس کی سزا جہنم جیسی بُری جگہ ہے۔

(۲) اسی آیت سے اجماع کی حجیت پر زبردست دلیل ملتی ہے ــــ مومنوں کے راستے سے الگ ہونا جب حرام اور مستحقِ جہنم ہے تو لازماً اس کی برعکس صورت یعنی "اتباعِ طریقِ مسلمین" واجب ہوا ــــ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت میں مومنوں کے راستے سے ہٹ کر چلنے کو مخالفتِ رسول ؑ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ	یقیناً اللہ یہ گناہ معاف کرتا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کروانا جائے۔ البتہ اس کے سوا اور سب کچھ معاف کر سکتا ہے جب
یقیناً اللہ نہیں بخشتا۔ بات کہ شریک ٹھیرایا جائے (کسی کو) اس کا	
بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ	
اور (شاید) وہ بخش دے اس کے سوا (دوسرے گناہ)	

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ

جس کو چاہے اور جو کوئی

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ

شریک ٹھیراتا ہے اللہ کے ساتھ (کسی کو) تو بس وہ تو بھٹک کر پڑ گیا

ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ

دور کی گمراہی ہیں (اور) جو پکارتے بھی ہیں

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ

اس (اللہ) کے سوا تو بس عورتوں کو (ہی پکارتے ہیں) اور یہ لوگ

يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لا

پکارتے بھی ہیں تو بس شیطان سرکش کو

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

جس پر لعنت کی ہے اللہ نے۔ اور وہ (شیطان) تو کہہ چکا کہ میں ضرور لے کر رہوں گا

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا

تیرے بندوں سے (اپنا) مقرر

مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

حصہ اور میں ضرور انہیں بہکا کر رہوں گا

جسے وہ معاف کرنا چاہے اور جس نے اللہ کے ساتھ (کسی کو بھی) شریک ٹھیرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا اور (پھر) وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے کسے ہیں؟ دیویوں کو؟ (بیجان چیزوں کو؟) اور اس سرکش شیطان کو پکارتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کر دی ہے اور جس نے (اللہ سے) یہ کہہ دیا کہ "میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا۔ اور میں انہیں ضرور بہکاؤں گا

Marfat.com

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

اور ضرور ان میں آرزوئیں پیدا کر کے رہوں گا اور میں انہیں (ایسا) سکھاؤں گا

فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

کہ وہ ضرور چیرا کریں گے کان جانوروں کے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ

اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ بدل ڈالیں گے اللہ کی بناوٹ / مخلوق کو

اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ

اور جو کوئی بنائے گا شیطان کو

وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

دوست اللہ کو چھوڑ کر پس وہ

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾

نقصان میں رہا، صریح نقصان (ایک) سے

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا

(شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، اور نہیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا

وعدے کرتا ان سے شیطان مگر

اور ضرور ان میں ہوس پیدا کر کے چھوڑوں گا اور میں انہیں حکم دوں گا اور وہ (میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے) جانوروں کے کان پھاڑ دیا کریں گے اور میں انہیں حکم دیا کروں گا اور (جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) وہ خدا کی بنائی ہوئی صورتوں کو بھی بدلا کریں گے — اور جس نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی سرپرست بنایا وہ تو صریح نقصان میں رہا۔ (کیونکہ) —

۵۰ (شیطان) ان سے وعدہ کرتا ہے اور وہ انہیں سبز باغ دکھاتا ہے مگر شیطان کے یہ سارے وعدے

Marfat.com

غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ	دغا وفریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں سے یہ کہیں بھاگنے نہ پائیں گے۔
فریب دینے کے لیے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا	
جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا	
دوزخ ہے اور (جو) نہیں پائیں گے اس (دوزخ) سے	
مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾	
بھاگنے کی جگہ	

لغوی ونحوی اشارات:۔

ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا:۔ مفعول مطلق ہو کر نصب میں ہے اِنَاثًا:۔ حالتِ نصب یَدْعُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ لفظ اُنْثٰی کی جمع ہے۔ اس سے مراد تمام بے جان چیزیں، پتھر، بت، سورج وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں مَرِیْدًا:۔ اس کا مادہ مرد ہے۔ تمرّد بمعنیٰ سرکشی اسی سے نکلا ہے۔ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا:۔ مرکب توصیفی ہے اور نصب مفعولیت کی وجہ سے ہے ـــــ آیت ۱۱۹ میں چھ مثالیں مضارع موکد بنون ثقیلہ کی ہیں۔ ازاں جملہ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ:۔ منی سے باب تفعیل ہے۔ اس کے معنی "آرزوئیں دلانا" اور مراد ہیں پوری کرنے کا دھوکا دینا" ہیں۔ فَلَیُبَتِّکُنَّ:۔ بتک (کاٹ دینا) سے باب تفعیل کا صیغہ ہے۔ غُرُوْرًا:۔ کی نصب مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مَحِیْصًا:۔ حاص یحیص (بھاگ نکلنا، خلاصی پانا) سے مصدر ہے۔

تفہیم وتفسیر:۔

گزشتہ آیات میں نفاقِ باطن، ارتداد اور مخالفتِ رسول ﷺ کا ذکر تھا اور کفر و

Marfat.com

شرک کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے بلکہ درا صل ان کا سبب بھی شرک ہے اور نتیجہ بھی شرک ــــ غالباً اسی لیے آیاتِ زیرِ مطالعہ (۱۱۶ - ۱۲۱) میں دوبارہ[1] شرک کے ناقابلِ مغفرت گناہ ہونے پر زور دیا گیا ہے ۔ اور ردِ شرک کے ضمن میں مشرکین عرب کے بعض توہمات اور جاہلانہ عقائد و بدعات کا ذکر کر دیا گیا ہے ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ؕ ۔

اس سے پہلے آیت ۴۸ میں بعینہٖ یہی الفاظ گزر چکے ہیں ۔ یہ عبارت قرآنِ کریم میں انہی دو مقامات پر آئی ہے ــــ شرک کے ناقابلِ مغفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ "افترائے عظیم" (آیت ۴۸) اور "ضلال بعید" (آیت ۱۱۶) ہے ۔ خدا پر اتنا بڑا جھوٹ گھڑنا ، کہ کائنات میں کوئی اور بھی اس کے اقتدار میں شریک ہے ، گمراہی کی وہ انتہا ہے جس سے معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ البتہ شرک کی ناقابلِ معافی صورت وہی ہے جب آدمی توبہ کیے بغیر مر جائے ۔ کیونکہ ایمان اور عمل صالح سے تو ہر قسم کے گناہوں کی تلافی ہو ہی سکتی ہے ۔

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔

(۱) اس سے پہلے آیت ۴۸ میں اہلِ کتاب کے شرک کا ذکر کرتے ہوئے اسے "افترائے عظیم" قرار دیا گیا تھا ۔ اس لیے کہ وحی و نبوت پر ایمان کے بعد بھی شرک کا مرتکب ہونا ، بلکہ آیاتِ ربّانی سے ہی شرک "ثابت کرنا" والسنتہ افتراء ہے ــــ موجودہ آیت میں مشرکین عرب کے شرک کا بیان کرتے ہوئے اسے "ضلالِ بعید" (گمراہی کی انتہاء) کہا گیا ہے ، کیونکہ یہاں

---

[1] پہلے آیت ۴۸ میں یہی مضمون گزر چکا ہے ۔

Marfat.com

شرک کا سبب جہالت اور لاعلمی تھی۔

(۲) جس طرح توحید تمام نیکیوں کی اصل ہے اسی طرح شرک ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ توحید سے راہرو کا رُخ منزل مقصود کی طرف متعین ہو جاتا ہے۔ اور امید کی جاسکتی ہے کہ یہ آدمی گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا بھی کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ جائے گا۔ اس کے برعکس شرک اختیار کرنے سے آدمی کا رُخ ہی غلط ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کا ہر قدم اسے منزل سے دور ہی تو لے جائے گا۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا۔

(۱) اس آیت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شرک کا آغاز یوں ہوتا ہے یا شرک کی عام رائج صورت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اَور کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ اور اس سے "دعا" مانگی جائے۔ یہی مضمون قرآنِ کریم کی دوسری آیات میں بیان ہوا ہے۔

(۲) "اناث" کے ذکر سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر و بیشتر مشرک اقوام نے دیوتاؤں کے علاوہ دیویوں کی ایک بڑی تعداد کی پوجا کی ہے، جن کے ذکر سے ان قوموں کی دیومالا (Mythology) بھری پڑی ہے۔ یونانیوں کی منروا، وینس، فرتونا اور ہیبی ــــ مصریوں کی ہاتور، ماآت اور ایزیس ــــ ہندیوں کی کالی، لکشمی، سرسوتی اور درگا ــــ اور مشرکین عرب کی لات منات اور عزّیٰ ــــ کے ناموں سے تمام پڑھے لکھے واقف ہی ہیں۔

(۳) دیوی کے علاوہ "اناث" کے دوسرے معنی کمزور اور ضعیف چیز کے بھی ہوتے ہیں۔ پھر یہ لفظ پتھر کی بے جان مورتوں وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ــــ اور اس کے مجازی معنی مطلق بے جان اشیاء بھی ہوتے ہیں ــــ یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر مفسرین نے اس آیت میں اناثا سے

Marfat.com

مراد بُت اور دیگر بے جان معبود بھی لیے ہیں۔

وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ

(۱) یہ بات تو مشرک بھی جانتے ہیں کہ یہ بے جان اشیاء اور پتھر کے بُت کچھ سنتے اور سمجھتے نہیں — غالباً اور عموماً وہ ان کے پس پردہ کسی روح کو پکارتے ہیں — مگر یہ بھی ان کی حماقت ہے کیونکہ شرک کی یہ ساری صورتیں شیطان ہی کی ایجادیں ہیں۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ لوگ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکاریں اور شرک کے مرتکب ہوں پس شیطان کے بہکانے پر کسی غیر اللہ کو پکارنا دراصل شیطان ہی کو پکارنا ہے۔

(۲) شیطان کی عبادت ان معنوں میں تو کوئی بھی نہیں کرتا کہ اس کے لیے ظاہراً کوئی مذہبی رسوم ادا کرتا ہو۔ یا اسے اپنی مشکلات میں مدد کے لیے پکارتا ہو — البتہ شیطان کو معبود بنانے کی یہی صورت ہے کہ آدمی اس طرح شیطان کی مرضی کے مطابق چلنے لگے، گویا وہی اس کا آقا و مالک ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ کسی کی بے چون وچرا فرمانبرداری اور اندھا دھند پیروی بھی دراصل اس کی "عبادت" ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ — کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے؟ (الجاثیہ)

میں عبادت اور معبود کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۳) شیطان کو پکارنے سے مراد وہ سفلی اعمال اور جادو وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں جسے بالکل بے دین اور جاہل مطلق اشخاص بڑی روحانی [illegible] سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں۔

(۴) یہاں شیطان کو سرکش اور لعنتی قرار دیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سرکشی اور عدم اطاعت کا راستہ ہی اصل شیطانی راستہ ہے — اس راستے پر پڑنے سے ہی آدمی خدا کی رحمت سے دور تر ہوتا چلا جاتا ہے

Marfat.com

اور یہی خدا کی لعنت ہے ؛

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۔

(۱) شیطان بنی آدم کا ازلی دشمن ہے ۔ اور وہ انسانوں کی تباہی و بربادی کا تہیہ کیے ہوئے ہے۔ آیت میں شیطان کے عزائم یا بالفاظِ دگر بدی کی قوتوں کے مقاصد اور طریق کار کا ذکر ہے۔ بربادیٔ انسان کے اس شیطانی پروگرام کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ شیطان نے انسانوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہنے کی قسم کھائی ہوئی ہے ۔ اسے یقین ہے کہ "کچھ نہ کچھ حصہ" تو اس کے ہاتھ آئے گا ہی ۔ اس کی ساری قوتیں اس "مقرر حصے" کو وسعت دینے پر مرکوز ہیں ۔ اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے جس میں "نو سو ننانوے فی ہزار بنی آدم کے شیطان کا حصہ قرار پاکر اس کے ساتھ جہنم میں جانے" کا ذکر ہے ۔

(۳) شیطان کے "مقرر حصے" کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسانی افراد کا ایک معتدبہ حصہ ہمیشہ شیطانی مقاصد کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ دنیا میں بدی اور گمراہی پھیلانے والے انسان اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۴) بندوں سے "مقرر حصہ" وصول کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ کچھ انسان ہمیشہ اپنی آمدنی کا ایک مقرر حصہ شیطان کی راہ میں خرچ کیا کریں گے ۔ یہ بتوں اور غیر اللہ کے نام کے چڑھاوے ہوں یا مذموم مقاصد، بے حیائی و فحاشی اور ظلم و دھاندلی کے لیے مخصوص کی ہوئی رقمیں۔ شیطانی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والی یہ رقوم کسی فرد کی آمدنی و اخراجات کا ایک مستقل حصہ بھی ہوسکتی ہیں اور کسی جماعت یا حکومت کے بجٹ کی کوئی مستقل مد بھی ۔

(۵) اور اس مقرر حصے کی "وصولی" کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان کی کوششوں اور محنتوں اور اس کی قوتوں اور صلاحیتوں سب میں سے وہ اپنا

Marfat.com

حصہ لینا ہے۔ کتنے ہی انسان ہوں گے جو ان سب چیزوں کا ایک بڑا حصّہ
شیطان کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ :-

آخر شیطان کس طریقے پر لوگوں کو بُری باتوں کے لیے بھی کچھ "قربانی" دینے
پر آمادہ کر لیتا ہے؟ ——— اس کے دو طریقے ہیں
(ا) انسانوں کے عقائد اور بنیادی تصورات کو ڈگمگا دینا۔
(ii) ان کے اندر حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو اُبھار دینا
شیطان کا اثر و نفوذ انسان پر یا تو عقل و فکر کی راہ سے ہوتا ہے، (جیسے
لفظ "ضلال" (گمراہی) سے تعبیر کیا گیا ہے) یا جذبات و احساسات
کے راستے سے آتا ہے۔ اس کو لفظ "تمنّی" (اردو تمنا) ظاہر کرتا ہے
اور نتائج و مضرات سے غافل ہو کر فواحش و معاصی کی طرف مائل ہونا
اس میں شامل ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ :-

(۱) انسان کو نظری و فکری طور پر مغلوب کر لینے اور بُرائی میں مبتلا کر دینے
کے بعد شیطان انسان پر اس طرح مسلط ہو جاتا ہے گویا وہ اس پر حکمران ہے۔
——— اس کے بعد ہی اشرف المخلوقات عقل و خرد سے عاری ہو کر مذہبی
مشرکانہ توہمات اور مضحکہ خیز رسموں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۲) اس عبارت میں عربوں کے اس جاہلی دستور کی طرف اشارہ ہے جب وہ
لوگ اپنے اونٹوں اور بکریوں میں سے بعض کو کسی دیوتا کے نام پر چھوڑ دیتے
اور اس سے کام لینا حرام سمجھتے تھے۔ عموماً اس قسم کے جانوروں کے کان کا
کچھ حصہ کاٹ لیا جاتا تھا یا چیر کر چھوڑ دیا جاتا تھا ——— تاکہ عام لوگ اس
اس نشانی سے ہی یہ سمجھ جائیں کہ یہ جانور وقف اور نذر کیا ہوا ہے۔ جانوروں کے
متعلق عرب جاہلیت کی اس قسم کی رسموں اور باطل عقائد کا ذرا تفصیلی ذکر سورہ المائدہ:

Marfat.com

۱۰۳ــــ۱۰۴ اور سورۃ الانعام: ۱۳۶ــــ۱۴۶ میں کیا گیا ہے۔
جانوروں کے کان کاٹنے یا چیرنے کو شیطانی فعل، اس مشرکانہ عقیدے کی بنا قرار دیا گیا ہے، جس کے ماتحت وہ لوگ ان جانوروں کو غیر اللہ کے نام پہ نذر (Dedicate) کر کے انہیں "مقدس" بناتے اور سمجھتے تھے علاج کی خاطر، نسل کی پہچان کے لیے یا چوری کی صورت میں شناخت کی غرض سے جانور کے بدن پر کسی طرح کا نشان ڈالنا، اس کے کان کا کچھ حصہ کاٹنا یا اس میں کوئی پن چھلا (Tag) وغیرہ ڈال دینا ممنوع نہیں ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ:-

(۱) شیطان کے زیر اثر یا شیطانی مقاصد کے تحت انسان چیزوں کی خدائی ساخت میں ردوبدل کر دینے سے بھی باز نہیں رہتے۔

(۲) یہاں "تغییر خلق اللہ" کا مفہوم سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں ردوبدل کرنے کو گناہ قرار دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام اشیاء کو ان کی پیدائشی اور فطری حالت پر ہی رہنے دیا جائے جنگلوں اور ٹیلوں کو زیر کاشت نہ لایا جائے۔ اور حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات کو انسان کی خدمت اور اس کی ترقی کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ اسی طرح تو تمام علوم و فنون اور انسانی تہذیب و تمدن شیطانی "امداد و اشتراک" CONTRIBUTION) قرار پائیں گے ــــ یہاں جس قسم کے ردوبدل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس فعل کا محرک کوئی باطل عقیدہ، مشرکانہ توہم پرستی، نفسانی خواہشات یا شیطانی جرائم ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ انسان کسی چیز سے وہ کام لینے لگے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا نہیں کیا۔ یا اس کے برعکس کسی چیز سے وہ کام ہی نہ لے جس کے لیے اللہ نے اسے بنایا ہے ــــ "خلق اللہ" سے مراد انسان اور کائنات کی دوسری تمام اشیاء کا "منشائے فطرت" یا ان کے "فطری فرائض" ہیں ــــ اور آیت

Marfat.com

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (خدا کی بنائی ہوئی سرشت جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ——— یہی ہے ——— اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں رد و بدل نہیں ہو سکتا ——— الروم : ۳۰) میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) اسی طرح "تغییر خلق اللّٰہ" میں وہ مشرکانہ رسوم بھی آجاتی ہیں جن میں غیر اللّٰہ کے نام پر اور اس کی تعظیم کے اظہار کے طور پر کسی انسان یا حیوان کی جسمانی ساخت میں کوئی تبدیلی "پیدا" کی جائے یا اس کی ہیئت میں کوئی امتیازی نشان رکھا جائے مثلاً بچوں کے سر میں بالوں کی لٹ (چوٹی) رکھنا، جانوروں یا انسانوں کے ناک کان وغیرہ میں سوراخ کر کے کوئی نشان "نیاز" قائم کرنا ——— اور وہ تمام افعال بھی "تغییر خلق اللّٰہ" میں شمار ہوتے ہیں جن میں انسان چیزوں سے ان کی خلافِ فطرت کام لیتا ہے۔ یا جن میں افعال کے فطری نتائج سے گریز کا پہلو پایا جاتا ہے۔ یا جب ان افعال کا ارتکاب رضا کارانہ طور پر نہیں بلکہ جابرانہ طریقے پر دوسروں کو اس کا نشانہ بنایا جائے مثلاً ضبطِ ولادت، نسبندی، تحدیدِ نسل اور بیراگ۔ ضبطِ ولادت بمباشرت : مثلاً مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنا دینا، بندروں کے غدود مردوں میں پیوند کرنا۔ مردوں کو خواجہ سرا بنانا کہ بادشاہوں کے لیے بچوں کو شادی ولہ کے چوبے بنانا یا کسی اور طریقے پر انہیں اپاہج بنا دینا۔ کسی کے چہرے پر تیزاب وغیرہ ڈال کر اسے مسخ کرنا صنف کو لبھانے اور موہ لینے کے لیے آرائشی مصنوعات استعمال کرنا، آپریشن کے ذریعے جنس تبدیل کرانا، عورتوں کا مردانہ وضع و لباس اختیار کرنا اور مردوں کا نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ عورت نما بننا۔ عورتوں کو ان کے فطری و مادری فرائض سے محروم کر کے انہیں رونقِ محفل یا ذریعۂ معاش بنانا وغیرہ وغیرہ اور اس قسم کے دوسرے بے شمار افعال جو شیطان نے آج تک دنیا میں اپنے شاگردوں کو سکھائے ہیں، سب "تغییر خلق اللّٰہ" کی تفسیر ہیں۔

Marfat.com

(۴) خدا کے تکوینی قوانین کی خلاف ورزی کی طرح خدا کے تشریعی احکام میں تغییر و تحریف کو بھی مفسرین نے ایک طرح سے "تغییر خلق اللہ" قرار دیا ہے یہ احکام فطرت کے عین مطابق ہیں لہٰذا ان میں کوئی تبدیلی کرنا دراصل فطرتِ انسانی کو بدلنے کی کوشش ہے ـــــ اسی طرح آفتاب پرستی۔ ستارہ پرستی، آتش پرستی۔ حیوان پرستی وغیرہ بھی تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کیونکہ مشرک ان اشیاء سے وہ کام لیتا ہے جس کے لیے وہ پیدا نہیں کی گئیں۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا۔

شیطان کو اپنا دوست یا سرپرست بنانے کا مطلب یہی ہے کہ شریعت کے احکام کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین اختیار کیے جائیں ـــــ خالق کے قانون کی بجائے مخلوق کے رسم و رواج کو اپنا راہنما لیا جائے ـــــ ان غیر خدائی قوانین اور غیر اسلامی احکام کی کامیابی پر بھروسہ دراصل شیطان کی دوستی و سرپرستی پر بھروسہ ہے۔ اور یہ صریح نقصان اور سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا:۔

انسان جب خدا کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا اور احکامِ شریعت سے منحرف ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے کئی باطل امیدوں اور خود ساختہ دلیلوں سے کام لیتا ہے۔ یہی شیطان کا چکمہ اور اس کا سبز باغ ہے۔ مثلاً آدمی کا یہ سوچنا کہ حشر و نشر اور حساب و کتاب کوئی شئے نہیں۔ بس مر کر مٹی ہی تو ہونا ہے ـــــ یا اگر آخرت ہوگی بھی تو وہاں کی گرفت سے، فلاں کے صدقے سے، بچ نکلوں گا ـــــ اسی طرح انفرادی لذت یا کامیابی کی امید ہونا۔ مشاہدۂ حق کی توقع پر مشرکانہ اعمال

Marfat.com

بجا لانا — فحش و بے حیائی میں کوئی عیب ہی نظر نہ آنا، بلکہ اسے بنیادی
انسانی حق سمجھنا — شراب کو صحت کے لیے ضروری قرار دینا —
اسلامی آدابِ حجاب کا ترقی کی راہ میں حائل نظر آنا۔ شریعت اور وحی کو قوم
کی سربلندی اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے منافی قرار دینا — الغرض جو آدمی
جس طرح سے اور جہاں فریب کھا سکتا ہے، شیطان اس کے سامنے وہی
چیز پیش کر کے اُسے پھانس لیتا ہے — پھر اس شیطانی فریب کی حقیقت
کئی دفعہ تو دنیا میں ہی روشن ہو جاتی ہے۔ ورنہ موت کے وقت تو بہرحال
کھل جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا۔

پس ان باطل خیالات میں مبتلا لوگ بالآخر بُرے انجام کو پہنچیں گے ان
کا انجام دوزخ کی آگ ہوگا جس سے کوئی راہِ فرار نہیں مل سکے گی۔ اور نہ ہی خلاصی
کی کوئی اور صورت ہوگی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے	اور جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک اعمال بھی کریں۔ تو ہم انہیں
الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ نیک عمل کیے ہم انہیں داخل کریں گے (بہشت کے)	ایسے باغات (بہشت) میں [illegible]
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا ان باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے	[illegible] ہیں ان کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اور وہ ہمیشہ

Marfat.com

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

نہریں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں ہمیشہ ہی

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ

(یہ) وعدہ ہے اللہ کا (کیا ہوا) سچا اور کون ہے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

زیادہ سچا اللہ سے بلحاظ بات کرنے کے

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ

(انجام کار) نہ تمہاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے اور نہ ہی اہل کتاب

اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ

کی تمناؤں پر جو کوئی کرے گا

سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ

کوئی برا کام اسے بدلہ دیا جائے گا اس کا اور وہ نہیں پائے گا

لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا

اپنے لیے اللہ کے سوا (کسی کو) دوست

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

اور نہ ہی مددگار اور جو کوئی کرے گا

ہمیشہ وہاں رہیں گے اور (ان کے ساتھ) یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے (جو حقیقت بن کر سامنے آئے گا)، اور (یہ تو ظاہر ہے کہ) اللہ سے بڑھ کر کون (اپنی) بات میں سچا ہوگا؟ (جہاں تک انجام کار کا تعلق ہے) تو وہ تو نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (بلکہ عمل پر موقوف ہے) (سو) جو شخص برائی کرے گا تو اس کا پھل پا کر رہے گا اور اللہ کے مقابلے پر وہ کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہیں پائے گا۔

(اس کے برعکس جو نیک عمل کرے گا۔ خواہ مرد

Marfat.com

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ

کچھ نیک عمل (خواہ) مرد ہو

اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

یا عورت دراں حالیکہ وہ صاحبِ ایمان (بھی) ہو

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

تو یہی وہ لوگ ہوں گے جو داخل ہوں گے جنت میں

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور ان کی حق تلفی نہیں ہوگی تل بھر (بھی)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ

اور کون ہے زیادہ بہتر بلحاظ دین کے اس (شخص) سے

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

جس نے جھکا دیا اپنا رخ اللہ کی طرف دراں حالیکہ وہ

مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

مخلص نیکو کار (بھی) ہے اور (جس نے) پیروی کی ملت دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ

ابراہیم کی جو راست رو تھے یکسو ہو کر اور بنا لیا

ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو، تو یہی لوگ ہوں گے جو بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل بھر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔

بھلا اس شخص سے بہتر کس کا دین (اور طریقہ زندگی) ہو سکتا ہے، جس نے اللہ کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور وہ مخلص بھی ہو ... نیکی ... اور ایسا ہو کر حضرت ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرے (جو خود بھی راست رو تھے) اور اسی راستباز نے

Marfat.com

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَ	کی بنا پر) اللہ نے ابراہیم ؑ کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔
اللہ نے (تو) ابراہیم ؑ کو دوست اور	
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔
اللہ ہی کی (ملک) ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ	
فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ	(کوئی شے اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے)
ہے زمین میں اور اللہ ہر	
بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾	
چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے	

لغوی ونحوی اشارات :۔

وَعْدَ اللّٰهِ :۔ مرکب اضافی ہے اور اس میں وَعْدَ کی نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی سَنُدْخِلُهُمْ میں وَدَ وَعَدَهُمْ شامل ہیں۔ اس طرح ایک فعل کی بجائے دوسرے فعل سے مفعول مطلق (مصدر) آنے کی مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔ حَقًّا :۔ اس کی نصب مصدر (وَعْدَ) کے حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا کا لفظی ترجمہ یوں ہو گا: "اللہ کا وعدہ کرنا اس حالت میں کہ وہ وعدہ سچا ہے"۔ قِيْلًا :۔ تمیز منصوب ہے۔ لَيْسَ :۔ کا اسم اسی میں مضمر ہے۔ اَمَانِيّ :۔ کا واحد اُمْنِيَّةٌ ہے اور اس کے معنی آرزو اور تمنا کے ہیں۔ نَقِيْرًا :۔ تمیز منصوب ہے۔ تشریح آیت ۵۳ میں گزر چکی ہے۔ دِيْنًا :۔ اَحْسَنُ کی تمیز ہے۔ اور مِمَّنْ دراصل مِنْ مَّنْ ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ : یہ جملہ اَسْلَمَ کا حال ہے مُحْسِنٌ کے لفظی معنی نیکی کرنے والا ہیں

Marfat.com

مگر حدیث میں احسان کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (تو اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو یہ تو سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اس حدیث کے مضمون کے پیش نظر مُحْسِنٌ کا ترجمہ "مخلص" کیا گیا ہے

حَنِيْفًا :۔ یہاں یہ اِتَّبَعَ کا حال بھی ہوسکتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے لیے بھی

تفہیم و تفسیر:۔

آیت ۱۱۵ سے ۱۲۱ تک شرک و کفر اور برائی کی سزا کا ذکر تھا اب یہاں ایمان اور نیکی کی جزا کا ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ ایمان اور نیکی سے دراصل مراد کیا ہے، کیونکہ کہنے کو تو شاید ہر شخص ایمان اور نیکی ہی کا مدعی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ:۔

(۱) اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے اور اس ایمان کے تقاضوں کو عملاً پورا کرنے کا نتیجہ اخروی زندگی میں شاداب و سرسبز باغات اور دوسری نعمتوں کی صورت میں نمودار ہوگا۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ ایمان و عمل صالح کے نتیجے میں اس دنیا میں بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر مرفہ الحالی اور خوشگوار حالات نصیب ہوجائیں لیکن قرآنی "جنت" سے ہمیشہ اور ہر حال میں صرف اس دنیا کی "خوشگواریاں" ہی مراد لینا قطعاً گمراہی اور مادیت پرستی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کے صریح برعکس ہونے کے علاوہ اس بات کو تو عقل بھی قبول نہیں کرتی کہ ہر صاحب دولت فرد یا ہر

Marfat.com

حکمران قوم کے مذہب کو برحق قرار دیا جائے۔ اس طرح تو دنیا میں حق و صداقت کا کوئی معیار ہی نہیں رہ جائے گا۔

وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا :۔

یہ محض دل کے خوش کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔ غلط پروپیگنڈا نہیں ہے اخروی انعامات اور ایمان و عمل صالح کی اچھی جزا کا وعدہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ شیطان کے دعووں کی طرح اس میں قطعاً کوئی دھوکا نہیں ہے۔ بھلا جس کا اللہ پر ایمان ہے اس کے لیے اللہ کے وعدوں کی سچائی کیوں کر مشتبہ ہو سکتی ہے؟ اور اللہ نے جن باتوں کو دائمی راحت کا سبب بتایا ہے۔ وہ کیوں کر غلط ہو سکتی ہیں؟

لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ :۔

(۱) آیت کا یہ حصہ اسلام کے قانونِ عمل و جزاء کا ایک نہایت اہم اور بنیادی قاعدہ بیان کرتا ہے۔ ثواب و عقاب اور جزاء و سزا کا دارومدار ہر فرد کی آرزوؤں اور تمناؤں پر نہیں ہے۔ بلکہ ایک مستحکم اصول پر ہے جو مسلمانوں اور اہلِ کتاب ہر دو پر یکساں اطلاق پذیر ہوگا۔ بالعموم ہر مذہب کے پیروکار بلکہ ہر آدمی اپنی فلاح و عاقبت اور انجام کار کے بارے میں بعض بے بنیاد آرزوؤں اور خوش کن توقعات میں مبتلا ہوتا ہے۔ کوئی کفارہ کے عقیدے کی بنا پر حلال و حرام کی قید سے آزاد ہے کوئی خدا کا عزیز بنا پھرتا ہے۔ کسی کو اپنی نسل کی برگزیدگی پر ناز ہے۔ حالانکہ خدا کے قانون اور احکام شریعت میں اس قسم کی تمناؤں کے لیے کہیں سند نہیں ملتی۔ مثلاً یہ سمجھنا کہ محض "لیبل" سے خدا کے ہاں کام چل جائے گا۔ اور صرف اپنا ہی "لیبل" منظور و مقبول سمجھنا ـــــ مسئلہ شفاعت کے متعلق باطل اور خلافِ شریعت تصورات میں مبتلا ہونا وغیرہ

(۲) عقیدے میں خرابی اور اخلاق و عمل میں انحطاط کا یہ وہ مرحلہ ہے جس

Marfat.com

پر پہنچ کر تمام مذہبوں کے پیرو ایک ہی سطح پر اتر آتے ہیں۔ اہل کتاب میں تو اس قسم کا ایک طبقہ موجود ہی تھا۔ (جیسا کہ البقرہ: ۷۸ اور ۱۱۰ میں بیان ہو چکا ہے) یہاں دراصل مسلمانوں کو اس بات سے خبردار کیا جا رہا ہے کہ کہیں تم بھی عمل کی بجائے "اَمَانِیّ" پر "گزارہ" نہ کرنے لگ جانا۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ؀

(۱) یہ خدا کا غیر متبدل اور محکم قانون ہے کہ جو کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور کوئی دوست یا مددگار خدا کے مقابلے پر اس کے کام نہیں آسکے گا۔

(۲) آیت میں نجات کی بے اصل تمناؤں کی تردید کی گئی ہے یعنی نجات اور فلاحِ آخرت کے بارے میں لوگوں کو عموماً جن غلط سہاروں کا آسرا ہوتا ہے یہ فضول ہیں ——— یہ مطلب نہیں کہ برائی کسی صورت معاف نہیں ہو سکتی ——— خدا کے بتائے ہوئے مستند طریقے کے مطابق توبہ اور اصلاح سے تلافی مافات بلکہ رفع درجات کا راستہ بند نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت کے مضمون کا قبولِ توبہ اور مغفرت والی آیتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ؀

بدی کی سزا کے متعلق قانون سن چکے اب نیکی کی جزاء کے بارے میں سن لو۔

Marfat.com

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ نیکی کی جزاء مرد و عورت ہر دو کے لیے ہے۔ عورت محض اپنی جنس کی بناء پر کسی اجر سے محروم نہیں کی جا سکتی جیسا کہ بعض مذہبوں کا خیال ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نیک عمل صرف وہی قبول ہوگا بلکہ حقیقتاً نیک عمل ہوگا ہی وہی جس کا کرنے والا صفتِ ایمان سے متصف بھی ہو ــــ کسی عمل کے درحقیقت صالح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک بھی صحیح ہو۔ ریا و نمائش یا وہم پرستی اس کا سبب نہ ہوں۔ شریعت میں اخلاصِ نیت کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ اور جب تک خدا پر ایمان ہی نہ ہو کوئی عمل خالصتہً لوجہ اللہ کیسے ہو سکتا ہے ــــ جہاں یہ ایمان اور اخلاصِ نیت موجود نہ ہو وہاں عمل پر عملِ صالح کا اطلاق ہی نہیں ہونا چاہیے اس کی شکل اور صورت "عملِ صالح" جیسی ہی کیوں نہ ہو ــــ اس وضاحت کے بعد یہ سوال ہی فضول معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے "نیک کام" قبول ہوں گے یا نہیں؟

(۳) کسی مومن کا کوئی عملِ صالح ضائع نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے ہاں کسی کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی ــــ غور کیجیے ان دو آیتوں (۱۲۳-۱۲۴) میں قرآن کی یہ بنیادی تعلیم بڑے جامع اور موثر طریقے پر بیان ہوئی ہے کہ کسی بدی اور کسی نیکی کو معمولی نہ سمجھو کیونکہ مقدم الذکر کی سزا ضرور ملے گی اور موخر الذکر کی جزاء نظر انداز نہیں کی جائے گی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًاؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ؀

(۱) اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین رہے کہ عرب

Marfat.com

جاہلیت کے تینوں بڑے مذاہب مشرکین، یہودی اور عیسائی اپنا رشتہ حضرت ابراہیم ؑ سے جوڑتے تھے۔ مگر تینوں ہی دینِ ابراہیمی سے بالکل ہٹ گئے تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے کہ دینِ اسلام دراصل اسی ملت ابراہیمی کا احیاء ہے[1]۔ قرآن مجید نے ایک طرف ملتِ ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف حضرت ابراہیم ؑ کے خلیل اللہ ہونے کی خبر دی ــــ اور اس طرح بہترین دین یہ قرار دیا کہ آدمی اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ کی طرف جھک جائے، خدا کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اور خودسری و خودمختاری سے باز آ جائے۔ یہی اس کے لیے بہترین طریقہ اور حقیقت کے مطابق ہے۔ یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ اصل ملتِ ابراہیمی کی پیروی اختیار کی جائے۔ وہ ملتِ ابراہیمی جس کی اصل درست صورت وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ؀

یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس کے بارے میں اہلِ کتاب کو عموماً اور مشرکین مکہ کو خصوصاً ٹھوکر لگی تھی یعنی خدا کی قدرت اور خدا کے علم کے بارے میں ان کا عقیدہ درست نہ رہا تھا ــــ یہاں قرآن کریم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کائنات کی کوئی چھوٹی یا بڑی شے نہ تو اللہ کے قبضہ قدرت اور اس کے ملک و سلطنت سے باہر ہے اور نہ ہی اس کے احاطہ علم سے خارج ہے۔ انسان کے ایمان و نفاق، اخلاص و ریاء، نیکی اور بدی، نیت و عمل کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

---

[1] مثلاً آل عمران ۶۵ - ۶۸، ۹۵، النحل: ۱۲۰ - ۱۲۳، الحج: ۷۸۔

Marfat.com

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ط

اور (اے پیغمبر!) وہ تجھ سے حکم پوچھتے ہیں عورتوں (سے نکاح) کے بارے میں

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ لا

تو کہہ دے کہ اللہ تم کو حکم ـ اجازت دیتا ہے ان کے (نکاح کے) بارے میں

وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي

اور (دوبارہ یاد دلاتا ہے) جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا (رہا) ہے تم کو (اس)

الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَاءِ

کتاب میں (پہلے سے) (ان) یتیم عورتوں کے بارے میں یعنی ان

الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا

عورتوں کے بارے میں کہ تم نہیں دیتے جن کو (وہ حق) جو کہ

كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ

مقرر ہو چکا ہے ان کے لیے اور / مگر نہیں چاہتے ہو / چاہتے ہو

أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

کہ تم ان سے نکاح کرو اور (وہی پہلا حکم ان) بے بسوں کے بارے میں بھی

مِنَ الْوِلْدَانِ لا وَأَنْ تَقُومُوا

(دیتا ہے) جو بچوں میں سے ہیں اور (ساتھ یہ حکم بھی دیتا ہے) کہ تم قائم رہو

اور (اے پیغمبر!) لوگ آپ سے عورتوں (سے نکاح اور ان کے حقوق) کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں (وہی) حکم دیتا ہے (جو پہلے بھی دیا جا چکا ہے) اور (اس کے ساتھ ہی وہ تمہیں وہ احکام بھی دوبارہ یاد دلاتا ہے) جو پہلے سے تمہیں اس کتاب (کی اسی سورت کے آغاز) میں پڑھ کر سنائے جاتے رہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جوان یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہیں جن کے تم حق تو ادا نہیں کرتے مگر (لالچ میں آ کر) خود ان سے نکاح کر لینے کے خواہشمند ضرور ہوتے ہو [یا نہ تو تم ان کا حق ادا کرنا چاہتے ہو نہ ہی ان سے نکاح کرنا پسند کرتے ہو]

Marfat.com

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا
یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کچھ بھی

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ
تم کرتے ہو نیکی تو بے شک

اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾
اللہ (تو) اسے خوب جاننے والا ہے

اور (وہ احکام تمہیں یاد دلاتا ہے) جو کمزور اور محتاجِ حفاظت بچوں کے بارے میں (پہلے) جا چکے (ہیں) (اس کے ساتھ اللہ تمہیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے بارے میں (بھی) [illegible] یتیمو [illegible]) پر قائم رہو جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اسے بخوبی جانتا ہے اور اس کی [illegible]

لغوی و نحوی اشارات :-

وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ :- کا عطف يُفْتِيْكُمْ کی ضمیرِ فاعل پر یا ذُلِ اللّٰه میں اسمِ جلالت پر ہے۔ اس طرح عبارت کا مطلب یوں ہو جانے گا کہ اللہ بھی تمہیں حکم دیتا ہے اور جو آیات تمہیں پڑھ کر سنائی جا چکی ہیں وہ بھی حکم دیتی [illegible] ان کا مفہوم بھی یہی ہے۔ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ :- [illegible] حکم [illegible] یعنی فِيْ حُكْمِ يَتَامَى النِّسَآءِ (یتیم عورتوں کے حکم کے بارے میں) [illegible] يَتَامَى النِّسَآءِ (عورتوں کے یتیم) کا مطلب ہے یَتَامٰی مِنَ [illegible] (یعنی عورتوں میں سے جو یتیم ہیں) — تَرْغَبُوْنَ :- [illegible] تُوْتُوْنَهُنَّ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں [illegible] ہے (یعنی تم خواہش مند نہیں ہو کہ ۔ ۔ ۔ ۔) اور یہ بھی ممکن ہے کہ [illegible] حالیہ قرار دیا جائے اس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا " [illegible] حالانکہ تم خواہش مند بھی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ "

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ :- کا عطف فِيْهِنَّ کی فِيْ پر ہے یعنی " کمزوروں کے بارے میں " — اور فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ کی فِيْ پر بھی اس کا عطف ہو سکتا ہے

بلکہ شاید یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

(۱) یہاں سلسلۂ کلام کا ربط پھر سورہ کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے یعنی عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور وراثت و وصیت کے احکام جن کے بارے میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے رہتے تھے اصل میں کے یہ نئے احکام جاہلی رسوم ورواج سے یکسر مخالف تھے، اور پوچھنے والے غالباً یہ خیال کرتے تھے کہ شاید اس طرح بار بار پوچھنے سے ہی قدیم دستور دوبارہ بحال کر دیا جائے یا کوئی اور رعایت حاصل ہو جائے یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

(۲) اس آیت کو سمجھنے سے پہلے شانِ نزول کی یہ روایت پیش نظر رہے (جیسا کہ آیت ۳، ۴ میں بیان ہو چکا ہے) کہ یتیم بچیوں کے سرپرست بعض دفعہ ان کی قبول صورتی اور ان کے مال کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کر لیتے مگر گھر کی لڑکی سمجھ کر اس کے حقوق ادا نہ کرتے۔ یا اگر لڑکی بدصورت ہوتی تو اس کے ساتھ خود بھی نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس کے مال کی وجہ سے کسی اور جگہ بھی اس کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ وہ مر جاتی اور اس کے مال پر یہ (متولی) خود قابض ہو جاتے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ عرب جاہلیت میں عورتوں اور بچوں (یعنی کمزور افراد) کا وراثت میں حصہ نہیں ہوتا تھا۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ:-

سورہ نساء کی ابتدائی آیات کے نازل ہونے کے بعد کئی صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عورتوں کے حقوق و فرائض اور ان کے مہر، میراث وغیرہ کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ

Marfat.com

تھی کہ قرآن کریم کے یہ احکام ان لوگوں کے لیے بالکل نئے اور معاشرتی نقطۂ نظر سے بڑے انقلاب آفریں تھے —— ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت استفسارات کی نوعیت کچھ ایسی ہی تھی جیسے آج کل جب کوئی بڑا لیڈر کسی اہم ملکی یا بین الاقوامی مسئلہ پر کسی جرأت مندانہ اور غیر متوقع پالیسی کا اعلان کرتا ہے تو کئی دن تک دوسرے لیڈر اور خصوصاً اخبار نویس اس سے متعلقہ موضوع پر کرید کرید کر بات کی تہ اور "تازہ بیان" حاصل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

(۲) عورتوں کے حقوق و فرائض ہمیشہ سے انسانی سوسائٹی کا ایک مسئلہ رہے ہیں۔ اور بہت سے دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلے کے حل میں بھی انسانوں نے ہمیشہ افراط و تفریط سے ہی کام لیا ہے اسلام سے پہلے دنیا بھر کے ملکوں میں عموماً اور عرب میں خصوصاً عورت کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے جو اہل عرب کی نظر میں "ضرورت سے زیادہ" تھے —— لہٰذا وہ تعجب سے اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے —— آج بھی عورت کے حقوق و فرائض علمی و ادبی مجلسوں اور قانونی و سیاسی حلقوں کا ایک دل پسند موضوع بنے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ قدیم جاہلیت کے نزدیک اسلام نے عورت کو "بہت زیادہ" دے دیا تھا مگر جدید جاہلیت کو شکایت ہے کہ اسلام نے عورت کو "بہت کم" دیا ہے اور بے چارے "روشن خیال" تو عورت کے معاملے میں قرآن کی "فروگذاشتوں" کی تلافی کرنے کے غم میں دبلے ہوئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا راستہ ہی اصل صراطِ مستقیم ہے اور جاہلیت کا تو کام ہی افراط و تفریط اور حقوق و فرائض کی غیر فطری تقسیم ہے۔

(۳) یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ غالباً اسی آیت کی وجہ سے اس سورت کا نام "النساء" رکھا گیا —— یوں تو لفظ "النساء" اس سورت میں چودہ

Marfat.com

دفعہ آیا ہے، اور کسی دوسری سورت میں اس لفظ کی اتنی تکرار نہیں ہوئی مگر خاص یہ فقرہ "وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ" اور اس کا جواب، جو آگے آرہا ہے، عورتوں سے متعلق اس سورت کے تمام احکام پر ایک طرح تکرار تنقیح (Review) کا درجہ رکھتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ :-

(۱) آپ کہہ دیجیے سنو! اللہ عورتوں کے بارے میں اپنے حکم کی ـــــ دوبارہ وضاحت کئے دیتا ہے۔

(۲) ان کے بارے میں اللہ کا حکم وہی تو ہے جو پہلے بھی سن چکے ہو۔ ـــــ خدا کا حکم اسی طرح برقرار ہے۔ لہذا اب (۳) پر مزید کسی "بحث و مذاکرہ" کی ضرورت نہیں بلکہ تعمیل و اطاعت کی ضرورت ہے۔

(۳) ہاں ہاں! عورتوں کے بارے میں یہ احکام اللہ ہی نے دیئے ہیں کسی انسانی دماغ کی اپج نہیں ہیں ـــــ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ان احکام پر عمل کرو۔

وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ :-

(۱) اور یہ احکام وہی تو ہیں جو اس سے پہلے اسی کتاب (قرآن کریم) میں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے رہے ہیں۔

(۲) تمہارے سوالوں کا جواب وہی ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے اور تمہیں پڑھ کر سنا بھی دیا گیا ہے۔

(۳) تمہارے سوالات کے جواب کے لیے پہلے تمہاری توجہ ان احکام کی طرف دلائی جاتی ہے جو تمہیں اس سے پہلے دیئے جا چکے ہیں۔

(۴) یہ احکام، جن کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، اس سے پہلے اسی سورت (النساء) کی ابتدائی ۳۵ آیتوں میں بیان ہو چکے ہیں ـــــ آیت کے شانِ نزول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوالات انہی احکام کے بارے

Marfat.com

ہیں کیے گیے تھے، اگرچہ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ سے مراد وہ جملہ احکام ہو سکتے ہیں جو اس موضوع پر یعنی عورتوں اور ان کے حقوق و فرائض کے بارے ہیں، اس سے پہلے نازل ہو چکے تھے۔ جن میں سورہ البقرہ اور سورہ الاحزاب کے احکام بھی شامل ہیں کیونکہ یہ سورتیں النساء سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ؛-

(۱) اس سے قبل نازل ہونے والی آیتوں میں تمہیں جن باتوں کی پابندی کی تاکید کی گئی تھی، ان میں سے اُن یتیم لڑکیوں کا معاملہ بہت زیادہ اہم ہے جو تمہاری زیر سرپرستی ہوں۔ ایسی یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم دو طرح سے زیادتی کے مرتکب ہوتے رہے ہو اوّل تو یہ کہ بعض دفعہ تم خود ہی صاحبِ جمال دیکھ کر، انہیں اپنے نکاح میں لانے پر تیار ہو جاتے ہو۔ باہر سے آئے ہوئے اچھے پیغام کو بھی رد کر دیتے ہو اور گھر کا مُنہ گھر ہی میں رکھنا پسند کرتے ہو، مگر بعد میں اپنی سرپرستی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے لازمی شرعی حقوق ادا نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ بعض دفعہ انہیں قبول صورت نہ پا کر، تم خود تو ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے۔ مگر ان کے صاحبِ مال ہونے کی وجہ سے کسی دوسری جگہ بھی ان کو شادی نہیں کرنے دینا چاہتے کہ کہیں وہ مال تمہارے ہاتھ سے چلا جائے۔ یہ صورت اور بھی زیادہ ظالمانہ ہے ——— اور دراصل تو یہ دونوں ہی صورتیں ایک عورت کی کمزور پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ہیں۔ اس لیے تمہیں پہلے بھی اس سے منع کر دیا گیا تھا۔ اور اب دوبارہ ایسی حرکت سے باز رہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

(۲) عربی میں رَغِبَ يَرْغَبُ عَنْ . . . . کے معنی ہیں . . . . سے بیزار

Marfat.com

ہونا اور رَغِبَ یَرْغَبُ فِیْ . . . . کے معنی ہیں . . . . کی طرف مائل ہونا ـــــ یعنی صرف صلہ (Preposition) کی تبدیلی سے معنی ایک دوسرے سے متضاد ہو جاتے ہیں ـــــ چونکہ آیت میں وَتَرْغَبُوْنَ کے بعد ان دونوں (عَنْ اور فِیْ) میں سے کوئی بھی صلہ نہیں۔ اس لیے بعض مفسرین نے اسے پہلے معنوں میں لیا اور بعض نے دوسرے معنوں میں ـــــ لیکن، اس بات کے پیش نظر کہ کمزور اور یتیم لڑکیوں کی حق تلفی وایذاء رسانی کی ان دونوں صورتوں کی مثالیں معاشرے میں ملتی تھیں، بعض مفسرین نے دونوں ہی معنی مراد لیے ہیں اور لب لباب بھی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی حقوقِ نسواں پر چھاپہ مارنا:۔

نوٹ: ۔جیسا کہ لغوی ونحوی اشارات" میں بھی بیان کیا گیا ہے وَتَرْغَبُوْنَ کی واؤ کو عاطفہ یا حالیہ ماننے سے بھی بعینہٖ یہی دو مفہوم حاصل ہوتے ہیں۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ :۔

دوسری بات جس کے بارے میں خدا تمہیں حکم دیتا ہے ـــــ اور پہلے بھی دے چکا ہے ـــــ وہ ان کمزور یتیم یا کم عمر بچوں کا معاملہ ہے جو اپنے حقوق کی حفاظت خود نہیں کر سکتے۔ ایسے بچوں کی وراثت سے محرومی یا کسی اور طریقے پر حق تلفی تو درکنار، تمہیں تو ان کے حقوق کی حفاظت کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اور بعض حالات میں تو (جیسا کہ آیت ۷۵ میں بیان ہوا ہے) اس مقصد کے لیے تمہیں ہتھیار بھی اٹھانے پڑیں گے۔

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ :۔

تیسری چیز جس کے بارے میں اللہ نے تمہیں پہلے بھی واضح ہدایات دے دی ہیں اور اب پھر تاکید کرتا ہے یہ ہے کہ تم یتیموں کے معاملے میں ہمیشہ حق وانصاف پر قائم رہو۔ ان کی پرورش وحفاظت کا معاملہ ہو یا ان کی

Marfat.com

وراثت اور ملکیت کا، ہر صورت میں حق اور انصاف سے کام لو، اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ تم دوسروں کو بھی ان کے حقوق پر دست درازی کی اجازت مت دو۔ اور نہ ہی یتیموں کے "حقوق" کو اپنے لیے ناجائز کمائی کا، یا دوسروں کے ساتھ بے انصافی کا ذریعہ بناؤ۔

(۲) یتیموں کے معاملے میں نہ تو بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لو اور نہ ہی نری جذباتیت پر اُتر آؤ بلکہ حق وانصاف اور عدل وراستی کا طریقہ اختیار کرو۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا۔

کمزوروں، ناتوانوں، عورتوں، یتیموں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی سے اجتناب تو ضروری ہے ہی، لیکن اگر تم بے انصافی و حق تلفی سے اجتناب کرنے کے علاوہ اس قسم کے افرادِ معاشرہ کے ساتھ مزید حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت سے کام لو گے تو اللہ اس سے بخوبی آگاہ ہو گا اور وہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ نہ تمہاری کوئی حق تلفی اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہے نہ نیکی اور بھلائی۔

اس آیت میں ... [illegible]

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ	اور اگر صورت یہ ہو کہ کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ دونوں میاں بیوی بعض شرائط پہ سمجھوتہ کرتے ہوئے
اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے	
بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا	
خاوند کی سرکشی سے یا بے توجہی سے	
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ	
تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر (اس بات میں) کہ	

Marfat.com

يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ

وہ دونوں صلح کر لیں آپس میں کسی سمجھوتے پر

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ

اور صلح بہت اچھی (چیز) ہے اور پیش کی گئیں

الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ

جانیں بخل/حرص کے (سامنے) اور اگر

تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

تم احسان کرو اور پرہیزگاری کرو تو یقیناً

اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ

اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو (اس سے)

خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا

باخبر ہے اور تم سے کبھی ہو ہی نہیں سکتا (یہ)

أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ

کہ تم (پورا) عدل رکھ سکو بیویوں کے درمیان

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا

خواہ کتنا ہی شوق کرو سو تم جھک نہ جاؤ

باہم مصالحت کریں۔ اور صلح بہر حال بہتر ہے اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہی ہے لیکن اگر تم (اس جذبہ حرص و بخل پر قابو پاکر باہم) حسن سلوک رکھو اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے ہر ہر عمل سے باخبر ہے

اور (مختلف) بیویوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک عدل و برابری قائم رکھ سکنا تمہارے بس میں نہیں ہے تم لاکھ چاہو ایسا نہیں کرسکو گے لہذا (عدل بین الازواج کے حکم ربانی کا اصل منشا

Marfat.com

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

(تم) سے ایک طرف ہی کہ ڈال رکھو ایک کو

كَالْمُعَلَّقَةِ ط وَاِنْ تُصْلِحُوْا

لٹکی ہوئی کی طرح اور اگر تم (اپنی) اصلاح کر لو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور پرہیزگاری کرو تو بیشک اللہ بڑا

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ

بخشنے والا بڑا مہربان ہے اور اگر وہ

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا

دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ بے نیاز کر دے گا ہر ایک کو

مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَكَانَ اللّٰهُ

اپنے (فضل کی) وسعت سے اور اللہ بڑا کشائش

وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

والا (اور) بڑا حکمت والا ہے

صرف یہ ہے کہ) تم کسی ایک بیوی کی طرف اس قدر (بھی) نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر (ہی) لٹکتی چھوڑ دو۔ اور اگر تم درست طرزِ عمل اختیار کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو یقین رکھو کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اور اگر (بامر مجبوری) میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ (ہی) ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت (اور خزانۂ غیب) سے ہر ایک کو دوسرے (کی محتاجی سے) بے نیاز کر دے گا، اللہ بڑا کشائش دہندہ اور دانا و بینا ہے۔

لغوی ونحوی اشارات:۔

مِنۡ بَعۡلِهَا: بَعۡل کے اصل معنی "آقا" اور "مالک" کے ہیں پھر کہنے لگے مالک

کے معنوں میں خاوند کو بَعْلٌ اور عورت کو بَعْلَۃٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع بُعُوْل ہے۔ نُشُوْزًا اور اِعْرَاضًا:۔ خَافَتْ کی تمیز منصوب ہیں۔ صُلْحًا: مفعول مطلق کی جگہ نصب میں ہے۔ اُحْضِرَتْ:۔ اس فعل کے ہمیشہ دو مفعول ہوتے ہیں۔ اَلْاَنْفُسُ تو اس کا نائب فاعل ہو کر مرفوع ہے اور الشُّحَّ مفعول ثانی ہو کر منصوب ہے۔ لغت میں شُحّ ایسے بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص بھی شامل ہو یعنی سب کچھ لینے پر حریص ہونا مگر کچھ بھی دینے میں بخیل ہونا۔ فَتَذَرُوْهَا:۔ جواب نہی ہونے کی وجہ سے تَذَرُوْنَ کا ن گر گیا ہے وَذَرَ یَذَرُ (چھوڑ دینا) سے فعل ماضی اور اسم فاعل و مفعول کے صیغے استعمال نہیں ہوتے صرف امر و مضارع ہی استعمال ہوتے ہیں۔

تفہیم و تفسیر:۔

"وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ" (یعنی آیت ۱۲۷ میں مذکور سوال) کا اصل جواب ان تین آیتوں میں دیا گیا ہے۔ ان آیات میں عائلی زندگی کے متعلق کچھ مزید احکام ہیں جو دراصل اسی سورت کی آیات ۳، ۴، ۲۱، ۳۴ اور ۳۵ میں بیان کردہ احکام کی توضیح ہیں۔ ان کا موضوع مرد و عورت کا نزاع، باہمی حقوق سے دستبرداری اور عدل بین الازواج ہیں۔

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا۔

(۱) اس سے پہلے آیت ۳۴ میں عورت کے سرکشی پر اتر آنے کے متعلق حکم بیان ہو چکا ہے ــــ اس کے برعکس اگر عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی و سرکشی یا بے رخی و بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو ــــ اس کے متعلق حکم یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ جواب ایسے سوالات کے بارے میں

Marfat.com

سے ہے جن کا تعلق سورۃ النساء کی ابتدائی آیات سے ہے۔ اس لیے یہاں مرد کی بے رخی اور زیادتی کا مفہوم بھی انہی آیات کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے۔ اسلام سے پہلے عرب میں مرد جتنی بیویاں چاہتا کر سکتا تھا اور متعدد بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھنے کا بھی قانوناً پابند نہیں تھا ـــــ سورۃ النساء کے سابقہ احکام کی رُو سے ایک تو مرد کے لیے بیک وقت بیویوں کی تعداد چار تک محدود کر دی گئی۔ دوسرے متعدد بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان عدل رکھنا اور ہر ایک سے برابر کا سلوک کرنا شرط قرار دے دیا گیا ـــــ اب لوگ عدل بین الازواج کے اس نئے حکم کی بعض ایسی صورتوں کے متعلق سوال کرنے لگے جہاں مرد کے لیے اس حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے مثلاً عورت بانجھ ہو یا کسی ناقابلِ علاج مرض میں گرفتار ہو یا کسی اور وجہ سے ازدواجی زندگی کے لیے موزوں نہ رہی ہو۔ اب اگر مرد دوسری شادی کر لے تو کیا وہ قانوناً ان دونوں بیویوں کے ساتھ ایک جیسی محبت اور یکساں جسمانی تعلقات رکھنے کا پابند ہے؟ کیا یہ انصافی کا مرتکب ہونے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق ہی دے دی جائے؟ اگر پہلی بیوی خود ہی رضامندی سے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر شوہر کو طلاق دینے کے ارادے سے روک لے تو کیا یہ بات عدل والی شرط کی خلاف ورزی اور ایک طرح کی رشوت شمار نہ ہوگی۔

(۲) نیز ایسی صورت میں جب کہ عورت خود یہ محسوس کرتی ہو کہ اس کے اندر کوئی ایسی کمی موجود ہے جس کی وجہ سے خاوند کے اندر بے التفاتی پیدا ہونا ناگزیر ہے تو . . . .

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا:۔

(۱) تو اگر وہ میاں بیوی باہمی ازدواجی زندگی کے بالکل انقطاع کی بجائے بعض شرائط پر، باہم مل کر رہنے پر رضامند ہو جائیں تو اس میں ان دونوں پر

Marfat.com

کوئی گناہ نہیں۔

(۲) شرائطِ صلح بہرحال شریعت کے احکام کے تابع ضرور ہوں گی۔ لہذا کوئی ایسی شرط نہیں لگائی جاسکتی جو سرے سے حرام اور ممنوع ہو۔ مثلاً یہ شرط کہ خاوند بیوی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی نکاح میں رکھے گا یا یہ کہ عورت اپنے حقِ وراثت سے دستبردار ہو جائے گی۔ اس قسم کی شرط اگر بیوی منظور بھی کرے جب بھی یہ مصالحت باطل ہوگی۔

(۳) اگر یہ سمجھوتہ عورت کی طرف سے بعض ایسے حقوق کی دستبرداری پر مبنی ہو جو اصلاً شریعت میں جائز ہے مثلاً مہر معاف کر دینا یا اس میں کچھ کمی کر دینا، اپنے مصارف کا بوجھ ہلکا کر دینا یا اپنی باری دوسری بیوی کو دے دینا وغیرہ تو عورت کے یہ حقوق قانوناً ہمیشہ کے لیے ساقط نہیں ہو جاتے۔ بلکہ وہ چاہے تو ازسرِنو ان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔[1]

(۴) یہ سمجھوتہ بہرحال باہمی رضامندی سے ہوگا۔ کسی فریق کو کوئی خاص شرط ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ــــ البتہ چونکہ ازدواجی رشتہ کا انقطاع شریعت کی نظر میں زیادہ مذموم ہے لہذا اس رشتہ کو انقطاع سے بچانے کے لیے اگر ایک فریق تھوڑا سا رضاکارانہ ــــ اور معقول ــــ نقصان بھی برداشت کرلے تو یہ ایک قابلِ تعریف بات ہوگی ــــ اور چونکہ ایک فریق برضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہوتا ہے لہذا دوسرے

---

[1] آیت ۲۴ کے ماتحت یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض فقہاء مہر میں رضاکارانہ کمی کو ہمیشہ کے لیے ساقط قرار دیتے ہیں لیکن بعض فقہاء دوبارہ مطالبہ کو اس بات کا ثبوت سمجھتے ہیں کہ پہلا اقرار رضاکارانہ نہیں تھا بلکہ شاید کسی جبر یا فریب کا نتیجہ تھا۔ اور حقوق سے دست برداری صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کہ رضامندی سے ہو، اور یہ رضامندی شریعت کے خلاف امور میں نہ ہو۔

Marfat.com

سرے کی مجبور ہوں

نہیں ہو جاتا؟ عائلی زندگی میں اس "شُحّ" کی یہ مثال کیا [illegible] ہے کہ
بعض دفعہ عورت خود بھی یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ اپنے [illegible] کے سبب

کشش و رغبت کا کوئی سامان نہیں رکھتی مگر وہ مطالبہ یہی کرتی ہے کہ اسے ہر لحاظ سے ایک مرغوب و محبوب بیوی کے برابر درجہ دیا جائے —— اسی طرح بعض دفعہ مرد کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت اس کی بے توجہی و بے رغبتی کے باوجود اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہے مگر وہ عورت بجائے اس رویہ کی قدر کرنے کی بجائے اسے ضرورت سے زیادہ دبا کر رکھنے اور اس کے حقوق ناقابل برداشت حد تک نظر انداز کرنے پر اتر آتا ہے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا:۔

(۱) فوراً طلاق و افتراق کی طرف مائل ہو جانے کی بجائے مردوں کو بیوی کے معاملے میں تقویٰ اور حسنِ سلوک کی روش پر قائم رہنا چاہیئے —— اس تقویٰ و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عورت سے کسی حق کی دستبرداری کی توقع ہی نہ رکھیں۔

(۲) عورت میں بے رغبتی کے اسباب موجود ہونے یا پیدا ہو جانے کے باوجود، مرد کو چاہیئے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھے خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ برسوں اس کی رفاقت میں بسر کر چکی ہو۔ مرد کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ اس کے اعمال (اور ان کے محرکات سے بھی) بخوبی آگاہ ہے اور اللہ تقویٰ و احسان کو ہی پسند کرتا ہے۔ اسے سوچنا چاہیئے کہ اگر اسی طرح، اس کی خامیوں اور خرابیوں کی وجہ سے، اللہ اس کو اپنی نظرِ کرم سے محروم کر دے تو اس کا کہاں ٹھکانہ ہوگا؟

(۳) یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید نے خانگی زندگی میں حسنِ معاشرت کو تقویٰ اور خدا ترسی کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ اور جہاں جہاں معاشرت و دین کے متعلق احکام دیئے ہیں وہاں میاں بیوی کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دلاتے ہوئے بالعموم تقویٰ کا ذکر ضرور کیا ہے —— احسان اور تقویٰ

Marfat.com

اسلام کی روح میں ـــــــ اور عائلی زندگی میں ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے میاں اور بیوی کو تو باہم اس قدر حسنِ سلوک کا خوگر ہونا چاہیئے کہ وہ فریق ثانی سے کسی حق کی دستبرداری کا مطالبہ درکنار توقع ہی نہ رکھیں اور دونوں میں اس قدر تقوی و خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری ہونا چاہیئے کہ وہ دوسرے پر زیادتی، سرکشی یا اُس کے ساتھ بے رخی و بے توجہی کا تصور بھی نہ کرسکیں۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

(۱) یہ ناممکنات میں سے ہے کہ تم مختلف بیویوں کو ہر لحاظ سے ایک ہی طرح میں رکھ سکو تم لاکھ چاہو، ہر ہر چیز میں مساوات رکھنا تمہارے بس ہی میں نہیں ہے اور اس لیے تمہیں عورتوں کے معاملے میں اس قسم کے عدل و مساوات کا مکلّف بھی نہیں ٹھیرایا گیا۔

(۲) جہاں تک دلی رغبت، محبت اور دلکشی و جاذبیت کا تعلق ہے۔ مختلف بیویوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک رکھنا قطعاً ممکن نہیں شکل مزاج، عمر، صحت، سیرت اور علم وغیرہ کا تفاوت فطرتاً انسانی جذبات پر اثر انداز ہوتا ہے کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قسم کے فرق اور تفاوت کے باوجود وہ مختلف بیویوں کے متعلق اپنے جذبات میں یکسانیت برقرار رکھ سکے۔ اور نہ ہی قانون اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس قسم کے امور میں بھی مساوات رکھی جائے۔

(۳) اسی سورت کی آیت ۳ میں تعدد ازدواج کی صورت میں عدل کو لازمی شرط ٹھیرایا گیا تھا اور یہاں عدل کے امکان کی ہی نفی کر دی گئی ہے۔ اس سے بعض مسیحیت گزیدہ لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ اس طرح دراصل قرآنِ کریم نے ایک ہاتھ سے تعدد ازدواج کی اجازت دے کر دوسرے ہاتھ سے اسے واپس لے لیا ہے اور اب اسلام کا قانونِ ازدواج بھی مسیحی یورپ کی طرح، ہر وقت اور ہر حال میں یک زوجیت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید

Marfat.com

کے احکام اور بعض معجزات (مثلاً ولادت مسیحؑ) کے بارے میں اس قسم کی تاویلات سے کام لینے والے حضرات نے دراصل دانستہ یا نادانستہ قرآن میں یہ عیب تسلیم کر لیا ہے کہ وہ جب کسی چیز سے منع کرنا چاہتا ہے یا اس کی تردید کرنا چاہتا ہے تو وہ سیدھی طرح دو ٹوک بات نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے ایک پُرپیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔

(۴) آیت ۳ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً)۔

میں جس عدل کا حکم ہے وہ عدل اختیاری امور میں ہے یعنی ہر بیوی کی اپنی ضروریات اور اس کے مزاج و مذاق کا خیال رکھنا اس کے برعکس یہاں جس عدل کو ناممکن بتایا گیا ہے وہ غیر اختیاری امور یعنی جذبات اور قلبی کیفیات میں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی مساوات تو والدین اپنی ساری حقیقی اولاد کے درمیان بھی نہیں رکھ سکتے ——— دونوں آیتوں میں لفظ "عدل" مشترک ہے مگر اس کا مفہوم الگ الگ ہے، اور اس آیت (۱۲۹) کا اگلا حصہ خود اس بات کی وضاحت کیے دیتا ہے۔

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ :-

(۱) مختلف بیویوں کے درمیان عدلِ حقیقی نہ ممکن ہے نہ قانوناً مطلوب۔ عدلِ شرعی، جو مقصود ہے وہ، صرف یہ ہے کہ تم کسی ایک بیوی کی طرف اس قدر نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی بالکل ادھر لٹکی رہ جائے اور وہ عملاً یوں محسوس کرنے لگے گویا اس کا کوئی شوہر ہی نہیں ہے۔

(۲) یہ ظالمانہ صورت ہرگز اختیار نہ کرو کہ عورت بظاہر "سہاگن" ہو مگر دراصل اپنے تمام حقوق سے محروم ہو۔ قانوناً شوہر دار ہو مگر عملاً بیوہ و مطلقہ سے بھی بدتر اور مجبور رہو۔ اگر حسنِ معاشرت سے کام نہیں لے سکتے یا معاملات میں بھی عدل نہیں رکھ سکتے تو پھر اسے طلاق ہی دے دو۔

(۳) صرف ایک ہی بیوی ہونے کی صورت میں بھی، قرآن کریم نے، اسے

Marfat.com

اس طرح لٹکائے رکھنے سے منع کیا ہے۔ اور اِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (سیدھی طرح رکھنے یا بھلے طریقے سے رخصت کرنے البقرہ: ۲۲۹) کا حکم دیا ہے۔ چہ جائیکہ ایک عورت اپنی سوکن اور خاوند کو اپنے سامنے عیش کرتے دیکھے جب کہ وہ خود ازدواجی زندگی کے ادنیٰ حقوق سے بھی محروم ہو۔ یہ صورت حال ایک عورت کے لیے ایک ناقابل برداشت عذاب ہے اور جو مرد اپنی کسی بیوی کو اس قسم کے ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا کرتا ہے وہ صرف ایک غیر عادلانہ ہی نہیں انتہائی ظالمانہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے طرز عمل کو ہی اس آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۴) اس "ایک ہی طرف جھک نہ پڑو" کے حکم سے عدل بین الازواج کے صحیح معنی متعین ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اور لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(۱) پس اس کے بعد اگر تم اپنی پچھلی غلطیوں اور بے عنوانیوں کی اصلاح کر لو اور آئندہ کے لیے خدا خوفی اور احتیاط سے زندگی بسر کرو تو پھر یقیناً اللہ کے ہاں تمہارے لیے تمام تر رحمت و مغفرت ہی ہے۔

(۲) اگر تم دانستہ بے انصافی نہ کرو اور قانون الٰہی کے مطابق تقاضائے عدل کو پورا کرتے رہو اور حتی الامکان جذبات میں بھی عدم مساوات سے بچنے کی کوشش کرتے رہو، تو فطری و طبعی مجبوریوں کی بنا پر جو کوتاہیاں تم سے عدل بین الازدواج اور معاشرت زوجین کے بارے میں سرزد ہوں گی۔ اللہ انہیں معاف کر دے گا۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا۔

Marfat.com

(۱) اور اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ **مصالحت و مفاہمت** کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوں اور ہر فریق "نشوز" اور "اعراض" پر ہی ادھار کھائے بیٹھا ہو، تو پھر اس کا آخری علاج علیحدگی اور طلاق و افتراق ہی ہے۔

(۲) اور اگر علیحدگی کی نوبت ہی پیش آجائے تو زیادتی کرنے والے کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اس کی وجہ سے اللہ میاں دوسرے کے کام کو اٹکا نہیں رکھے گا۔ وہ بلا شرکت غیرے ہر ایک کا کام چلانے والا اور بنانے پر قادر ہے۔ اور ہر ایک کے لیے کوئی نیا دروازہ کھول سکتا ہے۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے ہر ایک کے لیے اس کے مناسب حال کشائش کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ آیات (۱۲۸ - ۱۳۰) انسانی فطرت کے بارے میں کس قدر حیرت انگیز درک و بصیرت کا پتہ دیتی ہیں — انسان کی تنگ دلی، خود غرضی، جذبات میں عدم مساوات، عورت کی کمزوری اور مجبوری وغیرہ امور کو کتنے حکیمانہ انداز میں بیان کر دیا ہے — بیان میں ان تمام چیزوں کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایک اعلیٰ معیار بھی دے دیا ہے اور کوئی غیر فطری پابندی بھی نہیں لگائی۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے —
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے	
فِي الْأَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا	اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ہم نے
زمین میں اور ہم نے حکم دیا تھا	

Marfat.com

الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ

ان لوگوں کو بھی جو دیئے گئے کتاب تم سے

قَبۡلِکُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا

پہلے اور تم کو بھی (یہ حکم دیا ہے) کہ اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرتے

اللّٰہَ ؕ وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ

رہو اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (اس بات کا) یقین

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا

(رکھو کہ) اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ

زمین میں ہے اور اللہ بڑا بے نیاز

غَنِیًّا حَمِیۡدًا ﴿۱۳۱﴾ وَ لِلّٰہِ

(ہے اور) سب خوبیوں والا (ہے) اور اللہ ہی کے لیے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی

ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۱۳۲﴾

میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز ہونے کے

ان کو بھی یہی حکم دیا تھا
اور اب تمہیں بھی یہی حکم
دیتے ہیں کہ ہمیشہ اللہ
(کی نافرمانی) سے ڈرتے
رہو اور اگر تم (اس نصیحت
پر عمل نہ کرو) تو اس کا
...
کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ
۵۰ آسمانوں اور زمین
کی ہر شے کا مالک ہے
اور اس کا سلسلہ کائنات
تو اسی طرح چلتا ہی رہے
گا وہ کسی کے بھی نہیں
تمہارے ... کا محتاج نہیں
وہ بے نیاز ہے اور ہر
... کا مستحق
... خوبیوں والا
... آسمانوں میں اور
جو زمین میں ہے
... تمہاری ...
کی ... ہے
... اللہ ہی کافی ہے
اسے کسی اور کی ضرورت ہی نہیں

إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا

اگر وہ چاہے تو تم سب کو مٹا دے / لے جائے اے

النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط

لوگو! اور لے آئے دوسروں کو

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

اور اللہ اس بات پر

قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ

اچھی طرح قادر ہے جو کوئی چاہتا ہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

دنیا کا انعام تو اللہ کے ہاں تو

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط

دنیا اور آخرت (دونوں) کا انعام ہے

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

اور اللہ سب کچھ سننے والا (اور)

بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

دیکھنے والا ہے

اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ ایسا کرنے پر پوری طرح قادر ہے

مگر وہ ایسا کرنے سے پہلے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر اسے یہ بتا دینا چاہتا ہے کہ جو شخص محض ثوابِ دنیا کا طلب گار ہو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام موجود ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات:-

اِیَّاکُمْ کا عطف اَلَّذِیْنَ پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب ضمیر معطوف ہو تو اس سے پہلے اِیَّا آتا ہے۔ اَلسَّمٰوٰتِ :- فِیْ کی وجہ سے مجرور ہے اور اس کا واحد اَلسَّمَآءُ ہے ـــــ یَّشَاْ: میں مضارع کی جزم اِنْ شرطیہ کی وجہ سے ہے اور یُذْھِبْ اور یَاْتِ میں جواب شرط ہونے کی وجہ سے ـــــ ثَوَابَ الدُّنْیَا :- یُرِیْدُ کا مفعول ہو کر نصب میں ہے اور ثَوَابُ الدُّنْیَا مبتداء موخر ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے۔ غَنِیًّا حَمِیْدًا ، قَدِیْرًا اور سَمِیْعًا بَصِیْرًا کی نصب خبر کان ہونے کی وجہ سے ہے اور کَفِیْلًا تمیز منصوب ہے۔

تفہیم وتفسیر:-

معاشرتی احکام وقوانین بیان کرنے کے بعد ان آیات میں ایک مختصر مگر موثر وعظ کیا گیا ہے جس کا مقصد انسانوں میں ایک اندرونی انقلاب پیدا کر کے انہیں ان احکام کی تعمیل پر آمادہ کرنا ہے۔ اللہ کی حاکمیت اس کی کارسازی، اس کی بے نیازی، اس کی قدرتوں، اس کے وسیع علم اور اس کے غیر محدود انعامات کے تصور واحساس بلکہ یقین کامل کے بغیر ان احکام کی پابندی دشوار ہے ـــــ

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ :-

اللہ ہی زمین وآسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے۔ اسے دوسروں کو غنی بنانے میں کیا دیر لگتی ہے ـــــ جب تم کسی کو تنگ کرنا یا اسے نقصان پہنچانا چاہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ اس کی قسمت کا بنانا یا بگاڑنا تمہارے قبضہ میں نہیں ہے، اللہ ہی سب کی قسمتوں کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنی قسمت کا مالک نہ سمجھو اور نہ ہی اپنے آپ کو کسی کی قسمت کا مالک سمجھ

Marfat.com

بیٹھو۔ یہ عقیدہ نہیں ظلم و بے انصافی کے مقابلے پر دلیر اور حق و صداقت کے سامنے اطاعت شعار بنا دے گا۔ ورنہ آدمی ٹھیک الٹا طرزِ عمل اختیار کر لیتا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔

(۱) یہ خوفِ خدا اور تقوائے الٰہی ہے جو تمام احکام الٰہی کی تعمیل کو آسان اور خوشگوار بنا دیتا ہے —— انسان کے سارے اعمال کا سنگِ بنیاد یہی تقویٰ ہے۔ تمہاری طرح پچھلے انبیاء کی اُمتوں کو بھی ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی رہی ہے کہ خدا ترسی و خدا خوفی سے کام کرو۔

(۲) تقویٰ کے ذکر اور اس کی تاکید سے، نہ صرف یہ کہ قرآن مجید ہی لبریز ہے[1]، بلکہ سالقہ کتب میں، اب بھی، اس کی تلقین موجود ہے —— دراصل خوفِ خدا اور مواخذہ آخرت کا احساس ہی مذہب کی روح ہے جب یہی نہ رہا تو باقی صرف لیبل سے کیا فائدہ؟

(۳) تقویٰ کی اس اہمیت کے پیش نظر اس کے مفہوم کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ تقویٰ کا مادہ و ق ی ہے۔ وَقٰی یَقِیْ کے معنی ہیں "بچانا" اور اس سے باب افتعال میں اِتَّقٰی یَتَّقِیْ اِتِّقَاءً استعمال ہوتا ہے جس کا اردو ترجمہ "پرہیز گار بننا" یا "(خدا سے) ڈرنا" کیا جاتا ہے۔ تقویٰ کا لفظ اِتِّقَاء (مصدر) سے اسم ہے اور اس طرح اس کے معنی پرہیزگاری اور "ڈر" ہیں —— بنیادی طور پر اس لفظ میں "بچنے" کا مفہوم شامل ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں تقویٰ کا مفہوم "خار دار جھاڑیوں میں سے احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ دامن بچا کر نکلنے" کی مثال سے سمجھایا گیا ہے

---

[1] قرآن مجید میں تقویٰ کا حکم اور متقیوں کا ذکر کم و بیش ۲۳۲ مقامات پر آیا ہے۔

Marfat.com

اس میں ڈر اور خوف کا مفہوم بُرے عمل کے عواقب و نتائج کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ جو آدمی کسی کام کے بُرے نتائج سے بچنا چاہتا ہے وہ اس کام کو کرنے سے ہی ڈرتا ہے۔ اس طرح لفظ تقویٰ کا مطلب محض خوف و دہشت نہیں بلکہ اس کے وسیع مفہوم میں ہر وہ احتیاط اور فکر، حیاء، لحاظ، احترام، ڈسپلن اور پابندی شامل ہے جس کا تعلق احکام الٰہی کے بجالانے سے ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تقویٰ محض ایک رسمی عمل یا کارروائی نہیں ہے بلکہ ایک شعور اور احساس کی حالت کا نام ہے جس میں آدمی ہر وقت خدا کو اپنے اعمال کا نگران اور اپنی ذات سے بالکل قریب محسوس کرتا ہے —— تقویٰ وہ ملکہ ہے جس کی بنا پر آدمی خود بخود، بغیر کسی بیرونی نگرانی کے، اپنا محاسبہ کرتا اور برائی سے باز رہتا ہے۔ تقویٰ ایک اندرونی انقلاب ہے۔ جو انسان کے ظاہر کی بھی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اسی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں سمجھایا تھا (التقویٰ ھٰھُنا) تقویٰ اس جگہ ہوتا ہے)۔

(۴) آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد محض ایک کتاب یا چند قوانین لوگوں تک پہنچا دینا نہیں ہوتا بلکہ ایک ذہنی اور روحانی انقلاب پیدا کرنا ہوتا تھا۔ اس کے لیے ایک مسلسل تربیت اور عملی نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کام پیغمبر کی لائی کتاب نہیں بلکہ خود پیغمبر کرتا ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۔

خدا کے احکام تم نے سن لیے اور تقویٰ و خدا خوفی کا مفہوم بھی سمجھ

Marfat.com

بھی سمجھ لیا اب یہ بھی یاد رکھو! کہ اگر تم احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرو گے ـــــ اور مواخذۂ ربانی سے بے خوف ہو کر چلو گے تو اقوام ماضی کا حال دیکھ لو ـــ انہوں نے نافرمانیاں کر کے خدا کا کیا بگاڑ لیا جو تم بگاڑ سکو گے اللہ کا سلسلۂ کائنات تو چلتا رہا ہے اور بدستور چلتا رہے گا۔ اللہ کو اپنی فرماں روائی کے لیے کسی "بیرونی امداد" کی ضرورت نہیں ہے ـ تمہاری عبادت و اطاعت سے خدا کو اپنی الوہیت و معبودیت کے لیے کوئی غذا حاصل نہیں ہوتی ـــ جیسا کہ بعض جاہل بت پرستوں کا اپنے دیوی دیوتاؤں کے متعلق خیال ہے ـــ بلکہ اس سے خود تمہاری تکمیل ہوتی ہے۔ اللہ تو ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور کائنات ارضی و سماوی اس پر شاہد ہے۔ اگر اس کی حمد و ستائش کا یہ پہلو تمہارے سامنے رہے تو تم کبھی اس کی نافرمانی و ناشکر گزاری نہ کر سکو۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ؁

کیا اس خیال سے خدا کے علاوہ دوسروں کی طرف جھکتے ہو کہ وہ تمہاری کچھ کارسازی کر سکیں گے؟ کیا خدا کی نافرمانی اس لیے کرتے ہو کہ اس طرح ہی تمہارے کام چل سکتے ہیں؟ اور خدا کی فرماں برداری میں "کام بگڑنے" کا خطرہ ہے؟ یہ بھی عقیدۂ فاسد اور وہم باطل ہے۔ خالق و مالکِ کائنات کی کارسازی کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق سے کارسازی کی توقع رکھنا سراسر خرافات اور حماقت ہے ـــ تم ایک دفعہ ع

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما

کہتے ہوئے تقویٰ اختیار تو کرو پھر دیکھو کہ وہ کس طرح تمہاری بگڑی سنوارتا ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ؁

Marfat.com

(۱) تم دیکھتے ہو کہ کائنات کی دوسری چیزوں کو خدا کے قانون سے سرکشی وبغاوت کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ہر چیز خود بخود مشین کی طرح ایک خاص ضابطہ وقانون کے ماتحت کام کرتی ہے۔ یہ اختیار صرف انسان ہی کو دیا گیا ہے اور اللہ نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے ورنہ وہ چاہے تو موجودہ نوع انسانی کو مٹا کر اس کی جگہ کوئی اور ایسی مخلوق لا سکتا ہے جو ہر طرح اطاعت گزار ہو ــــ اس صفحۂ ارض پر سے کسی بھی حیاتیاتی نوع، جنس، طبقے، قسم یا شاخ وغیرہ (Class, order, family, Species etc.) کو نابود کر کے اس کی جگہ کسی نئی مخلوق کو پیدا کر دینا اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں، اور علم الحیات (Biology) کے جدید ترین انکشافات اس چیز کی صداقت پر گواہ ہیں۔

(۲) اگر تم اللہ کے احکام سے انحراف کے مرتکب ہو گے تو وہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو سربلندی عطا فرمائے گا اور تمہارے زوال سے خدا کی سلطنت بے رونق نہیں ہو جائے گی ــــ تاریخ عالم کی ورق گردانی کرو تو تمہیں اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا :۔

(۱) اللہ کو ابھی یہی منظور ہے کہ انسان سے ارادہ واختیار کی آزادی بھی سلب نہ کی جائے اور قدرت کے باوجود اس کی جگہ کسی نئی مخلوق کو وجود میں نہ لایا جائے۔ خدا کی طرف سے انسان کو یہ ایک موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کرے ــــ وہ دوسرے حیوانات کی طرح محض مادی ضروریات اور دنیوی مفادات کے پیچھے ہی نہ لگا رہے بلکہ دنیا و آخرت دونوں کا خیال رکھ کر چلے۔

(۲) انعامات مادی ہوں یا روحانی، فوائد دنیوی ہوں یا اخروی، اور

کامرانی عارضی ہو یا دائمی سب ہی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اللہ نے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی عطا فرمائی ہے اور یہ ساری راہیں بھی اس کے لیے کھلی رکھی ہیں اب یہ اپنے اپنے ظرف اور ہمت یا نصیب اور قسمت کی بات ہے کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس سے دنیا و آخرت دونوں کے فائدے اس کے حصے میں آتے ہیں اور کوئی محض دنیا کے چند روزہ فائدوں پر اس طرح ریجھ جاتا ہے کہ اپنے آخرت کے حصے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

(۳) اور خدائے سمیع و بصیر خوب جانتا ہے کہ کون کیا چاہتا ہے؟ اور وہ کس چیز کے قابل ہے؟ وہ "دنیاوی بادشاہوں کی طرح" اپنے انعامات "سرکاری عملے" کے ذریعے اندھا دھند تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ ہر ایک کی کوشش، محنت، نیت و ارادہ اور فرماں برداری یا نافرمانی کو دیکھ کر، اس کے مطابق اسے اجر دیتا ہے۔

(۴) آیت سے بالواسطہ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی نظام کا مقصد محض مادی اور معاشی خوشحالی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روحانی و اخلاقی ترقی بھی اس کا نصب العین ہے ——— اور فرد ہو یا معاشرہ، اس بلند تر نصب العین کو، صرف احکام الٰہی اور قوانین ربانی کی پیروی سے ہی حاصل کرسکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا	اے ایمان والو! تم (دنیا میں) عدل و انصاف
اے ایمان والو ! ہو / ہو جاؤ	

Marfat.com

قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ

قائم رہنے والے انصاف پر (اور) گواہی دینے والے

لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

اللہ کے لیے اگرچہ (وہ ہو) خلاف خود تمہارے (ہی)

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

یا (تمہارے) والدین کے اور (تمہارے) قرابت داروں کے (ہی)

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا

اگر / چاہے کوئی ہو دولت مند یا مفلس

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا

بہرحال اللہ زیادہ حقدار / مہربان ہے ان دونوں سے / پر سو مت

تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا

پیروی کرو خواہش نفس کی اس بات میں کہ سے ہٹ جاؤ عدل سے

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا

اور اگر تم زبان مروڑ کر بات کرو گے یا (عدل سے) بچاؤ کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

تو بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے ا

کے علمبردار بنو اور ہمیشہ اللہ کی طرف سے گواہیں کر دکھڑے ہو) اگرچہ تمہارا یہ (عدل و انصاف اور سچی کی گواہی خود تمہارے اپنے خلاف جا رہے یا تمہارے والدین اور (دوسرے) رشتہ داروں کے خلاف (ہی کیوں نہ ہو) (جس پر یا جس کی گواہی دی پڑ رہی ہے) وہ امیر ہو یا غریب (تم کسی امیری یا غریبی کی بنا پر) [illegible] بہرحال اللہ ان دونوں کا نسبت زیادہ [illegible] دونوں [illegible] تم ہی عدل سے [illegible] ہٹ کر خواہش نفس کی پیروی [illegible] اور اگر تم نے [illegible]

Marfat.com

خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

خوب باخبر ہے اے ایمان لانے

اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى

اور (اس) کتاب پر جو اس نے اتاری ہے اپنے

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ

اپنے رسولؐ پر اور (اس) کتاب پر (بھی) جیسے وہ

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ

اتار چکا ہے اس سے پہلے اور جو کوئی

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ

کفر کرتا ہے اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور

كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ

اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور روزِ

الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا

آخرت سے سو وہ تو بھٹک کر نکل گیا گمراہی (میں)

سے) پہلو بچایا۔ تو یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے (ابھی) ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اے ایمان والو! تم (علی وجہ البصیرت) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور (ہر) اس کتاب پر جو وہ اس سے پہلے نازل کرچکا ہے اور جس نے بھی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کیا۔ وہ تو (راہ راست سے) بھٹک کر گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

Marfat.com

بَعِيدًا (۱۳۶)	
بہت دور	

لغوی ونحوی اشارات :۔

قَوَّامِيْنَ :۔ خبر کَانَ ہو کر نصب میں ہے اور شُهَدَاءَ کی نصب خبر کَانَ ہونے یا قَوَّامِيْنَ کا حال ہونے کی وجہ سے ہے ۔ اِنْ يَّكُنْ میں اسم كَانَ مضمر ہے اور اس سے مراد مشہود لہٗ (جس کے حق میں گواہی دی جائے) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جائے) دونوں ہو سکتے ہیں ۔ غَنِيًّا اور فَقِيْرًا خبر كَانَ ہیں ۔ اَوْلٰى بِهِمَا : یہاں اَوْلٰى افعل التفضیل ہے اور خبر مرفوع ہے ۔ اس کے عام معروف معنی تو "زیادہ مستحق" کے ہیں مگر اپنے مادے کی بنا پر اور آیت کے شان نزول کے پیش نظر اس لفظ کا مطلب "زیادہ خیر خواہ" بھی ہو سکتا ہے ۔ اکثر مستند ترجموں میں یہی موخر الذکر معنی مراد لیے گئے ہیں ——— اَنْ تَعْدِلُوْا میں ، وسو ترجمون میں یا تو لَا محذوف ہے یعنی دراصل اَنْ لَا تَعْدِلُوْا ہے جیسے اسی سورت کی آخری آیت میں اَنْ تَضِلُّوْا ہے ۔ اس صورت میں فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا کا ترجمہ یوں ہوگا "خواہش نفس کی اتنی پیروی بھی نہ کرو کہ عدل ہی نہ کرو" ———

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ عَدَلَ يَعْدِلُ عَنِ الْحَقِّ (حق سے منحرف ہونا) سے ہے اور ہم نے بین السطور ترجمے میں اسی کو اختیار کیا ہے ———

تَلْوٗا :۔ اس کا مادہ لوی ہے اور لَوَى يَلْوِىْ کے معنی "بل" ۔۔۔ آیت میں زبان کو مروڑ کر دورخی بات کرنا مراد ہے ——— یہ اصل میں تَلْوُوْنَ تھا نَ تو اِنْ شرطیہ کی وجہ سے گر گیا اور قرآن مجید میں اس لفظ کو لکھتے وقت "وو" کو "وْ" لکھا جاتا ہے ۔ مَلٰٓئِكَتِهٖ :۔ مَلٰٓئِكَة کا واحد مَلَكٌ ہے ۔ جیا اصل معنوں کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہو مگر اب فارسی لفظ "فرشتہ" اس کے بالکل ہم معنی سمجھا جاتا ہے مَلَكٌ ، اَلَكَ يَأْلِكُ (پیغام پہنچانا) سے مشتق ہے اور

Marfat.com

دراصل مَلاَک یا مَالک تھا۔

تفہیم و تفسیر:۔

سورت کی آیت ۵۸ میں عدل و امانت کا حکم دیا گیا تھا اس کے بعد عدل و انصاف کی متعدد صورتوں کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ جہاد کی غرض و غایت مظلوموں سے انصاف بیان ہوئی (آیت ۷۵) منافقوں کے بارے میں تحقیق اور انصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا (آیات ۸۸-۹۴) بددیانتوں کی وکالت کرنے سے روکا گیا (آیت ۱۰۵-۱۰۶) ایک مظلوم یہودی کو بے انصافی سے بچانے کے لیے اس سورت کی کم و بیش گیارہ آیتیں نازل ہوئیں (آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵) عورتوں اور یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف اختیار کرنے کا حکم دوبارہ تاکید کے ساتھ دیا گیا (آیت ۱۲۷)۔ اب یہاں ——معاشرتی احکام اور تقوٰی کی تاکید کے بعد ——ایک دفعہ پھر عدل و انصاف کے اسی سبق کو دہرایا گیا ہے — اور عدل کا وہ معیار پیش کیا گیا ہے جس کا تقوٰی کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے فوراً بعد ایمان لانے کا حکم دے کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ایمان کے بغیر تقوٰی اور تقوٰی کے بغیر عدل ناممکن ہے —— اور جہاں تقوٰی اور عدل نہیں وہاں دعوٰی ایمان مشکوک ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ:۔

(۱) احکام الٰہی کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں انسان کو بار بار حق و دیانت کے راستے سے ہٹنے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے۔ اور جگہ جگہ لغزش کے امکانات پیدا ہوتے رہتے ہیں —— اس لیے یہاں مسلمانوں کو حکم دیا گیا

Marfat.com

ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق و دیانت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ جادۂ عدل و انصاف سے پاؤں ہٹنے نہ پاسکے۔

(۲) صرف یہی نہیں کہ خود ہمیشہ انصاف کی راہ پر چلو۔ بلکہ تم عدل و انصاف کے محافظ و نگران اور علمبردار بن جاؤ۔ ظلم کو مٹانا اور اس کی جگہ عدل و انصاف قائم کرنا تمہاری زندگی کا مقصد ہونا چاہیے۔ ظلم و بے انصافی کو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہنا مومن کے شایان شان نہیں۔

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ :-

(۱) عدل و انصاف کی طرف پہلا قدم اور دیانت و صداقت کا اولین تقاضا سچی گواہی ہے مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہارا یہ فرض ہے کہ ہمیشہ عدل و انصاف کے مطابق سچی شہادت دو۔ مسلمان اس لیے گواہی نہیں دیتا کہ وہ مدعی کی پارٹی کا ہے یا مدعا علیہ کی پارٹی سے اس کا تعلق ہے — مسلمان تو صرف خدا کی طرف سے گواہ بن کر کھڑا ہوتا ہے — خدا کے سوا کسی کی خوشنودی اور حق و انصاف کے سوا کسی کی حمایت اس کے مدنظر نہیں ہوتی۔

(۲) مسلمانوں کی تو ہر شہادت حلفیہ شہادت ہوتی ہے۔ وہ بلا حلف بھی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کیونکہ اس کی گواہی ہمیشہ محض خدا کے لیے ہی ہوتی ہے۔

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ :-

(۱) مسلمانو! تم ہمیشہ حق و انصاف سے کام لو۔ جب بھی موقع پیش آئے سچی سچی شہادت دو۔ مروت اور رعایت اس میں نہ خود اپنی کرو، نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ عزیز کی۔

(۲) سب سے زیادہ جو چیز آدمی کو حق گوئی اور انصاف سے باز رکھتی ہے وہ دنیوی ذاتی مفاد اور قریبی تعلقات ہوتے ہیں۔ مسلمان کو واضح طو

Marfat.com

پر اس اندازِ فکر سے بالاتر رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ؕ

(۱) عدل و انصاف کا دوسرا دشمن، غریب و امیر کا امتیاز ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ حق و انصاف کی خاطر سچی گواہی دیتے ہوئے مشہود لہٗ یا مشہود علیہ (مدعی و مدعا علیہ) کی دولت مندی یا افلاس سے متاثر ہوں۔

(۲) دولت مند سے متاثر ہونے کی یہ صورت تو واضح ہے کہ اس کے دباؤ، لحاظ یا مروت کی بناء پر سچی بات کرنے سے گریز کیا جاتا ہے ——— مگر غریب آدمی کے معاملے میں محض جذبۂ ہمدردی کی وجہ سے بھی بعض دفعہ آدمی متاثر ہو جاتا ہے ——— بلکہ اس آیت کے شانِ نزول میں یہ واقعہ بھی مذکور ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ کوئی ایسا "کیس" پیش ہوا جس میں ایک شخص مالدار اور دوسرا مفلس تھا۔ حضورؐ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مال دار شخص نے ہی محتاج پر زیادتی کی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ——— اسی لیے اسلام میں حاکم اور قاضی کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ فریقین کا بیان سننے سے پہلے کوئی رائے دل میں قائم نہ کرے۔

(۳) امیر کے لحاظ یا خوف سے سچی شہادت نہ دینا اس لیے بُرا ہے کہ خدا کا خوف اور لحاظ بہر حال زیادہ ہونا چاہیئے ——— اور غریب کی خیر خواہی و ہمدردی کی وجہ سے اس کے خلاف سچی گواہی نہ دینا اس لیے درست نہیں کہ خدا تمہاری نسبت اپنے بندوں کا زیادہ خیر خواہ اور ان پر زیادہ مہربان ہے۔ وہ نہ امیر کے ساتھ بے انصافی کی اجازت دیتا ہے نہ غریب کے ساتھ۔

(۴) آیت سے بالواسطہ ان طبقاتی ہمدردیوں کی مذمت ثابت ہوتی ہے

Marfat.com

جن کی بنیاد بعض معاشی قدروں پر رکھی گئی ہے۔ مزدوروں کی کسی انجمن کے مطالبات کو محض اس لیے حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ غریب لوگ ہیں اور امراء یا حکام کی کسی ایسوسی ایشن کی تجویزوں کو صرف اس لیے رد نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ کھاتے پیتے لوگوں نے پیش کی ہیں —— اسلام صرف عدل مطلق اور انصافِ خالص کا حکم دیتا ہے ایسا عدل و انصاف جسے ذاتی مفاوات، خاندانی تعلقات یا طبقاتی اختلافات نے مجروح نہ کیا ہو۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا :۔

(۱) شہادت اس طرح واقعہ کے مطابق دو کہ اس میں تمہارے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ پوری احتیاط کرو کہ تمہارا بیان معروضی (Objective) رہے موضوعی (Subjective) نہ ہونے پائے۔

(۲) ذاتی رجحانات اور نفسانی خواہشات و جذبات کے سامنے اگر ایک دفعہ تمہارا قدم اکھڑ گیا تو پھر راہِ حق پر آنا دشوار ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس راہ سے ادھر اُدھر ہونے ہی نہ پاؤ۔

(۳) ھَوٰی (خواہش نفس) تقوٰی (پرہیزگاری) کے ٹھیک برعکس کیفیت کا نام ہے —— تقوٰی کا مطلب اگر اپنے اوپر خود بخود چند پابندیاں عائد کرنا ہے تو ان پابندیوں سے آزاد ہونے کی خواہش کا نام ھَوٰی ہے —— یوں ہر خواہشِ نفس مذموم نہیں ہے جب تک کہ وہ شریعت کے احکام و مقاصد کے منافی نہ ہو۔

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا :۔

اور یاد رکھو حق و انصاف اور سچی شہادت کے معاملے میں ہیر پھیر خدا کی نظر میں جرم ہے کہ گواہی دی تو جائے مگر اینچ پینچ کے ساتھ اور ایسے

Marfat.com

لگے پٹے الفاظ ہیں کہ نہ اس سے مظلوم کو فائدہ ہو نہ ظالم کو سزا ——
اور یہ بھی گناہ ہے کہ سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ کیونکہ سچی گواہی
کو چھپانا بھی دل کا گناہ ہے (سورہ البقرہ : ۲۸۳) —— ادائے
شہادت کے سلسلے میں کسی طرح بھی بدعنوانی کا ارتکاب کرتے وقت یہ
بات اچھی طرح سوچ لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال، بلکہ جذبات اور
رجحانات تک سے بخوبی آگاہ ہے۔

یہ آیت (۱۳۵) قرآن کریم کی پاکیزہ اور بے نظیر تعلیمات کے سلسلے میں
ایک شاہکار آیت ہے —— کس اختصار اور جامعیت کے ساتھ
اس میں عدل و انصاف کی تاکید، اس کی اہمیت، اس پر اثر انداز ہونے
والے عوامل اور ان کا علاج بیان کر دیا گیا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ :۔

(۱) اے مسلمان کہلانے والو! مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والو! اور انکار کی
بجائے اقرار کی راہ اختیار کرنے والو! تم اہل ایمان اور "ماننے والوں" میں
شمار تو ہونے لگے مگر ایمان کے تقاضے صرف "ممبرشپ" پر ختم نہیں ہو جاتے
تمہارے لیے ضروری ہے کہ ایمان کے ایک ایک جزء پر اپنا عقیدہ مضبوط
سے مضبوط تر کرو تاکہ تمہاری زندگی میں اور تمہارے اعمال میں اس ایمان کا
اثر ظاہر ہو ——

(۲) سب سے پہلے تو اللہ کی ذات و صفات اور اس کی توحید کی تفصیلات
کو سمجھو کہ تمہارا "ایمان باللہ" مکمل اور درست ہو۔ اس کے بعد پیغمبر صلی
اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے مقتضیات پر غور کرو جن کی شریعت کے ہر ہر

Marfat.com

جزء کو بے چون و چرا تسلیم کرو ـــــ اور وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہونے والی ہدایت کو اپنا مقتدا بناؤ ـــــ قرآن تو تمہارے پیغمبرؐ کی طرف نازل ہوا، اس سے پہلے بھی مختلف امتوں کو کتابیں دی گئیں تھیں۔ ان سب صداقتوں پر غور و فکر کر کے خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ ان پر ایمان لاؤ ـ اس قسم کا ایمان ہی تمہارے اندر ایک انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا :-

(۱) ان پانچ اجزائے ایمان میں سے کسی ایک کا انکار بھی دائرہ اسلام سے باہر نکال دینے کے لیے کافی ہے۔

(۲) جس طرح ایمان کی دو قسمیں تھیں۔ رسمی اور حقیقی اسی طرح انکار و کفر کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں ظاہری اور باطنی ـ ظاہری کفر تو یہ ہے کہ آدمی صاف صاف ان صداقتوں کا منکر ہو جائے۔ اور باطنی کفر یہ ہے کہ آدمی زبان سے تو اقرار کرے مگر دل سے نہ مانے یا اس کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ دراصل وہ ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتا ـــ اسی طرح ان عقائد میں سے کسی عقیدے کو من مانا مفہوم پہنانا بھی انکار سے مترادف ہی ہے۔ مثلاً اللہ کی بعض صفات کا انکار کرنا یا فرشتوں کی بجائے دیوتاؤں کو ماننا یا پیغمبروں کو اوتار ماننا یا ان کی اطاعت کو غیر ضروری قرار دینا یا وحی و الہام کو ایک بیماری سمجھنا یہ کفر اور گمراہی کی مختلف صورتیں ہیں

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا	جن لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ ابھی ایمان لائے
بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے	

Marfat.com

ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ
بڑھتے گئے کفر میں تو اللہ یہ نہیں کرے گا
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
کہ ان کو بخش دے اور نہ ہی انہیں چلائے گا
سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ
(سیدھی) راہ پر ۔ تو "خوشخبری" دے منافقوں کو
بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾
اس بات کی کہ ان کے لیے ایک دردناک عذاب (تیار) ہے
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ
(یعنی ان لوگوں کو) جو بناتے / سمجھتے ہیں کافروں کو
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
(اپنے) دوست مومنوں کو چھوڑ کر
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ
کیا وہ ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت

یعنی انکار کر دیا پھر
(اسی چکر میں رہے کہ ادھر
ایمان لاتے ادھر کفر میں
چلے گئے پھر اسی طرح
اپنے کفر میں ترقی کرتے
چلے گئے تو ایسے لوگوں
کو اللہ ہرگز نہ معاف
کرے گا۔ اور نہ کبھی ان
کو راہِ راست دکھائے گا
اور آپ ان منافقوں کو
یہ مژدہ سنا دیں کہ ان کے
لیے ایک دردناک سزا
تیار ہے (ان حضرات
کے لیے جنہوں نے ایمان
کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور)
جو اہل ایمان کا ساتھ
چھوڑ کر کافروں کے ساتھ
یارانہ گانٹھتے پھرتے ہیں
(اور انہیں اپنا خیرخواہ
بھی سمجھتے ہیں) —
(آخر ایسا کیوں ہے؟) کیا
یہ لوگ ان کے پاس عزت
کی طلب میں جاتے ہیں؟

Marfat.com

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ

سو حقیقتاً عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے ساری کی ساری۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی

اور وہ نازل کر چکا ہے تم پر

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ

کتاب میں (یہ حکم) کہ جب تم سنو (کہ)

اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ

اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور

یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا

ان کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے تو تم مت بیٹھو

مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ

ان لوگوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی

حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ

(اور) بات میں اس کے علاوہ (ورنہ) تم بھی اس صورت

اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

میں انہیں جیسے ہو جاؤ گے بیشک اللہ اکٹھا کرنے والا ہے

(کیا یہ ان کے ذریعے
غلبہ اور قوت چاہتے ہیں؟
حالانکہ سب عزت و
غلبہ صرف اللہ ہی کے
لیے ہے (اور جیسے مانا
سے دیکھیں ... شمار جیسے
اور وہ تمہیں اس کتاب
قرآن میں پہلے ہی
یہ حکم دے چکا ہے کہ
کی دشمنی ... کی ... تم
جب کہیں سنو کہ اللہ کی
آیتوں کے ساتھ کفر
کیا جا رہا ہے اور ان کا
مذاق اڑایا جا رہا ہے تو
ایسے لوگوں کے پاس جا کر
نہ بیٹھو جب تک کہ وہ
اپنا موضوع تبدیل کر کے
کسی اور بات میں
لگ جائیں ورنہ اگر تم
ان کے شریک مجلس رہے
تو تم بھی انہیں جیسے
ہو جاؤ گے۔

Marfat.com

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ

جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ

میں سب ہی کو یہ وہ لوگ ہیں جو

يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ

تکتے رہتے ہیں (کوئی موقعہ) تمہارے لیے پھر اگر تو ہو گئی

لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

تمہارے لیے فتح اللہ کی طرف سے تو وہ یوں کہنے لگتے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

ہیں کہ کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ؟ اور اگر ہو

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

کافروں کے لیے کچھ حصہ تو کہنے لگتے ہیں

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ

کیا ہم نے گھیر نہیں لیا تھا تم کو اور

نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاللّٰهُ

ہم نے بچا نہیں لیا تم کو مومنوں سے سو اللہ ہی

یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو ہی جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے یہ (منافق) تمہارے معاملے میں برا کا رخ دیکھتے رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح ہوئی تو تم سے آکر کہیں گے "اجی قبلہ ہم نے بھی تو آپ کا ہی ساتھ دیا تھا"۔ اور اگر (کہیں) کافروں کے حصے میں کچھ کامیابی آجائے تو ان سے جا کہیں گے ذرا دیکھئے جناب! کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے مگر پھر ہم نے ہی (تمہاری جرأت بڑھائی) اور تم کو مسلمانوں سے بچا لیا؟ (سو ایسے غدار اگر دنیا میں سزا سے بچ بھی گئے) تو پھر اللہ تمہارے اور ان کے

Marfat.com

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ فیصلے کرے گا تمہارے درمیان قیامت	معاملے کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا۔
الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ کے دن اور ہرگز نہیں کھولے گا اللہ	اور اللہ ہرگز کافروں کا مومنوں پر غلبہ نہیں ہونے دے گا۔
لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کافروں کے لیے مومنوں پر (غلبہ کا)	
سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ کوئی راستہ	

لغوی ونحوی اشارات :-

اِزْدَادُوْا :- ترقی سے باب افتعال ، صیغہ ماضی ہے اور اس میں زِدْنٰا تھا ... تعلیل اور ادغام کے بعد اس کی یہ شکل بنی - كُفْرًا : تمیز منصوب ہے - سَبِيْلًا دونوں جگہ مفعول ہو کر منصوب ہے ۔ اس لفظ کی تشریح آیت ۲۲ کے ماتحت ... ہے
عَذَابًا اَلِيْمًا :- مرکب توصیفی ، اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ...
بِهَا اور يُسْتَهْزَاُ بِهَا دونوں جملے اٰيٰتِ اللّٰهِ کا حال ہیں ... ضمیر
کا مرجع کفر اور استہزاء کے فاعل ہیں جو عبارت سے سمجھے جا سکتے ہیں ...
يَخُوْضُوْا :- خَاضَ يَخُوْضُ کے اصلی معنی گھسنا اور پڑنا ... ہیں ۔ مِّثْلُهُمْ
اِنَّكُمْ کی خبر ہے اور درمیان میں اِذًا زور دینے کے لیے آیا ہے ۔ مبتدا کے جمع اور خبر
(مِثْل) کے واحد آنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مِثْل واحد، جمع دونوں طرح استعمال ہو
سکتا ہے مثلاً ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد : ۳۸) اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ ...

Marfat.com

خلاف قیاس ہے۔ قاعدے کے مطابق اسے نَستَحِذ ہونا چاہیے تھا۔ حوذ سے باب استفعال کے معنی "غالب آجانا۔ چھا جانا" ہیں۔

تفہیم و تفسیر:۔

احکام الٰہی کی پابندی کا انحصار محض ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کی پختگی پر ہے۔ ایمان سے انکار اور کفر تو صریح گمراہی (ضلال بعید) ہے ہی، مگر نفاق یعنی "کچا ایمان" یا صرف ظاہری ایمان بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے کسی طرح کفر سے کم نہیں ہے۔ اسی لیے آیت ۱۳۶ میں خود مسلمانوں کو سچے مسلمان بننے کی تلقین کی گئی تھی۔ اب یہاں نفاق اور منافقوں کی مذمت کی گئی ہے۔ آیات زیر مطالعہ میں منافقوں کی ذہنی کیفیت، اسباب نفاق، مدارج نفاق اور علامات نفاق کا ذکر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا :۔

(۱) جو لوگ ایمان اور کفر کے فرق اور ہر ایک کے نتائج کے بارے میں متانت اور سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی بجائے دین کو محض ایک تفریحی مشغلہ سمجھتے ہیں۔ جن کے ذہنی تلون، قلبی تذبذب اور مفاد پرستی کا یہ عالم ہے، کہ ان کے نزدیک کفر اور ایمان کی کوئی سرحد ہی نہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہو کہ ابھی ایک بات کو مان لیا، دوسرے لمحے اس سے انکار کر دیا۔ جو پبلک لائف میں اسلام کے ہیرو بنتے ہیں، مگر اپنی پرائیویٹ زندگی میں کفر کے دلدادہ اور خواہشات نفس کے پجاری ہیں ـــــ ایسے لوگ بالآخر کفر و انکار ہی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ دراصل وہ گامزن ہی کفر کے راستے پر ہوتے ہیں، اور ان کا ہر قدم انہیں ایمان سے دور تر ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ جوں جوں کفر میں آگے بڑھتے ہیں، وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا :۔

Marfat.com

(۱) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں کبھی اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کا خیال ہی نہیں آتا۔ ہدایت اور روشنی سے دانستہ منہ موڑ لینے کے بعد انہیں درست راستے پر آنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ ان کا انجام (عموماً) یہ ہوتا ہے کہ توبہ اور اصلاح کیے بغیر ہی مر جاتے ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ جزائے عمل کے ماتحت ان کے لیے مغفرت و بخشش کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے۔

(۲) یہاں جس ایمان کے ترک پر عدمِ مغفرت و عدمِ ہدایت کی وعید ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی شامل ہے (دیکھئے اوپر آیت ۱۳۶) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ کی تصدیق اور اطاعت کے بغیر نہ ہدایت ملتی ہے نہ مغفرت۔ جب زندگی میں درست راستہ ہی نصیب نہ ہوا تو آخرت میں منزلِ مقصود معلوم۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔

(۱) کفر و اسلام کی سرحد پر آوارہ گردی کرنے والے یہ منافق اپنے انجام کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے انہیں یہ "خوشخبری" سنا دی ہے کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔

(۲) نفاق کے اصل معنی ہیں جنگلی چوہے کا اپنے بیشمار بلوں میں چھپ جانا کہ جس بل میں وہ نہیں ہوتا اس کو کھلا چھوڑ دیتا ہے اور جس میں ہوتا ہے اسے بظاہر بند کر دیتا ہے عربی زبان میں جنگلی چوہے کے ایک بل کو نافِقاء (جمع انفاق) کہتے ہیں ــــ دین کے معاملے میں منافق کے کردار کو ان لغوی معنی کے ساتھ جو مناسبت ہے، اسے معلوم کرنے کے لیے کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ - اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۔

Marfat.com

آخر یہ منافقین، اہل ایمان کو چھوڑ کر دین کے منکروں بلکہ دشمنوں کے ساتھ کس لیے یارانہ گانٹھتے ہیں؟ مومنوں کے سے دلی عقائد رکھنا تو درکنار، ان کے تو ظاہری تعلقات اور معاشرتی روابط (Social contacts) بھی کافروں اور دین کے دشمنوں کے ساتھ ہی ہیں ــــ مسلمانوں کے ساتھ ان کا تعلق محض زبانی "بیانات" کی حد تک ہے۔ ورنہ ذہنی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے وہ اسی طبقہ کے ساتھ وابستہ ہیں جن کا مقصد ہی اسلام کے جھنڈے کو سرنگوں کرنا ہے ــــ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ اس طرح "شرفا" و "معززین" میں شمار ہوں گے؟ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ اس طرح انہیں اتنی بلند اور محفوظ پوزیشن حاصل ہو جائے گی کہ کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا؟ عزت و وقار اور وجاہت و اقتدار کا یہ خود ساختہ نظریہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اصل عزت وہی ہے جو دینی نقطۂ نظر سے عزت ہو۔

(۲) منافقوں نے یہ کیوں کر سمجھ لیا ہے کہ دین کے ساتھ وابستہ رہنے میں عزت و غلبہ حاصل نہیں ہوگا؟ دنیا میں عزت و قوت و بقا بھی تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ مالک الملک جسے چاہے معزز بنا دے۔ اور حقیقی عزت اور حقیقی عظمت تو اللہ صرف اہلِ ایمان کو ہی عطا فرماتا ہے ــــ اُخروی عزت تو درکنار، منافق امراء و رؤساء تو اس دنیا میں بھی حقیقی عزت سے محروم ہوتے ہیں۔

(۳) اس آیت سے اہلِ علم نے یہ مفہوم نکالا ہے کہ کافروں کے ساتھ بلا ضرورت میل جول، فیشن میں ان کی غیر ضروری تقلید، ان کے سے لباس، تمدن اور معاشرت پر فخر، اور سیاست میں ان کی کاسہ لیسی و حاشیہ برداری، یہ سب نفاق میں داخل ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

Marfat.com

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۔ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط

(۱) کافروں کے ساتھ دوستانہ یا نیازمندانہ تعلقات تو ایک طرف رہے اللہ نے تو اس کے بارے میں یہ واضح حکم دے دیا ہوا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کسی مجلس میں اللہ کی آیتوں کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور اس کے احکام کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے تو تم ایسی مجلس میں بھی نہ بیٹھو جب تک وہ لوگ اس قسم کی باتیں چھوڑ کر کسی اور موضوع پر باتوں میں نہ لگ جائیں یا تم ان سے کنارہ کش رہو۔ اگر تم نے ٹھنڈے دل سے اور "آزاد خیالی" کے ساتھ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہوئے سنا اور اس قسم کی باتوں میں شریک محفل بھی رہے تو اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

(۲) نفاق کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے اور اس کا اولین درجہ یہی ہے کہ "روشن خیالی" "کشادہ دلی" "حریت فکر" اور "عدم تعصب" کے نام پر دین کے خلاف ہرزہ سرائی کو خاموشی سے سن لیا جائے اور اسے برداشت کر لیا جائے۔ درحقیقت کفر کے مقابلے پر یہ پہلی اندرونی اور ذہنی شکست ہے جو اس شکست کے آثار اس طرح ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں کہ آدمی زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے مرعوب نظر آتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ وہ اپنی اس شکست کو ذلت نہیں بلکہ عزت سمجھنے لگتا ہے۔

(۳) دین کے بارے میں اس بے تکلفی سے بچنے کا حکم سورۃ النساء کی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے سورۃ الانعام کی آیت [illegible] میں [illegible] اور اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ	جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں نکتہ چینی کر
فِىْ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ	رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جا
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ	یہاں تک کہ وہ اپنا موضوع سخن بدل دیں۔
غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ	اور اگر کبھی شیطان تجھے ہماری نصیحت

Marfat.com

الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ بھلا دے تو جونہی غلطی کا احساس ہو
الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ پھر ایسے ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔
الظّٰلِمِیْنَ ○

مکہ میں مشرکین، اور مدینہ میں یہود اور منافقین، اپنی مجلسوں میں اسلام کو تمسخر و تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ اس مسئلہ پر قرآنِ کریم میں دو دفعہ حکم نازل ہونے سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(۴) آیت کے عموم کے پیشِ نظر لے دینی کا ہر مشغلہ، دین کی تحقیر کا ہر مظاہرہ اور غیر مسلموں خصوصاً مسیحیوں کے تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی و تمدنی ماحول کے اثرات سب اس وعید میں شامل ہیں۔ مشنری سکولوں اور کالجوں اور یورپین طرز کے تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے مسلمان بچے جس طرح اپنے دین کے شعائر اور اس کے اصولوں پر طنز کو تمسخر سننے کے خوگر ہو جاتے ہیں اور مختلف قسم کے بازاروں، میلوں، کلبوں اور فلموں کے ذریعے جس طرح مسلمانوں کو دین کے معاملے میں بے غیرت بنایا جا رہا ہے۔ کیا یہ سب اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ کی تفسیر نہیں ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا

خدا کی عدالت میں منافق اور کافر دونوں یکساں مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے —— وہاں منافق کا ڈھکا چھپا کفر روشن اور ظاہر ہو جائے گا —— اور کفر ظاہری ہو یا باطنی کھلم کھلا ہو یا در پردہ، انجام سب کا ایک ہی ہے یعنی جہنم۔

(۲) اس دنیا میں ہمیشہ کفر اور نفاق میں باہمی اشتراک و اتفاق چلتا ہے —— کافر اور منافق ہی زندگی میں باہم حقیقی رفیق و ہمدم ہو سکتے ہیں —— یہ دونوں ایک ہی منزل —— جہنم —— کے راہی ہیں —— مومن مسلمان کا نہ تو کافر کے ساتھ کوئی جوڑ ہے نہ منافق کے ساتھ —— بلکہ وہ ان کے ساتھ مجلسی اختلاط میں

Marfat.com

بھی صحبتِ ناجنس کی تلخی محسوس کرتا ہے ۔

(۳) آیت میں کافر دوست، کافر نواز، کافر مزاج، کافر دماغ، کافروں کے آلۂ کار اور ان کے وفا شعار "مسلمانوں" کے لیے درسِ عبرت ہے ۔ اسلام کا تو کفر کے ساتھ الحاق ناممکن ہے ۔ البتہ اس "الحاق" کے حامی اور الحاد کے داعی نام نہاد مسلمان، بر اساسِ نفاق، کفر کے ساتھ ملحق ضرور ہو سکتے ہیں ۔

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ :-

(۱) اپنی ساری کفر دوستی کے باوجود منافق اعلانیہ مسلمانوں سے الگ نہیں ہونا چاہتے ۔ وہ اسے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر رہ کر ایسے موزوں موقع کی انتظار کی جائے جب مسلمان کسی آفت و مصیبت میں گرفتار ہو جائیں ۔ عہدِ رسالت کے منافقین کی یہی حالت تھی اور موقع و محل دیکھ کر اسلام کے متعلق اپنی وفاداریوں اور پالیسیوں کو بدلتے رہنا ہر زمانے کے منافقوں کی خصوصیت ہے ۔

(۲) ہر قسم کے حالات میں اسلام کے مقررہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور مسلّمہ اخلاقی اقدار کا علمبردار رہنے کی بجائے منافق اصولوں اور قدروں کو حالات کے مطابق بدل لینے کے لیے ہر وقت مستعد اور تیار رہتا ہے ۔ وہ نہ اصولوں کا وفادار ہوتا ہے نہ شخصیتوں کا، بلکہ صرف اپنے مفاد ——— اور وہ بھی صرف دنیاوی مفاد ——— کو مقدّم رکھتا ہے ۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ :-

(۱) عہدِ رسالت میں، خصوصاً جنگِ بدر کے بعد، جب کہیں کفار کے ساتھ جنگ ہوتی تو عموماً منافقوں کا ایک گروہ اسلامی فوج کے ہمراہ ہو لیتا ——— کافروں کے ساتھ ان کی لڑائی تو بس خانہ پُری ہی ہوتی تھی لیکن اگر مسلمانوں کی

Marfat.com

فتح ہو جاتی تو یہ حضرات اپنی شرکت و رفاقت کا حق جتا کر مالِ غنیمت سے اپنا حصہ ضرور طلب کرتے[1]

(۲) ہر زمانے کے منافقین کی یہی حالت رہی ہے ——— اور آج بھی ہے ——— کہ اسلام کے نام پر، اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے، جو کچھ بھی دنیاوی مفاد حاصل کیے جا سکتے ہیں انہیں تو وہ مردم شماری کی رپورٹ میں اپنے مسلمان مذکور ہونے کی بناء پر حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ :-

(۱) عہدِ نبوی میں اگر کسی جنگ میں، اتفاق سے کبھی میدان کافروں کے ہاتھ رہتا یا مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوتا (مثلاً احد، حنین وغیرہ) تو منافق جھٹ کافروں کے پاس جا کر اپنا احسان رکھتے اور کہتے "دیکھو! فلاں موقع پر تم ہلنے ہی تو لگے تھے۔ اور تمہارے پاؤں بس اکھڑ ہی چلے تھے مگر ہم آڑے آ گئے اور لشکرِ اسلام میں شامل ہونے کی وجہ سے ہم نے اپنی کوشش اور تدبیر سے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا ہی نہیں بلکہ تمہاری ہار کو جیت میں بدل دیا۔ لاؤ پھر ہمارا حصہ بھی تو دلواؤ!"

(۲) آج کے منافق مسلمان بھی کفر کے ذریعے حاصل ہونے والے "فوائد" کی خاطر کفار کے ساتھ روابط استوار رکھتے ہیں۔ "اپنے قول و فعل سے کافروں

---

[1] غالباً اسی لیے بعض خاص موقعوں (مثلاً حمراء الاسد، خیبر وغیرہ) پر منافقوں کو اسلامی فوج میں خدمت کے نااہل قرار دیا گیا۔ اور ان کی "پیش کش" کو قبول نہیں کیا گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ الفتح: ۱۱ — ۱۷ اور التوبۃ: ۸۱ - ۸۴

Marfat.com

کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم "متعصب مُلّا" نہیں بلکہ بالکل بے ضرر اور روشن خیال و غیر متعصب لوگ ہیں۔ فکر و مذاق، تہذیب و معاشرت بلکہ تمدن و سیاست میں بھی ہم تمہارے ہی ریزہ چین ہیں ـــــ مسلمانوں میں آزادی و بیداری کی جو لہر پیدا ہو چکی ہے ہم تو اس کا رُخ بھی تمہاری طرف نہیں ہونے دیتے"۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

(۱) مگر یہ چالاکی کب تک کام دے گی؟ منافقوں نے اگر یہاں کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے محفوظ بھی کر لیا، یا مرتے دم تک اپنا شمار مسلمانوں ہی میں کروا لیا، تو اس سے نہ اصل حقیقت بدل سکتی ہے اور نہ ہی یہ قصّہ اس زندگی کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ قیامت کے دن (جو بہرحال آنے والا ہے) تو اللہ مسلمانوں اور منافقوں کو علیحدہ علیحدہ کر دے گا اور اس دن فیصلہ ہو جائے گا کہ کون کس کے ساتھ تھا۔

(۲) قیامت کا دن یاد دلانے کی ایک مناسبت یہاں غالباً یہ بھی ہے کہ منافق کم از کم زبانی تو روزِ قیامت کا اعتقاد رکھتا ہے ـــــ اگر دل سے نہیں مانتا یا محض عملاً غفلت میں پڑا ہوا ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اسے بار بار اس دن کی یاد دلائی جائے۔

(۳) خود اہلِ ایمان بھی منافقوں کو دی گئی مہلت کی وجہ سے مضطرب نہ ہوں ـــــ وہ دن دور نہیں جب ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جانے والا ہے۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ؕ

(۱) اور اس آخری و اُخروی فیصلے کے دن اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا۔ وہاں قطعاً کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں ہوگا ـــــ

(۲) اللہ اس دنیا میں بھی کافروں کو مومنوں پر غالب نہیں آنے دے گا۔

Marfat.com

عقلی دلائل اور شرعی حجت کے اعتبار سے بھی ہمیشہ اہلِ ایمان کا پلہ بھاری رہے گا۔ اور سچے مومن کبھی کافروں کے مقابلے پر مستقل شکست نہیں کھا سکتے۔ خیال رہے یہاں وعدۂ نصرت حقیقی ایمان کے ساتھ ہے" نمائشی مومنوں" یعنی منافقوں کی ہی تو مذمت ہو رہی ہے —— یہ ایک حقیقت ہے کہ ایمان، چاہے کسی چیز پر ہو، عدمِ ایمان کی نسبت زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اگر ایک آدمی وطن یا قوم یا مادہ پر ہی ایمان رکھتا ہے تو وہ بھی کچھ کر کے دکھا دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ پر ایمان کے مقابلے میں یہ باقی کے سب "ایمان" باطل اور ہیچ ہیں۔ اس طرح اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے کہ کفر پر غلبہ چاہتے ہو تو اپنے ایمان باللہ کو نفاق سے پاک کرو۔ صحیح ایمان کبھی کفر سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ یہی مضمون وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۹) میں بیان ہوا ہے۔ فَا فْهَمُوا وَتَدَبَّرُوا۔

(۳) عہدِ رسالت کے حالات کے اعتبار سے اس آیت میں بالآخر مسلمانوں کی فتح و کامیابی کی بشارت موجود تھی۔ اور اس مفہوم کی تائید قرآنِ کریم کی دوسری متعدد آیات سے بھی ہوتی ہے۔ منافقین مدینہ یہودیوں سے خصوصاً زیادہ مرعوب تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ (یہودی) مسلمانوں سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکیں گے آیت میں ان کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے ——

(۴) آیت کے اس حصے سے فقہاء نے بعض قانونی نکاتِ پیدا کئے ہیں مثلاً یہ کہ

(ا) مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی ایک قابلِ اعتراض گواہی سمجھی جائے گی جس طرح فریقِ مخالف کے ساتھ دشمنی ثابت ہو جانے پر ایک گواہ عدالت کی نظر میں قابلِ اعتبار نہیں رہتا یا جیسے باپ کے حق

Marfat.com

میں بیٹے کی گواہی قابلِ اعتراض ہوتی ہے۔

(ب) کوئی کافر کسی نابالغ مسلمان کا ولی (GUARDIAN) تسلیم نہیں کیا جاسکتا نہ نکاح میں نہ جائداد میں۔

(ج) کافر کو کسی مسلمان سے وراثت نہیں مل سکتی۔

(د) کوئی غیر مسلم کسی اسلامی ریاست کا صدر مملکت یا قاضی القضاۃ نہیں ہو سکتا۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ	یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں
بیشک منافق (لوگ) فریب دیتے ہیں اللہ کو	حالانکہ در حقیقت اللہ
وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا	نے ہی انہیں نفس کے دھوکے میں ڈال رکھا
حالانکہ وہ فریب (میں مبتلا کر) دینے والا ہے ان کو اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں	ہے۔ جب یہ نماز کے لیے
إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ	اٹھتے ہیں تو بہت ہی کاہلی (آلکس) کے ساتھ
نماز کے لیے تو کھڑے ہوتے ہیں بہت الکساتے ہوئے	اور محض لوگوں کو دکھانے
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ	کے [illegible]
دکھاتے ہیں (محض) لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے ہیں	ہیں اور اللہ [illegible]
اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ	کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں۔
اللہ کو مگر بہت کم ۔ سرگرداں ہیں	

Marfat.com

بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

درمیان ہی ہیں — نہ ان کی طرف (کے) ہیں

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

اور نہ ہی اُن کی طرف (کے) اور جس کو گمراہ رکھے

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اللہ سو تو ہرگز نہ پائے گا اس کے لیے کوئی راستہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

اے ایمان لانے والو! تم مت پکڑو

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

کافروں کو دوست مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

کو چھوڑ کر / سے ہٹ کر — کیا تم یہ چاہتے ہو کہ

تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا

قائم کرلو / کرا دے لو — اللہ کی طرف سے اپنے اوپر صریح

مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى

حجت / الزام — بیشک منافقین ہوں گے سب

(کفر و ایمان کے) درمیان ہی میں ڈانواڈول (سرگرداں) ہیں۔ نہ ادھر کے ہیں نہ اُدھر کے اور جسے اللہ گمراہی میں رکھے تو ممکن نہیں کہ تم اس کے لیے کوئی راستہ ڈھونڈھ نکالو۔

اے ایمان لانے والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کی رفاقت (اور یاری) اختیار نہ کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے ہی خلاف اللہ کی صریح حجت قائم کرلو؟

یقین رکھو کہ منافق دوزخ کے سب سے

Marfat.com

الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج

سے نیچے کے درجے میں آگ دوزخ کے (اندر)

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ لا

اور تو نہیں پائے گا ان کے لیے کوئی مددگار

نیچے کے درجے میں جائیں گے (اور وہ اسی کے مستحق ہیں) اور تم کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

مگر الذین جنہوں نے توبہ کرلی اور (اپنی) اصلاح کرلی

وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

اور مضبوط پکڑا اللہ (کے سہارے) کو اور خالص کرلیا انھوں نے

دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ ہوں گے مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ ط وَسَوْفَ يُؤْتِ

کے ساتھ اور عنقریب اللہ دے گا

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اہل ایمان کو بڑا ثواب۔

البتہ جو ان میں سے توبہ کرلیں اور (اپنا عمل) درست کرلیں۔ اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں (صرف اسی کے حکم بردار بنیں) تو ایسے لوگ اہل ایمان (ہی میں) شمار ہوں گے --- اور اللہ مومنوں کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ

کیا کرے گا اللہ تمہیں عذاب دے کر اگر

آخر اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ تمہیں (خواہ مخواہ) سزا دے۔ اگر تم شکر گزار بن کر رہو اور

Marfat.com

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ	ایمان کا راستہ اختیار کرو اللہ تو بڑا قدر دان ہے اور ہر ایک کے متعلق سب کچھ جاننے والا (بھی) ہے
تم نے شکرگزاری کی اور ایمان لانے اور اللہ	
اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾	
بڑا قدر دان (اور) سب کچھ جاننے والا ہے	

لغوی و نحوی اشارات :۔

كُسَالٰى :۔ قَامُوْا کا حال ہو کر نصب میں ہے اس کا واحد کَسِلٌ اور کَسْلَانٌ ہے۔ کَسَل (مصدر) ایسے موقع پر سستی و کاہلی دکھانے کو کہتے ہیں جہاں ایسا نہیں ہونا چاہیے ——— يُرَآءُوْنَ : كُسَالٰى کا حال بھی ہو سکتا ہے اور بدل بھی ——— اور اسے الگ جملہ بھی شمار کر سکتے ہیں۔ اور یہ رأی سے باب مفاعلہ کا مضارع ہے۔ قَلِيْلًا : ایک مصدر محذوف (مثلاً ذِكْرًا) یا زمان محذوف (مثلاً وَقْتًا) کی صفت منصوبہ ہے۔ مُّذَبْذَبِيْنَ :۔ اس کی نصب ذم کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے ——— اور يُرَآءُوْنَ کی ضمیر فاعل کا حال بھی ہو سکتا ہے۔ ... متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہاں صیغہ اسم مفعول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نفاق نے انہیں متحیر و حواس باختہ کر رکھا ہے۔ بَيْنَ ذٰلِكَ : میں ذٰلِكَ (اس) سے مراد یہاں "ان دونوں" ہے۔ اور دونوں سے مراد کفر و ایمان کی دو حالتیں یا یہودیوں اور مسلمانوں کے دو گروہ ہیں۔ الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ :۔ خود دَرْك کے معنی بھی کسی چیز کی انتہائی گہرائی کے ہیں۔ جب اوپر جانے کا ذکر ہو تو لفظ دَرَجَه (جمع دَرَجَات) بولا جاتا ہے اور جب نیچے جانے کا ذکر ہو تو انہی معنوں کے لیے لفظ دَرَكَه (جمع دَرَكَات) استعمال ہوتا ہے۔ وَاعْتَصَمُوْا :۔ اِعْتِصَام (عصم سے افتعال) کے معنی "کسی چیز کو مضبوطی کے ساتھ ہاتھوں میں پکڑ لینا اور اپنے آپ کو کسی کی حفاظت میں دے دینا" کے ہیں ——— يُؤْتِ اللّٰهُ :۔ يُؤْتِ دراصل

Marfat.com

يُؤْتِ ہے اور ی کا گرانے والا یہاں کوئی عامل موجود نہیں مگر یہ لفظ قرآن مجید میں صرف اس جگہ اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ : میں مَا استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے، بلکہ زیادہ درست یہی ہے ویسے اسے نافیہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔

تفہیم و تفسیر :-

ان آیتوں کا موضوع بھی وہی ہے جو گزشتہ پانچ آیات (۱۳۷-۱۴۱) کا تھا یعنی نفاق کی مذمت، اس کی بعض علامات اور منافقین کو تنبیہ۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ :-

(۱) منافق کی بنیادی خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ چالبازی اور فریب پر اس قدر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ سمجھ لیتا ہے شاید خدا کے سامنے بھی اس کا فریب چل جائے گا۔ یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ منافق کو دین اور ایمان کی حقیقت کا صحیح علم نہیں ہوتا وہ محض ظاہرداری پر نتائج کی بنیاد رکھتا ہے جس طرح آج کل بعض مقدمہ کے فریقین (اور خصوصاً جو فریق ناحق پر ہو) کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اصل واقعات کے مطابق فیصلہ چاہنے کی بجائے اپنے حق [illegible] والے قوانین کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے ---- خدا [illegible] قانون اور واقعات کی یہ صورت نہیں چل سکتی اور جو یہ سمجھتا ہے وہ دین کی روح کو ہی نہیں پاسکا ---- وہ خود ایک غلط فہمی اور فریب نفس میں مبتلا ہوتا ہے جس کا وبال خود اسی پر ہوگا۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۹ وَمَا يَخْدَعُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ میں اسی مضمون کی تفسیر موجود ہے۔

(۲) قرآن کریم میں جہاں جہاں منافقوں یا کافروں کے مکر، فریب اور چالوں کے مقابلے پر خدا کے مکر، فریب یا چال کا ذکر آتا ہے اس سے مراد بندوں کے اس مکر، فریب یا چال کی سزا ہوتی ہے ---- اور دراصل یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اللہ کے معاملے میں اس قسم کا طرز عمل بے سود و بے کار ہے۔

Marfat.com

بارگاہِ الٰہی میں تو ارادہ و نیت کا خلوص درکار ہے ——— بھلا جس سے سینوں کے بھید اور آنکھوں کی خیانت تک نہیں چھپ سکتی اس کے سامنے دورُخی چال کا مطلب ثبوتِ جرم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى :-

(۱) منافق کی ایک واضح علامت یہ ہے کہ اس پر نماز بہت گراں گزرتی ہے جب تک حرارتِ ایمان شامل نہ ہو عبادت محض بیگار اور "نری خانہ پُری" ہوتی ہے ——— اہلِ نفاق میں یہی چیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اول تو وہ نماز پڑھتے ہی کم ہیں اور جو کہیں مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی "پھنس" جائیں تو بے دلی کے ساتھ کچھ ویرا اُٹھک بیٹھک کر لیتے ہیں۔ اور جب نماز جیسے اہم رکنِ اسلام کے متعلق یہ رویہ ہے تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ ظاہر ہے قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ منافقوں کی اس روش کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (التوبہ: ۵۴)

اور نماز کو آتے ہیں تو بس الکسائے ہوئے اور (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں تو بس بددلی سے۔

(۲) نماز سے فرار یا اس کے پڑھنے میں سستی و کاہلی اور غفلت و بے پرواہی سے کام لینا ہر زمانے کے منافقوں کی خصوصیت ہے حتیٰ کہ پچھلی اُمتوں کی خرابیوں میں سے اضاعتِ صلوٰۃ (نمازیں برباد کرنا) کا ذکر خاص طور پر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ (مریم: ۵۹) ——— اگر عہدِ رسالت کے منافقوں کے لیے نماز اس وجہ سے خاص طور پر ایک مصیبت تھی کہ اس وقت کوئی شخص مسلمان شمار ہی نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ نماز کا پابند نہ ہو (حکم اب بھی یہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کوئی پڑتال کرنے والا نہیں رہا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی مسجد نبوی کی تعمیر کی اور نماز پنج گانہ کے لیے

Marfat.com

اذان و جماعت کا نظام قائم کیا ـــــ اس زمانے میں کسی شخص کا بغیر عذر کے مسلسل کئی دن تک نماز باجماعت سے غائب رہنا اس بات کا قوی ثبوت تھا کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے یا اسے اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے ـــ نماز کے اس ڈسپلن کا نتیجہ یہ تھا کہ سخت سے سخت منافق بھی پانچوں وقت مسجد نبوی میں حاضری دیتے تھے کیونکہ اس کے بغیر وہ مسلمانوں میں شمار نہیں ہو سکتے تھے اور "مردم شماری" میں وہ بہرحال اپنے آپ کو مسلمانوں میں ہی شمار کرانا "ضروری" سمجھتے تھے ـــــ اس طرح مومن و منافق سب ہی مسجد نبوی میں نماز کے لیے جمع ہوتے تھے مگر مومن کی تمام حرکات و سکنات سے اس کا ذوق شوق اور نماز سے محبت و دلچسپی ظاہر ہوتی تھی اس کے برعکس منافق اذان کے بعد مسجد کی طرف جاتے، نماز کے دوران ان کا دل اچاٹ رہتا، جماعت ختم ہوتے ہی وہ مسجد سے یوں نکلتے جیسے کسی [illegible] اس طرح اس آیت میں دراصل مسجد نبوی کے ان منافقوں کی کیفیت [illegible] [illegible] ـــــ [illegible]

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا

[illegible]

[illegible] اپنے نفس [illegible]

[illegible] اور اپنے [illegible]

[illegible] اگرچہ یہ نماز [illegible]

[illegible] ـــــ [illegible] منافق [illegible]

کہ تمہیں [illegible] اپنے آپ [illegible]

کی بنا پر نماز پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے ایسی صورت میں [illegible] ظاہر ہے کہ نماز کا اصل مقصد ـــ ذکر اللہ ـــ کہاں تک پورا ہو سکتا ہے [illegible] بہت اللہ کا ذکر اس نماز میں ہوتا بھی ہے تو وہ بھی [illegible] کی نذر ہو

جاتا ہے۔ ورنہ اگر خلوص کے ساتھ وہ تھوڑا ذکر بھی کیا جاتا تو شاید اللہ اپنے فضل سے اسے ہی زیادہ قرار دے دیتا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقوں کی نمازوں پر اس حصّہ آیت کا جس طرح اطلاق ہوتا ہے اس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کا مقصد نماز کے ذریعے اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں مسلمان ثابت کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

(۳) فقہاء نے لکھا ہے کہ ریاکارانہ نماز جو محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے پڑھی جاتی ہے معصیت ہے اور توبہ کے علاوہ اس کا دہرانا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ وہ نماز دانستہ خدا کی بجائے کسی اور کو خوش کرنے کے لیے پڑھی گئی ہے۔ اسی لیے ریاء کو شرکِ اصغر کہا گیا ہے — لیکن جو لوگ نماز باجماعت کو یہ کہہ کر ترک کر دیتے ہیں کہ اس طرح وہ ریاکاری سے دور رہیں گے یہ بھی خلافِ شریعت ہے۔ باجماعت نماز پڑھنا شریعت کا ڈسپلن ہے اور نماز میں ذکر اللہ کی روح پیدا کرنا شریعت کا مقصد ہے۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ:

(۱) کسل و بددلی اور ریاء و ظاہرداری کی طرح منافقوں کی نماز پریشان خیالی اور دو دلی سے بھی خالی نہیں ہوتی جس طرح نماز کی حرکات ان کے بدن پر بوجھ ہوتی ہیں، اور خالصتہً خدا کے لیے نماز پڑھنا ان کے نزدیک تضیع اوقات ہے۔ اسی طرح نماز میں یکسوئی بھی ان کے ذہن و قلب کے لیے ایک سنگِ گراں ہے۔

(۲) تحیّر و سرگردانی اور ذہنی و فکری انتشار منافق کی صرف نماز تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کا مالک نہیں ہوتا، اور ذہنی اعتبار سے کبھی اس کا کہیں مستقل ٹھکانہ نہیں بنتا — وہ ہمیشہ اعتمادِ

Marfat.com

نفس اور اطمینانِ قلب سے محروم رہتا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا۔

یوں تو دنیا میں فکر و عمل کی سب راہیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں مگر اس نے ہر انسان کو ایک حد تک طلب اور سعی کا اختیار دیا ہے۔ جو آدمی جس راستے پر چلنا چاہتا ہے اللہ کی سنت تکوینی یہ ہے کہ وہ اس کے لیے راہروی کے اسباب ہموار کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص خلوصِ نیت کے ساتھ نیکی کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اسے اس کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس کے موافق اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی گمراہی اور غلط راستے کو پسند کرتا ہے تو اللہ اسے اسی طرف پھیر دیتا ہے۔ جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے ـــــ اور اس کے موافق اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی گمراہی اور غلط راستے کو پسند کرتا ہے تو اللہ اسے اسی طرف پھیر دیتا ہے جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے اور اس کے سامنے ہر طرف ضلالت ہی کی راہیں کشادہ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے شخص کو ان غلط راہوں سے ہٹا کر، جنہیں اس نے خود اپنے لیے منتخب کیا ہے، راہِ راست پر لانا اور غلط کام کرنے اور غلط انداز میں سوچنے سے بچا لینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

(۲) ہدایت اور نیکی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی انسان پر خارجی دباؤ کے تحت ٹھونسی جا سکے، جب تک خود انسان کے اندر ایک انقلاب پیدا نہ ہو بیرونی کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں۔ اس کی واضح مثال ہمارے زمانے کے سمگلر ہیں۔ حکومتیں بھی ان کی پڑتال اور تلاش کن کن طریقوں سے نہیں کرتیں مگر وہ ہیں کہ روز نئے طریقے ایجاد کرتے چلے جاتے ہیں۔ سمگلر کی جب تک اپنی ذہنیت نہ بدل جائے کوئی قانون حتیٰ کہ سرحد پر ان کے موت مرنے کا امکان بھی انہیں اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں رکھ سکتا۔

Marfat.com

—— ایسے موقع پر ہماری زبان میں بھی عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ "خدا ہی ہدایت دے تو دے" —— اور یہی مفہوم اس قرآنی آیت کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا۔

(۱) ایمان سے نفاق کی طرف انتقال کا ایک بڑا سبب کافروں کی دوستی اور ان کی کارسازی پر بھروسہ بھی ہے کسی نقصان کے خوف سے اہلِ ایمان کا ساتھ چھوڑنا یا کسی نفع کی امید پر کافروں سے رشتہ جوڑنا (جن میں پوشیدہ کافر یعنی منافق بھی شامل ہیں) اور اصل خدا سے بدگمانی کا ثبوت ہے اور بارگاہِ الٰہی میں کسی کو مجرم ثابت کرنے کے لیے اس کا یہ رویہ ہی اپنی دلیل آپ ہے۔ دعوئ ایمان کے بعد مومنوں کو چھوڑ کر، کافروں کو اپنا خیرخواہ، دوست، سرپرست، مددگار یا کارساز سمجھ لینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے ہاں تو جب سزا دینے کے لیے پھر کسی اور ثبوت اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی —— اس کے بعد تو آدمی کی پوزیشن بالکل یہ ہو جاتی ہے گویا اس نے عدالت کے سامنے اپنے فردِ جرم کا اعتراف کر لیا۔

(۲) اللہ کو تو اپنے تمام بندوں پر (جن میں کافر، مومن، منافق، مخلص اور فرمانبردار، گنہگار سب شامل ہیں) ہر وقت اور ہر طرح واضح اختیار اور مکمل تسلط و سلطان (مبین) حاصل ہے ہی۔ تمہارے اس فعل کی وجہ سے اس کے اختیارات میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ کافروں کی دوستی تمہیں کچھ فائدہ پہنچانے کی بجائے موجبِ نقصان و ہلاکت ہوگی۔

(۳) اگرچہ یہ آیت واضح طور پر ملی و قومی سطح کے سیاسی معاملات سے تعلق رکھتی ہے تاہم اس کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلموں اور بے دینوں کے

Marfat.com

ساتھ بلا ضرورت انفرادی دوستانہ تعلقات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور بعض فقہاء نے جو کافروں کو شریک تجارت کرنے کو بھی ناپسند کیا ہے، تو اسی احتیاط کی بناء پر ورنہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن معاشرت ممنوع نہیں، بلکہ اس کا تو حکم ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا۔

(۱) ہر منافق دراصل تو کافر ہی ہوتا ہے۔ منافقت یا نفاق کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اصل جرم ——— کفر ——— پر ایک مزید جرم [illegible] کا بھی اضافہ کر رہا ہے۔ اس لیے یہاں [illegible] کہ منافق کو کافر سے سخت تر سزا ملے۔

(۲) غلط فہمی [illegible] دراصل [illegible] اس [illegible] کا اطلاق [illegible] طرح [illegible] ہوتا ہے اسی طرح آخرت کی زندگی [illegible] صورت جیسا کہ [illegible] آیت ۴ [illegible] ایمان کی تجارت [illegible] کافروں کی [illegible] ہونا پاک [illegible] کو [illegible] منافق کو اس [illegible] کوئی بچا نہیں سکتا۔

(۳) دوزخ کے سب سے [illegible] خاص مناسبت ہے۔ [illegible] وعزم اور خواہش ومقصد [illegible] ہو [illegible] دنائت اور کمینہ پن کی تصویر مجسم ہوتا ہے۔ ایسے [illegible] نفرت [illegible] ہونا تعجب کی کونسی بات ہے۔

Marfat.com

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

(۱) نفاق جرم سہی اور نفاق کی بعض صورتیں سنگین تر جرم سہی مگر کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا ناقابلِ اصلاح وتلافی ہو۔ منافقوں کے لیے اس قدر وعید وتہدید کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر منافق ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت ومغفرت سے مایوس ہو جائے ـــــ توبہ اور اصلاح کا دروازہ ان کے لیے بند نہیں کر دیا گیا۔ وہ جب اور جس وقت چاہیں سیدھا راستہ اختیار کر کے مومنوں میں شامل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ یہ توبہ واصلاح موت سے پہلے ہو (جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۷، ۱۸ میں بیان ہو چکا ہے)

(۲) قرآنِ کریم میں تلافیٔ مافات اور معافی ومغفرت کے ضمن میں عموماً توبہ (ترکِ گناہ) اور اصلاح (التزامِ عملِ صالح) کی تلقین کی گئی ہے۔ اور حقیقتاً ایمان وعمل کے تمام مقتضیات ان دو لفظوں کے اندر شامل ہیں ـــــ لیکن یہاں اہلِ نفاق کی تلافیٔ مافات کے لیے توبہ اور اصلاح کے ساتھ ساتھ اِعتصام باللہ اور دین میں اخلاص للہ کی خاص طور پر الگ تاکید کی گئی ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں "اصلاح" کے معنوں میں داخل ہیں ـــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کی اصلی خرابی ہی "کافروں کی رفاقت" اور "عقیدے میں تذبذب" ہے ـــــ اِعتصام باللہ کے لیے کافروں کی رفاقت ترک کرنا پہلی شرط ہے اور اپنے دین کو صرف اللہ کے لیے خالص کیے بغیر ـــــ یعنی اپنی ساری وفاداریوں، محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز اللہ ـــــ اور صرف اللہ ـــــ کو تسلیم کیے بغیر ـــــ منافقت اور تذبذب کی جڑ ہی نہیں کٹ سکتی ـــــ اس

Marfat.com

کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حکیم یا ڈاکٹر کسی مریض کو، حفظانِ صحت کے لازمی اصولوں کی پابندی کے علاوہ، کسی خاص خوراک یا پرہیز کی ہدایت کر دے۔

(۳) عقیدے کی صحت (اعتصام باللہ و اخلاص للہ) اور عمل کی درستی (توبہ و اصلاح) کے بعد آدمی، اپنے سارے تاریک ماضی کے باوجود، از سرِ نو اسلامی اور ایمانی برادری میں شامل ہو جاتا ہے —— وہ مومنوں کو ملنے والے اجرِ عظیم میں بھی حصہ دار بن جاتا ہے۔ اور مسلم معاشرہ میں بھی وہ نفرت و حقارت کی بجائے عزت و تکریم کا مستحق ٹھیرتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔

(۱) آیت میں خطاب منافقوں سے بھی ہے اور مسلمانوں سے بھی اور مطلب یہ ہے کہ خدا بندوں کو سزا برائے سزا نہیں دیتا۔ اسے بندوں کی سزا اور تکلیف کے ساتھ کوئی ایسی دلچسپی نہیں ہے جیسا بعض مشرک قوموں نے اپنے خونخوار وسفاک دیوی دیوتاؤں کے متعلق یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں انسانوں کی آزاردہی میں لطف آتا ہے —— اس کے برعکس اللہ تو بڑا قدردان اور دانا و بینا ہے۔ بندے کی کوئی نیکی اس سے اوجھل نہیں رہتی اور وہ کسی نیکی کو انعام سے محروم نہیں رکھتا۔ موت سے پہلے پہلے جب بھی آدمی اخلاص کے ساتھ ایمان اور شکرگزاری کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، تو اس کے ماضی پر بھی گرفت نہیں کی جاتی۔

(۲) آیت میں بندوں سے مطالبہ شکر اور ایمان کا کیا گیا ہے اور اس کے جواب میں خدا کے شاکر اور علیم ہونے کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بندے کے ایمان اور اخلاص سے اللہ پوری طرح واقف ہے اور وہ ہر بندے کے شکر کا جواب شکر سے دیتا ہے۔

Marfat.com

(۳) قرآن کریم میں شاکر اور شکور اللہ کے نام کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ (مثلاً البقرہ: ۱۵۸ اور فاطر: ۳۰، ۳۴) اور بندوں کی صفت کے طور پر بھی (مثلاً النحل: ۱۲۱ اور بنی اسرائیل: ۳)۔ اس لیے شکر کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے — شکر کے اصل معنی کسی کی اچھائی کا اعتراف کرنے اور اس کی بھلائی کو تسلیم کرنے کے ہیں۔ شکر جب بندے کی طرف سے اللہ کی جانب ہو تو اس کے معنی اعترافِ نعمت اور احسان مندانہ رویہ اختیار کرنا ہوں گے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اوّل تو آدمی دل سے خدا کے احسانات کا اعتراف کرے اس کا تعلق اپنے محسن کے ساتھ محبت و عقیدت اور اخلاص و وفاداری کا ہو۔ دوسرے یہ کہ آدمی اپنے قول و فعل سے اس احسان مندی کا ثبوت دے وہ زبان سے بھی خدا کی نعمتوں کا اقرار کرے اور خدا کا مطیع و فرماں بردار بن کر اس کی نعمتوں کو اس طرح استعمال کرے کہ اس میں منعم کی تعریف کا موقع پیدا کر دے اور کبھی خدا کی کسی نعمت کو منشائے ربانی کے خلاف استعمال نہ کرے۔ — جب بندہ اس طرح شکر گزار بنتا ہے تو خدا اس کو اپنے مزید انعامات سے نوازتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکر گزار رہے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا (ابراہیم: ۷)

شکر جب اللہ کی طرف سے بندے کی جانب ہو تو اس کے معنی کسی کی خدمت کو وقعت کی نظر سے دیکھنا اور اس کی قدر دانی کرنا لیے جاتے ہیں۔ اس شکر میں کام کو پرکھنے اور تھوڑے کام پر بہت زیادہ اجر دینے کا مفہوم بھی شامل ہے — اللہ شاکر اور شکور ہے۔ وہ کسی بھی خدمت کرنے والے کو صلہ و انعام سے محروم نہیں رہنے دیتا۔ اور صلہ و انعام دینے میں وہ بندوں کی طرح بخل و نا قدرشناسی سے کام نہیں لیتا بلکہ اپنی فیاضی و کبریائی کے ساتھ ہر کام کرنے والے کو اس کی خدمات سے زیادہ صلہ دیتا ہے۔

Marfat.com

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ	اور اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو کسی کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔
نہیں پسند کرتا اللہ پکار کر کرنا برائی (کسی کی)	
مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ	سوائے اس صورت کے جب کہ کسی پر ظلم ہوا ہو
بات (زبانی) ہیں مگر جس پر ظلم ہوا ہو (اسے اجازت ہے)	اور اللہ سب کچھ
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا (۱۴۸)	جاننے والا ہے لیکن اگر تم بھلائی ہی کیے جاؤ
اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے	چاہے اسے ظاہر کرو
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپا کر کرو یا (بھلائی نہیں کر سکتے) کم از کم کسی
اگر تم ظاہر کرو کچھ بھلائی یا اسے چھپاؤ	(کی) برائی ہی معاف کر
اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ	دیا کرو۔ تو یہ بڑی ہمت
یا معاف کردو کوئی برائی تو	بات ہے اس لیے کہ اللہ بھی بڑا معاف کرنے
اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (۱۴۹)	والا ہے حالانکہ وہ انتقام لینے کی پوری
اللہ (بھی) بڑا معاف کردینے والا بڑا قدرت والا ہے	قدرت بھی رکھتا ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ	جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے
بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ	ہیں اور چاہتے ہیں کہ
وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ	اللہ اور اس کے رسولوں
اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ	کے درمیان تفریق کریں

Marfat.com

يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

فرق رکھیں / علیحدگی پیدا کریں درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ

اور کہتے (یہ) ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں بعض پر

وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ

اور ہم نہیں مانتے بعض کو اور وہ چاہتے ہیں کہ

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ

کہ پکڑیں / نکالیں ان (دونوں) صورتوں کے درمیان

سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

ایک (نیا) راستہ تو یہی لوگ ہیں

الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا

کافر درحقیقت اور ہم نے تیار کر رکھا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

کافروں کے لیے ایک رسوا کرنے والا عذاب

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور

اور جو کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہیں مانیں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ (کسی طرح) اس (انکار اور اقرار) کے درمیان ایک تیسری راہ نکال لیں۔

(تو یاد رہے!) یہی لوگ پکے کافر ہیں۔ اور (ایسے ہی) کافروں کے لیے ہم نے ایک رسواکن عذاب تیار کر رکھا ہے (اس کے برعکس) جو لوگ اللہ اور اس کے سب رسولوں کو مانیں اور ان میں

Marfat.com

رُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ	سے کسی کو الگ نہ کریں
اس کے رسولوں پر اور وہ فرق نہیں کرتے (علیحدہ نہیں رکھتے) ان	تو اللہ ان لوگوں کو ضرور
اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ	ان کے اجر عطا فرمائے
یعنی سے کسی (ایک) بھی یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب	گا۔ اور اللہ بڑا درگزر
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ	فرمانے والا اور بڑا
دے گا ان کو (اللہ) ان کے اجر اور اللہ	رحم کرنے والا ہے
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۱۵۲)	
بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے	

لغوی ونحوی اشارات :۔

الجہر :۔ لا یحب کا مفعول ہو کر نصب میں ہے۔ یہ جَہَرَ یَجْہَرُ (ظاہر اور بلند کرنا) کا مصدر ہے۔ **مِنَ الْقَوْلِ :۔** الجہر کے حال کے طور پر ہے۔ **بَيْنَ ذٰلِكَ :۔** ذٰلِكَ اگرچہ واحد کا صیغہ (اسم اشارہ) ہے مگر تثنیہ و جمع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہ تثنیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی ان دونوں راستوں کے درمیان دیکھئے آیت ۶۸ (البقرہ) میں بھی یہی لفظ۔ **حَقًّا :۔** [illegible] [illegible] بھی ہو سکتا ہے اور پورے جملے کا حال بھی ہو سکتا ہے۔

تفہیم و تفسیر :۔

ان آیات میں ایک عام اخلاقی برائی یعنی کسی کے سابقہ یا موجودہ عیب کی طرف انگشت نمائی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اللہ اور رسولوں پر ایمان

Marfat.com

(جو سارے ایمان کی بنیاد ہے) کے بارے میں ایک غلط فہمی یا گمراہی کی بھی نمر دید کر دی گئی ہے۔ جیسے عہدِ رسالت میں یہودیوں نے اور ہمارے زمانے میں "روشن خیالوں" نے پھیلا رکھا ہے ـــــ گزشتہ آیات میں نفاق جیسی برائی کے بعد بھی توبہ کی گنجائش کا ذکر تھا ـــــ بعض دفعہ یہ بات بھی آدمی کو اصلاح سے باز رکھتی ہے کہ اس کی برائی کی بہت شہرت ہو چکی ہوتی ہے اور اب اسے کوئی نیک ماننے کو ہی تیار نہیں ہو گا۔ یا گزشتہ غلطیوں پر طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے ان آیات میں کسی کی بے جا تشہیر کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ:

(۱) کسی کی بدگوئی پر زبان کھولنا اور منہ پھوڑ کر اس کی برائی کرنا اللہ کو پسند نہیں ـــــ کسی کے عیب کی پس پشت تشہیر ہو یا اس کے روبرو تلخ کلامی شریعت میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

(۲) یہ ایک عام انسانی کمزوری ہے کہ جب کسی کے خلاف نفرت، اور غصے کے جذبات پیدا ہو جائیں، چاہے اس کے اسباب کچھ ہوں ـــــ تو عموماً اس کی بدگوئی کر کے اپنے دل کا بخار نکالا جاتا ہے ـــــ مگر ایک مسلمان کو یاد رہے کہ اس کا خدا بدگوئی پر زبان کھولنے کو پسند نہیں کرتا۔

(۳) اگر کوئی آدمی اپنا غلط رویہ چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لے تو اس کی گزشتہ غلطیوں کی تشہیر کرنا خدا کے نزدیک سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔

(۴) آیت میں واضح طور پر یہ اشارہ ہے کہ پریس اور پلیٹ فارم کو کسی پر کیچڑ اچھالنے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ اس سے اصلاح کم اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے معاشرہ کی اخلاقی حالت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کا باہم ایک دوسرے سے اور نیکی کی قدر دل پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے برائی نہ کرنے والے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جب کہ برائی ہی کی حکومت ہے تو کیوں نہ ہم بھی برائی ہی کر کے اپنی دنیا سنوار لیں۔

Marfat.com

(۵) اور اسی حکم سے اس طرف بھی ذہن منتقل ہوتا ہے کہ آدمی کو پبلک مقامات، سکولوں، کالجوں، مساجد، جلسوں وغیرہ میں بات کرتے وقت بڑا محتاط رہنا چاہیئے اور جذبات کی رو میں بہ کر متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ:-

(۱) ہاں اگر کسی شخص پر ظلم کیا گیا ہو تو اسے یہ حق ہے کہ وہ کسی کے سامنے بک جھک کر اپنے دل کا بخار نکال لے یا کسی حاکم اور عدالت کے سامنے اپنی فریاد لے جائے۔

(۲) مگر مظلوم کو یہ اجازت صرف ایک شرعی ضرورت اور انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کے پیش نظر دی گئی ہے جھوٹی باتوں کو شہرت دینا اور کسی پر ناروا الزامات لگاتے پھرنا کسی مظلوم کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

(۳) آیت کے اس حصے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی کی زبان بندی کر دینا ۔۔ اور اسے اپنے جائز مطالبات اور معقول شکایات کے اظہار سے بھی روک دینا بہت بڑا ظلم ہے ۔۔ یہ پابندی نہ صرف خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی بلکہ انسانی فطرت کے تقاضوں سے دانستہ آنکھیں بند کر لینا خود پابندی لگانے والے کے مفادات و مقاصد کو بھی نقصان پہنچانے کا سبب بنے گا

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًا عَلِيۡمًا:-

(۱) ظالم اور مظلوم دونوں کو معلوم رہے کہ خدا سب کچھ جاننے سننے والا ہے کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے اور غلط کہے یا درست کہے، خدا پر ہر ظلم کی حقیقت واضح ہے۔

(۲) ظالم کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے یا نہ جائے، وہ اپنے غم کا اظہار کہیں کر سکے یا نہ کر سکے؛ اللہ بہر حال اس کی سن رہا ہے لہذا یہ پالیسی ظالم کے لیے کبھی وجہ اطمینان نہیں ہونی چاہیئے کہ ظلم کرو مگر آواز

Marfat.com

نہ نکلنے دو اور کسی کو معلوم ہی نہ ہونے دو کہ کیا ہوا۔

(۳) دوسری طرف مظلوم کو بھی یہ بات یاد رہے کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کے آگے زیادہ رونا اور گانا نہ پھرے ——— اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرنا نہ زیادہ مفید ہوتا ہے نہ مستحسن ۔ اور بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تو بجائے خود ظلم ہے ——— اگر مظلوم کی آواز تک دبا دی جائے اور کوئی اس کی سننے والا نہ ہو تب بھی اسے یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تو بہرحال اس کی سننے والا ہے ہی ———

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ :-

(۱) کسی کی برائی اور بدگوئی میں مشغول ہونے کی بجائے اگر تم بھلائی پر زور دو تو یہ زیادہ بہتر ہے نیکی جب واقعی خدا کے لیے کی جائے تو علانیہ کھلا کرنا بھی مفید اور چھپ کر کرنا بھی فائدہ مند ہے ———

(۲) ریاکاری کے مذموم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ خلوص نیت کے ساتھ کوئی نیکی اعلانیہ نہ کی جائے تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو اور کسی کے ساتھ خفیہ بھلائی کرنے اور بیانات یا اخبارات میں ذکر آئے بغیر کوئی اچھا کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بے کار گیا ———

(۳) نیکی پر لوگوں سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک فطری بھی ہے اس لیے اگر یہ بالکل ریاکاری نہ بھی ہو تب بھی ابتدائی درجے کی نیکی ہے۔ اس اگلا اور بلند درجہ یہ ہے کہ نیکی کر کے مخلوق سے داد کی پرواہ نہ رکھو بلکہ انہیں معلوم ہی نہ ہونے دو صرف اللہ کی رضا مد نظر رکھو۔

أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ :-

(۱) اور اگر تم مظلوم ہو کر بھی ظالم کے خلاف بدگوئی پر زبان نہ کھولو حالانکہ تمہیں اس کا حق پہنچتا ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ تمہاری اخلاقی برتری اور فتح ہوگی۔

Marfat.com

(۲) کسی کے ساتھ بھلائی کرنے، اس کی امداد کرنے اور اسے فائدہ پہنچانے کی نسبت یہ کام ذرا اور بھی مشکل ہے کہ کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم اس سے انتقام نہ لو بلکہ اس سے درگزر کر جاؤ۔ [illegible] کوشش کرنی چاہیے کہ نیکی کی اس "قسم" سے تمہارا نامۂ اعمال [illegible] کے بلند مراتب تک پہنچنا دشوار ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ۔

اس لیے کہ خدا کے ہاں [illegible] ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ پوری قدرت رکھنے کے باوجود حلیم اور بردبار ہے اور بڑے سے بڑے گناہ [illegible] درگزر کر جاتا ہے پس انہیں بھی چاہیے کہ اپنے اخلاق [illegible]

غور کیجئے کہ کس طرح ان دو مختصر آیتوں (۱۴۸-۱۴۹) میں [illegible] انسانوں [illegible] ایک جامع [illegible] ۔۔۔۔ [illegible]

(i) إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۔۔۔۔

(ii) وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

(iii) وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۔۔۔۔

(iv) وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۔۔۔۔

۔۔۔۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۔۔۔۔ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۔

(۱) اس آیت میں [illegible] ذیل عقائد رکھنے والے کو بھی ٹھیک ٹھیک کافر

Marfat.com

کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کا انجام بھی "اصلی کافروں" سے مختلف نہیں ہو گا۔ بلکہ سب کے لیے ایک ہی رسواکن عذاب منتظر ہے۔

(i) اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار۔

(ii) اللہ کو ماننا مگر رسالت اور رسولوں کا انکار کرنا یا اللہ کی اطاعت کا قائل ہونا مگر رسولوں کی اطاعت سے انکار کرنا ـــــ اور کتاب کا اقرار مگر سنت کا انکار بھی اس سے مختلف نہیں۔

(iii) بعض رسولوں کو ماننا مگر بعض کا انکار کرنا یا دین کے کچھ احکام تسلیم کرنا اور کچھ رد کر دینا۔

(iv) اس اقرار و انکار اور پسند و ناپسند کے درمیان ایک تیسری راہ نکالنے کی تدابیر سوچتے رہنا اور آدھے دین ـــــ آدھے الحاد کا نام درمیانی راہ اور مسلک اعتدال رکھنا یا ہر ایک مذہب کو اس کی موجودہ شکل میں درست اور برحق مان کر ایک "ملغوبہ ادیان" مذہب ایجاد کرنا اور اس کا نام آزاد خیالی رکھنا یا "روشن خیالی کی آڑ میں دین کی صرف ان باتوں کو ماننا جو اپنے زمانے کے علوم طبیعیہ اور اصولِ تمدن کے مطابق ہوں اور باقی کا انکار کرنا۔

(۲) اس میں کچھ شک نہیں کہ اس آیت میں دراصل تو اشارہ یہودیوں کی طرف ہے جو انبیاء سابقین میں سے بہتوں کے قائل تھے مگر اپنے ہی سلسلہ انبیاء میں سے بعض مثلاً داؤد، سلیمانؑ، عیسیٰؑ کی نبوت کے منکر بھی تھے لیکن آیت کے الفاظ میں اتنا عموم ہے کہ اس کے ماتحت نہ صرف مسیحی بلکہ بہت سے وہ دلدادگانِ الحاد بھی آجاتے ہیں جو اسلام کے اندر یا اسلام سے باہر شرک و توحید اور کفر و اسلام کو ملا جلا کر خوشنما لیبلوں کے ساتھ ایک نیا دین اختراع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور لگے ہوئے ہیں یا ایسے کلب اور انجمنیں بناتے ہیں جن میں ہر مذہب کے صرف "آزاد خیال" لوگ

Marfat.com

رکن بن سکتے ہیں اور ان کا مقصد الحاد کے فروغ کے سوا کچھ نہیں ہوتا[1]۔

(۴) آیت نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے وسیع المشرب روشن دماغ لوگ کافر دل سے تو بہرحال اچھے ہوں گے نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اور انہیں اسلام تو کیا کسی بھی دین کا نمائندہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے خیالات اور نظریات کی تہ میں شعوری یا لاشعوری طور پر یہ احساس موجود ہوتا ہے کہ ان کی عقل وحی اور اصحاب وحی کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے اور پیغمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئی تھیں ان کی تلافی یہ ہی منکرین کر دیں گے ——— یہ نخوت یا گمراہی ان کے لیے قیامت میں ذلت و رسوائی کا موجب ہوگی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(۱) جو لوگ خدائے واحد کو اپنا معبود اور مالک مانتے اور اس کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔ یہ نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں ——— اور جو دین کے احکام قبول کرنے میں اپنی پسند ناپسند سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے اعمال اللہ کے ہاں مستحق اجر ٹھہرتے ہیں۔ اور جس کا جو عمل جس درجہ کا ہوگا اس کے مطابق انہیں اجر ملے گا۔

---

[1] دینِ الٰہی، بھگتی تحریک، برہمو سماج، بہائیت، نظامِ ربوبیت، فری میسن اور روٹری اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی چند مثالیں ہیں۔

Marfat.com

(۲) یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن مجید نے وحی الٰہی کی وحدت پر بڑا زور دیا ہے یعنی سب قوموں کو اسی شمع سے روشنی ملی اور تمام انبیاء ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی مختلف کڑیاں ہیں ۔۔۔ وہ اللہ جو کسی ظالم کے حق میں بھی بدگوئی کے ساتھ اظہار کو پسند نہیں کرتا وہ اس بات کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہے کہ اس کے کسی رسول کے متعلق بدگوئی سے کام لیا جائے؟ ——

اس لیے سب نبیوں پر ایک ہی حیثیت سے ایمان لانا ضروری ہے ان کے بغیر آدمی کا کوئی عمل خدا کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتا ۔ اور اسی ایمان کے ساتھ ہی اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید وابستہ ہے

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تجھ سے مانگتے ہیں اہل کتاب یہ کہ	اہل کتاب (اے نبی) جو آج آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں
تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ تو اتار لائے ان پر ایک کتاب آسمانی	کہ آپ ان کے لیے آسمان سے کوئی نوشتہ نازل کر کے دکھا دو تو
السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ آسمان سے سو وہ لوگ نے تو سوال کیا تھا موسیٰ سے	وہ تمہیں بتا دیں گے لوگ (اس سے پہلے) حضرت موسیٰ سے
أَكْبَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اس سے بھی بڑا یہ کہتے تھے کہ تو دکھا دے ہم کو	اس سے بھی بڑھ چڑھ کر (مطالبہ) کیا کرتے تھے ان سے کہا انہوں نے یہ کہہ دیا
اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ اللہ کھلم کھلا پس پکڑ لیا ان کو	تھا کہ ہمیں خدا سامنے لا کر دکھا دو تب مانیں گے

Marfat.com

سو ان کی اس سرکشی کی
وجہ سے انہیں بجلی کی کڑک نے
آ لیا

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ

(بجلی کی) کڑک نے ان کی (اس) زیادتی پر پھر انہوں نے

اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

انہوں نے بنا لیا بچھڑے کو (معبود) بعد اس کے

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

کہ آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں تو ہم نے درگزر کیا

عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى

اس سے (بھی) اور ہم نے دیا موسیٰ کو

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا

ایک غلبہ صریح اور ہم نے بلند کیا

فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ

ان کے اوپر کوہ طور ان سے عہد لینے کے لئے

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ

اور ہم نے کہا ان سے کہ تم داخل ہو دروازہ

سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا

سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے (یہ بھی) کہا ان سے کہ مت تجاوز کرو

فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ	کا قانون نہ توڑنا (مختصر یہ کہ) ہم نے ان سے (ان سب باتوں کا) پختہ عہد لیا تھا۔
ہفتے کے دن (کے احکام ہیں) اور ہم نے لیا تھا ان سے	
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾	
سعنت قول و قرار	

لغوی و نحوی اشارات :۔

کِتٰبًا :۔ تُنَزِّلَ کا مفعول ہو کر منصوب ہے اور یہاں اس کے معنی بنی بنائی کتاب یا لکھی لکھائی تحریر کے ہیں جو محسوس طور پر سامنے دیکھی جا سکے۔ اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ :۔ اَکْبَرَ سے پہلے تَتَبُّعًا یا سُؤَالًا محذوف ہے۔

جَهْرَةً :۔ یہ قَالُوْٓا کا حال، بجائے مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اَرِنَا کا بھی۔ پہلی صورت میں عبارت کا مطلب ہو گا "انہوں نے بہانگ دہل یہ مطالبہ کیا" —— دوسری صورت میں یہ دراصل رُؤْيَةً جَهْرَةً جس کے معنی "کھلم کھلا سامنے دیکھنا" کے ہیں۔ سُجَّدًا :۔ کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے —— لَا تَعْدُوْا :۔ عَدَا يَعْدُوْ کے معنی ہیں "تجاوز کرنا" مِيْثَاقًا غَلِيْظًا :۔ (مرکب توصیفی) اَخَذْنَا کا مفعول ہو کر حالت نصب میں ہے۔ مِيْثَاق (پختہ عہد) کا مادہ وثق اور اس کی جمع مَوَاثِيْق ہے غَلِيْظ کے معنی "گاڑھا" اور "موٹا" کے ہیں۔ اور اس لیے اس میں پختگی اور مضبوطی کا مفہوم ہے۔

تفہیم و تفسیر :۔

منافقوں کے ذکر (آیت ۱۳۷ - ۱۴۶) اور اخلاقی احکام (آیت ۱۴۷ - ۱۴۹) کے بعد یہاں سے یہود کی خرابیوں پر تبصرہ و تنقید شروع ہوتی ہے ——

Marfat.com

مناسبت اس میں یہ ہے کہ مدینہ اور اس کے نواح میں نفاق کے بانی، مربی اور سرپرست یہی یہودی تھے۔ یہ لوگ نو مسلموں کے دلوں میں طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں شبہات پیدا کرتے رہتے تھے —— یہ آیات مختصراً اس بدخو و غلط قوم کے ماضی کا قرطاس ابیض (White paper) ہیں۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ؕ

اہلِ کتاب کا مفہوم اگرچہ ذرا وسیع ہے مگر یہاں اس سے مراد یہود مدینہ بلکہ ان کے بھی بعض اکابر مثلاً کعب بن اشرف وغیرہ ہیں جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اس طرح کے سوال کرتے تھے اور کبھی اپنے لوگوں کو سکھا کر بھیجتے تھے۔

اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

یہودی یہ کہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احکام توریت لکھی ہوئی تختیوں (الواح) کی شکل میں آسمان سے نازل ہوئی تھی اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کیوں کوئی نوشتہ نازل نہیں ہوتا۔ یا ہم میں سے ایک ایک شخص کے نام اوپر سے اس مضمون کی تحریر کیوں نہیں آجاتی کہ ”دیکھو محمد ہمارے رسول ہیں انہیں مان لو“ اگر یہ ہمیں ایسا کر کے دکھا دیں تب ہم انہیں سچا رسول مان لیں گے۔ بالکل اسی قسم کا مطالبہ اس سے پہلے کفار مکہ نے حضور سے کیا تھا کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور پھر ہمارے دیکھتے ایک کتاب لے کر اتریں، ہم تو تب مانیں گے۔ کفار کے اس مطالبہ کا ذکر سورہ بنی اسرائیل ۹۳ میں ہے۔ مشرکین مکہ نورِ رسالت کی حقیقت سے ناواقف تھے اس لیے انہیں تو جواب میں یہ بات سمجھائی گئی کہ ”رسول بشر ہی ہوتا ہے اور اس قسم کے معجزات دکھانا اس کے اپنے بس میں نہیں ہوتا“ لیکن یہود کو یہ جواب دیا جاتا تو وہ جھٹ سے کہہ دیتے کہ ”واہ ہمارے رسول تو منہ مانگے معجزے دکھاتے رہے یہ کیوں نہیں

دکھا سکتے؟ حالانکہ ان کی یہ بات بھی غلط ہوتی مگر لوگ انبیا سے یہود کے بارے میں تو ایسا ہو کہ معتبر سمجھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس مطالبہ یا اعتراض کا جواب خود یہود کی تاریخ سے ہی دیا ہے۔

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔

(۱) جن موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اہل قوم کا معجزہ دکھانے کے دعوے دار ہیں خود ان کو بھی انہوں نے کیا خلوص سے مان لیا تھا؟ عمر بھر انہیں پریشان کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً ان سے عجیب وغریب اور بے ہودہ مطالبات کرتے رہے (مثلاً دیکھیے البقرہ: ۵۵ و ۶۱۔ آل عمران: ۱۸۳۔ المائدہ: ۲۴ اور الاعراف: ۱۳۸)

(۲) قرآن کریم نے یہودیوں کے آبا واجداد کے اعمال کو ان کے اعمال شمار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو کوئی امت یا قوم بحیثیت ایک وحدت کے ایسی ہی ہے جیسے ایک انسانی فرد، جس طرح ایک انسان کا ماضی، مستقبل ہوتا ہے اسی طرح قوم کا بھی ماضی، حال اور مستقبل ہوتا ہے۔ اور قومی کردار و اعمال کی حیثیت سے اگلوں پچھلوں سب کے اعمال اسی قوم کے اعمال شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہودی اپنی نسل کے بڑے بڑے واقعات سے پورے طور کے ساتھ بیزاری قطعاً نہیں کرتے تھے اس لیے ان کے اخلاف میں ان کے اسلاف کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۔

حضرت موسیٰ سے جو مطالبے ان کی قوم (یہود) نے کیے اور جن کا مختصر حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے، ان میں سب سے زیادہ بے ہودہ اور گستاخانہ مطالبہ یہ تھا کہ "ہمیں خدا سامنے لا کر دکھا دو تب مانیں گے" اور یہ مطالبہ قوم کے نمائندہ و سرکردہ لوگوں نے جبل طور کے نیچے کیا جہاں موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کو کتاب دی گئی تھی —— قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گستاخی کی سزا میں ان لوگوں پر بجلی گری اور وہ مر گئے یا شاید بے ہوش ہو گئے۔ اسی واقعہ کا ذکر سورۃ البقرہ: ۵۵ اور الاعراف: ۱۵۵ میں بھی ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَٰلِكَ ۚ

جن معجزوں کو یہ حقیقی نشانیاں سمجھتے تھے اور جن [illegible] دیکھ چکے تھے ان کی چار دن کی [illegible] حاضر [illegible] دی تھی اور ایک نبی کے پیش کئے ہوئے [illegible] دیکھنے کے بعد پھر شرک جیسے قبیح فعل کے مرتکب ہوئے —— [illegible] لوگ مشرک ہو جاتے تھے کیونکہ اس زمانے میں مصر [illegible] کے اطراف [illegible] بیل کی پرستش عام تھی۔ بنی اسرائیل کی گاؤ پرستی کے اس واقعہ کا قرآن مجید میں حسب ذیل مقامات پر بیان کیا گیا ہے (البقرہ: [illegible] الاعراف: ۱۴۸ - ۱۵۲ ، طٰہٰ: ۸۵ — ۹۹)

وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُبِينًا ۔

ان لوگوں کی ان حرکتوں [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] ہوا تھا۔ ان کو اللہ نے صرف [illegible] بلکہ [illegible] قوم کے حکمران اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے —— [illegible] حکومت کے [illegible] موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ حاصل [illegible] کیا گیا ہے کہ [illegible] گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible] پرستوں کو سزائیں دی گئیں۔

Marfat.com

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ:۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ میثاقِ خداوندی میں شامل ہوتے وقت، یہ واقعہ پیش آیا تھا جسے سردارانِ بنی اسرائیل نے مشاہدہ کیا تھا۔ اس واقعہ کا اشارۃً ذکر قرآن مجید میں البقرہ: ۶۳، الاعراف: ۱۷۱ میں ہوا ہے۔ اور اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان لوگوں نے اس پہاڑ کے نیچے کھڑے ہو کر قدرتِ الٰہی کا کوئی خوفناک نظارہ دیکھا تھا مگر بعد میں جلد ہی اس واقعہ کو کو بھی اور اس کے ساتھ اس میثاق کو بھی بھلا بیٹھے۔

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا:۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کے واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی انہوں نے ایک بستی کو فتح کیا۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ بستی میں جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے نہ گھسنا بلکہ انکسار و تواضع کے ساتھ خدا کا شکر کرتے اور بستی کے باشندوں کو معافی دیتے ہوتے داخل ہونا مگر ان یہودیوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور ان کے فوجیوں نے اثنا وہاں بڑی بدکاریاں کیں جس کی سزا انہیں ایک وبا کی صورت میں ملی۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ مندرجہ ذیل مقامات پر مذکور ہوا ہے۔

البقرہ: ۵۸، ۵۹ اور الاعراف: ۱۶۱-۱۶۲۔

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ:۔

بنی اسرائیل کو جو قانونِ الٰہی دیا گیا تھا اس میں ہفتے کے دن کو آرام اور عبادت کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ اس دن کسی قسم کا دنیوی کام کرنا حتیٰ کہ کھانا پکانا بھی ممنوع تھا۔ اور اس کے متعلق یہاں تک تاکید تھی کہ سبت (ہفتہ) کے تقدس کی خلاف ورزی پر سزائے موت مقرر کی گئی تھی۔ مگر یہودی جب اخلاقی و دینی اعتبار سے گرے تو وہ علی الاعلان سبت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے شہروں میں کھلے بندوں سبت کے دن بھی تجارت ہونے لگی جس طرح

Marfat.com

قرآن میں واضح حکم ہونے کے باوجود ٹھیک نمازِ جمعہ کے وقت بھی مسلمانوں کی دکانیں کھلی اور بازار بدستور بارونق ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں، سبت کی خلاف ورزی کے سلسلے میں اسرائیلیوں کی ایک بستی پر خاص طور پر عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا ذکر مندرجہ ذیل مقامات پر آیا ہے: البقرہ: ۶۵-۶۶، النساء: ۴۷ اور الاعراف ۱۶۳-۱۶۶،

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔

مختصر یہ کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے ذریعے مختلف مواقع پر مختلف احکام کا پابند کیا گیا جن میں سے بعض کی مختصر فہرست اوپر مذکور ہوئی ہے اور بعض کا ذکر قرآن مجید میں ہی دوسرے مقامات پر ہوا۔ مثلاً البقرہ: ۸۳-۸۴، ۹۳، ۲۴۶، آل عمران: ۱۸۷، المائدہ: ۱۲ وغیرہ۔ خدا کی اس لاڈلی قوم نے ہر موقع پر اپنے آپ کو نااہل ثابت کیا اور ہمیشہ ہی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ سو یہ لوگ مغضوب ہوئے) بسبب ان کے توڑ ڈالنے اپنے عہد کے	پھر معلوم ہے کہ ان پر خدا کا غضب کیوں ہوا؟ سنو! اس وجہ سے کہ وہ (بار بار) عہد شکنی کرتے تھے
وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اور (بسبب) ان کے منکر ہونے اللہ کی آیتوں سے اور	اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے اللہ کی آیات سے انکار کیا۔
قَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (بسبب) ان کے مار ڈالنے پیغمبروں کو ناحق	اور متعدد پیغمبروں کو ناحق جان سے مار دیا

Marfat.com

وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

اور (بسبب) ان کے (یہ) کہنے کے کہ ہمارے دل تو محفوظ / پردہ میں ہیں

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

(حالانکہ بات یہ نہیں) بلکہ مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

بسبب ان کے کفر کے سو نہیں ایمان رکھتے / لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ

مگر بہت کم ۔ نیز (انہیں سزا ملی) ان کے کفر پر

وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

اور ان کی (اس) بکواس پہ (کہ) مریمؑ پر بہت بڑا

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا

بہتان (رکھا) اور ان کے (یہ) کہنے پر کہ ہم نے

قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ

مار ڈالا مسیح عیسٰیؑ (کو) جو مریم

مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

کا بیٹا (اور) اللہ کا رسول تھا" حالانکہ نہیں

اور (اس ریکارڈ کے تھے) یہ بھی کہنے لگے کہ ہمارے دل "نصیحت پروف" ہیں اور ہمیں کسی اصلاح کی ضرورت ہی نہیں) حالانکہ دراصل ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر (ایسا) ٹھپہ لگا دیا ہے (کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی) اور (اس وجہ سے) یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

پھر (یہی نہیں بلکہ یہ اپنے کفر اور بکواس میں یہاں تک بڑھے کہ مریمؑ (تک) پر انہوں نے اتنا بڑا بہتان باندھا (حالانکہ مریمؑ کی پاکبازی ان پر ثابت ہو چکی تھی) اور (فخریہ) کہنے لگے (اور اب تک کہتے ہیں) کہ ہم نے تو عیسٰی بن مریمؑ کو مار ڈالا، جو مسیح اور رسولِ خدا (کہلاتا) تھا" حالانکہ

Marfat.com

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَ

مار ڈالا تھا انہوں نے اس کو اور نہ ہی انہوں نے سولی چڑھایا اسکو اور

لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ

بلکہ (صرف) شبہ ڈال / دھوکا دے دیا گیا ان کو اور در اصل تو

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

جن لوگوں نے اختلاف کیا / کئی باتیں نکالیں اس کے بارے میں

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ

وہ (بھی) شک (ہی) میں ہیں اس کی طرف / پہلو سے نہیں ہے ان کو

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ

اس بارے میں (اصل واقعہ کا) کچھ علم سوائے گمان کی پیروی

الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ ۱۵۷

کرنے کے اور نہیں مار ڈالا انہوں نے اس کو ہی، یقینی طور / قطعاً

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ

بلکہ اٹھا لیا اس کو اللہ نے اپنی طرف اور اللہ

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۱۵۸ وَاِنْ

بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے اور نہیں ہے / ہوگا

فی الواقع ان لوگوں نے نہ تو انہیں (یعنی مسیحؑ کو) قتل کیا، نہ سولی پر ہی چڑھایا (کچھ بھی نہ کر سکے)، بلکہ اصل معاملہ ہی ان پر مشتبہ کر دیا گیا (تھا)۔ اور جو لوگ ان (یعنی مسیحؑ) کے بارے میں اختلافات میں مبتلا ہوئے وہ [illegible] شک و شبہ میں ہی گزر (بسر) کر رہے ہیں۔ اس معاملے میں ان کے مبلغ علم ظن اور قیاس آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ یقینی اور قطعی [illegible] کہ انہوں نے ان (یعنی مسیح) کو قتل نہیں کیا [illegible] منسوب [illegible]

[illegible] اللہ نے انہیں (یعنی مسیحؑ) کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ بڑی زبردست قوت اور حکمت کا مالک ہے۔

Marfat.com

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا	اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا۔ اور قیامت کے دن تو وہ (یعنی مسیح) ان کے خلاف (ایک) گواہ (پیش) ہوں گے
کوئی اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ	
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ	
وہ ایمان لاتا ہے / لائے گا اس پر اپنی / اس کی موت سے پہلے	
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ	
اور قیامت کے دن وہ ہوگا	
عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (۱۵۹)	
ان پر گواہ	

لغوی و نحوی اشارات :-

فَبِمَا نَقْضِهِمْ :- مَا زائدہ ہے اور زبان اور قرآن میں اس کا استعمال عام ہے مثلاً فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران : ۱۵۹) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا نکرہ اسمیہ ہو —— اور نَقْضِهِمْ اس کا بدل قرار دیا جائے۔ اس صورت میں فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا ترجمہ یوں ہوگا "پس ایک بات کے سبب (یعنی) ان کی عہد شکنی کے سبب . . . اور بِ (السبب) کا جواب خود باقی عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے یعنی "ان کو سزا ملی یا ان پر خدا کا غضب ہوا" جیسا کہ قرآن ہی میں دوسری جگہ مذکور ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (ہم نے ان کی عہد شکنی کے سبب ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے المائدہ ۱۳)

مِيْثَاقَهُمْ اور الْاَنْۢبِيَآءَ : کی نصب مصدر (فاعل) کے مفعول ہونے کی وجہ سے ہے —— غُلْفٌ :- قُلُوْبُنَا کی خبر نکرہ مرفوع ہے۔ غُلْفٌ کی دو صورتیں

Marfat.com

ہیں۔ اوّلاً یہ اَغْلَفُ (جس چیز پر کوئی خول یا غلاف وغیرہ چڑھا ہوا ہو تاکہ اس کے اندر کوئی چیز نہ جا سکے) کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اس کا ترجمہ "محفوظ" کیا گیا ہے۔ اور قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کا مطلب یہ ہوا کہ "ہمارے دلوں پر کوئی وعظ و نصیحت اثر نہیں کر سکتا اور کوئی ہمیں بہکا نہیں سکتا۔" ثانیاً یہ غِلَافٌ (لفافہ، ڈبیا، میان خانہ، سرپوش وغیرہ کوئی ایسی شے جس میں کوئی چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے) ۔ اس صورت میں قُلُوْبُنَا غُلُفٌ کے معنی ہوں گے "ہمارے دل علوم و معارف کا خزانہ ہیں۔ اور ہم اب کسی رسول کے محتاج نہیں۔" بَلْ : حرف اضراب ہے اور یہ ایک چیز سے اعراض اور دوسری چیز کے اثبات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ : اس میں بِكُفْرِهِمْ کا مطلب "ان کے کفر کی وجہ سے" بھی ہو سکتا ہے، اور . . . .

. . . . . . یہ بھی جائز ہے کہ اس کا ترجمہ "ان کے کفر کے ساتھ" کیا جائے یعنی "اللہ نے ان کے دلوں کو کفر کے ساتھ بند کر دیا ہے جیسے کہتے ہیں "لاکھ کے ساتھ مہر لگانا" ——— اِلَّا قَلِيْلًا ؛ - قَلِيْلًا سے پہلے اِيْمَانًا (مصدر مفعول مطلق) یا زَمَانًا (ظرف زمان) محذوف ہے ——— اور لَا يُؤْمِنُوْنَ کی ضمیر فاعل سے مستثنٰی ماننا درست نہیں۔ بُهْتَانًا : مصدر ہے اور قَوْلًا کا قائم مقام ہو سکتا ہے کیونکہ بہتان بھی بات ہی ہوتی ہے ۔ بَهَتَ يَبْهَتُ کے ایک معنی "کسی کو اچانک پکڑ لینا اور حیران کر دینا" کے ہیں بُهْتَان بھی ایک بےگناہ آدمی کی یہی حالت کر دیتا ہے ——— اَلْمَسِيْحَ ؛ - قَتَلْنَا کا مفعول ہو کر نصب ہے۔ مسیح کی اصل عبرانی لفظ مشیحا دیا مشیحا (Meshiah) ہے۔ اس کے معنی ہیں "بابرکت" جس کے سر پر مقدس تیل ملا گیا" اسی لفظ کے یونانی ترجمے ((Christos) سے انگریزی لفظ (Christ) بنا ہے۔ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ : - المسیح کا بدل یا عطف بیان ہے۔ عیسٰی کی اصل بھی عبرانی لفظ ((Yehoshua)) ہے جس کے معنی ہیں "یہوواہ (خدا)

نجات ہے"۔ اس کے بھی یونانی ترجمے ((Iosous) سے انگریزی لفظ ((Jesus)) بنا ہے۔ رَسُوْلَ اللّٰہِ :۔ اَلْمَسِیْحَ کا بدل یا عطف بیان ہے ۔ اور اسے منصوب علی المدح بھی سمجھ سکتے ہیں۔ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ :۔ شَكَّ يَشُكُّ (شک کرنا) کے ساتھ ہمیشہ فِیْ کا صلہ آتا ہے مِنْ کبھی استعمال نہیں ہوتا اس لیے یہاں مِنْهُ کا ترجمہ "اس کے بارے میں نہیں بلکہ اس کی وجہ سے یا اس پہلو سے" ہونا چاہیئے۔ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ :۔ یہ استثنار منقطع (یعنی غیر جنس سے) ہے اس لیے اِتِّبَاعَ حالت نصب میں ہے۔ يَقِيْنًا :۔ ایک مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے یعنی دراصل قَتْلًا يَقِيْنًا یا عِلْمًا يَقِيْنًا ہے۔ اور مصدر موضع حال میں بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی "یہ یقین کرتے ہوئے کہ جسے قتل کر رہے ہیں وہ مسیح ہی ہے" اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ :۔ اِنْ بمعنی مَا (نافیہ) ہے اور آخر پر اَحَدٌ (کوئی) محذوف ہے"۔ لَيُؤْمِنَنَّ :۔ مضارع موکد بنون ثقیلہ مستقبل میں کسی فعل کے ضرور واقع ہونے کے لیے تو استعمال ہوتا ہی ہے کبھی کبھی یہ فعل امر موکد کے طور پر بھی آتا ہے۔ جیسے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ تمہیں ضرور اس کو ماننا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ آل عمران : ۸۱) میں ہے۔ قَبْلَ مَوْتِهٖ ضمیر "احد" (محذوف) کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور حضرتِ عیسیٰؑ کے لیے بھی۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ :۔ نصب ظرف ہونے کی وجہ سے ہے۔

تفہیم و تفسیر :-

گزشتہ آیات میں یہودیوں کے بعض قومی جرائم مثلاً حضرت موسیٰؑ سے خدا دکھانے کا مطالبہ، گاؤ پرستی کا عشق، مقام شکر پر فسق و غرور کا ارتکاب، احکام سبت کی خلاف ورزی اور خدا سے عہد شکنی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی سیاق میں بیان یہ بتایا گیا ہے کہ ان بدکاریوں کے نتیجے میں یہود اتنے بے حس

Marfat.com

اور شقی القلب ہو گئے کہ ان کے لیے انبیاء کو ستانا، بلکہ بس چلے تو مار ڈالنا، ایک معمولی بات تھی۔ احکامِ الٰہی سے انکار اور نافرمانی ان کا معمول بن گیا تھا۔ اور مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ تو ان کے قومی اعمال نامے کا سیاہ ترین باب ہے — اس ضمن میں قرآن کریم نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کی اس معاندانہ تفریط کی مذمت اور تردید کی ہے، جو خود پیروانِ مسیحؑ کے لیے گمراہانہ افراط کا باعث بنی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ :-

(۱) یہود اپنی جن بد اعمالیوں کی وجہ سے خدا کے غضب کے مستحق ٹھیرے ان میں سے "خدا کے ساتھ عہد شکنی" کا ذکر قرآنِ کریم میں ایک سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔

(۲) یہ عہد یا میثاق کن باتوں پر تھا؟ قرآن کریم (سورہ البقرہ ۸۵-۸۳: ۱۳۰ آل عمران : ۱۸۷، المائدہ : ۱۲-۱۳) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میثاق ربانی میں حسبِ ذیل امور کی پابندی شامل تھی۔

(i) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا۔

(ii) والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک

(iii) بھلائی کی تلقین کرنا۔

(iv) نماز اور زکوٰۃ کی پابندی۔

(v) باہم خونریزی و فساد سے اجتناب۔

(vi) خدا کے احکام لوگوں تک پہنچانا اور اس میں سے کسی چیز پر پردہ نہ ڈالنا۔

(vii) رسولوں پر ایمان لانا اور ان کی پوری مدد و تائید کرنا۔

Marfat.com

(viii) جہاں ضرورت پڑے، راہِ خدا میں مال خرچ کرنا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "میثاقِ ربانی" سے مراد عقیدہ و عمل میں شریعت کی پابندی ہے اور یہود کا نقضِ میثاق یہی تھا کہ شریعت کو ماننے اور ایمان کا دعوٰی رکھنے کے باوجود وہ شریعت کے ہر حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ خلاف ورزی صرف بعض افراد تک محدود نہیں ہوتی تھی بلکہ قوم کی اکثریت اس میں مبتلا تھی —— اسی لیے "نقضِ میثاق" کو ان کا قومی جرم بتایا گیا ہے۔

(۳) خیال رہے ایک چیز کو سرے سے نہ ماننا ایک الگ بات ہے، لیکن کسی چیز کا اقرار زور و شور سے کرنا مگر عملاً اس کا انکار کرنا اس سے بھی زیادہ بُری بات ہے —— اللہ اور اس کے دین کے معاملے میں پہلی بات کو کفر اور دوسری کو "نقضِ میثاق" کہا گیا ہے۔ آج ہم مسلمان جس طرح دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی برتری اور اس کی علمبرداری کی باتیں کرتے ہیں اور پھر اپنی انفرادی و قومی زندگی میں اس کے نفاذ سے جس قدر گھبراتے ہیں —— کیا یہ یہودیوں کے نقضِ میثاق سے کچھ مختلف شے ہے؟

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ :-

(۱) اللہ کی آیات سے انکار اور کفر بھی یہودیوں کی قومی خصلت بن چکا تھا —— "آیات اللہ" سے مراد حضرت موسٰی علیہ السلام اور انبیائے بنی اسرائیل کے وہ معجزات بھی ہیں۔ جنہیں دیکھنے کے باوجود یہودی اپنے ایمان و عمل میں پختگی پیدا نہ کر سکے اور "آیات اللہ" سے مراد شریعت کے وہ احکام بھی ہیں جنہیں یہودیوں نے علی الاعلان ترک کر رکھا تھا یعنی حلال چیزوں کو حرام اور بعض حرام چیزوں کو حلال سمجھتے تھے۔

(۲) یہ بات قابلِ غور ہے کہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونا بھی گناہ ہے مگر اس خلاف ورزی کو بالکل جائز سمجھنا، صریح کفر اور انکار۔

Marfat.com

ہے ـــــ مثلاً نماز نہ پڑھنا یا شراب پینا، ایک مسلمان کے لیے گناہ ہے لیکن مسلمان کہلاتے ہوئے نماز کو غیر ضروری سمجھنا یا شراب کو سرے سے حرام ہی نہ سمجھنا، اللہ کے احکام سے صاف کفر و انکار ہے ـــــ اپنی شریعت کے احکام سے اس قسم کا کفر و انکار یہودیوں میں بھی عام تھا۔

وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ :۔

(۱) قوم میں شریعت کی خلاف ورزی کے عام ہو جانے (نقضهم میثاقهم) اور احکام شریعت کی بجائے کھلم کھلا اپنی من مانی کرنے (کفرهم بآیات اللہ) کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہود اخلاقی اور دینی لحاظ سے اس قدر پستی میں جا گرے کہ جو کوئی ان کی اصلاح کی کوشش کرتا یہ قوم اس کے درپے آزار ہو جاتی اور تو اور خدا کے پیغمبر بھی ان کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکے۔ خود موجودہ بائبل میں ایسے متعدد انبیاء (مثلاً ایلیاہ یا الیاس، ذکریا [illegible] اور یوحنا یا یحییٰؑ) کا ذکر ہے جو یہودیوں کی سنگدلی کا نشانہ بنے [illegible] سب سے آخر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت کے گھاٹ اتارنے میں بھی انہوں نے تو کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

(۲) خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت تو ختم ہو گیا مگر جہاں تک امت کی اصلاح اور اقامت دین کا تعلق ہے ارشاد نبوی "علماء أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ" کے مطابق امت محمدیہ کے علمائے حق یہ کام کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس لئے [illegible] کی طرف سے علمائے حق کی ایذا رسانی اور قوم کے [illegible] "قتل انبیاء" کی اسی یہودی ذہنیت کی آئینہ دار نہیں ہے؟

وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ :۔

(۱) یہود کے دینی انحطاط و پستی اور جمود و بے حسی کی انتہا یہ تھی کہ یہ لوگ اپنی اس حالت پر فخر کرتے تھے۔ جاہلانہ باطل پرستی پر اصرار کا نام انہوں نے

Marfat.com

ایمان کی پختگی رکھ لیا تھا، حالانکہ آیاتِ الٰہی اور احکام ربانی کی روشنی میں ان دونوں حالتوں کے درمیان فرق کرنا دشوار نہیں۔

(۲) پہلے انبیاء کے ساتھ بھی یہودیوں کا یہی رویہ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدینہ کے یہودی یہی کہتے تھے کہ آپ کا وعظ ہم پر نہ اثر کر سکتا ہے نہ ہمیں اس کی ضرورت ہی ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(۱) یہودیوں کا انبیاء کی دعوتِ اصلاح کو بے نیازی اور استکبار کے ساتھ ٹھکرا دینا معمولی جرم نہیں تھا۔ دراصل یہ نتیجہ تھا اس سرکشی، انکار اور مسلسل بدعملی کا، جس میں یہ قوم عرصہ دراز سے مبتلا چلی آتی تھی، اور جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ ——— بعض انبیاء کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا، لغوی معنوں میں چاہے اسے "ادھورا ایمان" بھی کہہ لیا جائے مگر شرعی لحاظ سے یہ سرے سے ایمان ہی نہیں۔

(۲) آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، اور حدیث میں اس کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، کہ جب تک اہلِ کتاب (یہودی و عیسائی) مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء بنی اسرائیل کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی تسلیم نہیں کریں گے نہ ان کی توحید مکمل ہے اور نہ ہی وہ نجات پا سکتے ہیں۔

(۳) خدا کی طرف سے دلوں پر مہر لگ جانا اور غور و فکر کی قوت ہی سلب ہو جانا کوئی پیدائشی "مرض" نہیں بلکہ یہ بعض انسانی اعمال، خصوصاً مسلسل ضد و انکار، کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آیت میں "بِكُفْرِهِمْ" کہہ کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا۔

(۱) حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کا انکار بلکہ الٹا ان کی پاکباز والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر صریح بہتان طرازی بھی، یہودیوں کے کفر اور سرکشی کا ہی ایک منظر تھا۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ جو کچھ وہ مریم صدیقہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں وہ قطعاً غلط ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کو جھٹلانے کے لیے ان کے پاس کوئی وجہ نہ تھی، بلکہ ان کی صداقت ان پر واضح ہو چکی تھی۔

(۲) حضرت مریمؑ ایک پاکباز خاتون تھیں۔ اور ان کے والدین بھی بڑے خدا رسیدہ تھے۔ ابھی وہ کنواری ہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انہیں مسِّ بشری کے بغیر ہی حمل ٹھہر گیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اس معجزانہ پیدائش اور اس کے متعلق حضرت مریمؑ کو قبل از وقت خوشخبری کا ذکر قرآن کریم میں سورہ آل عمران: ۴۲—۴۸ اور مریم: ۱۶—۳۴ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

ولادت کے بعد خود مسیح علیہ السلام نے خارق عادت (معجزانہ) طریقے پر کلام کر کے اپنی والدہ کی برأت بلکہ عنداللہ مقبولیت کا ثبوت دیا —
قرآن اور بائبل سے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس واقعہ کے بعد یہودیوں نے مریم علیہا السلام کی پاکبازی پر کوئی شبہ کیا ہو بلکہ (غالباً) وہ ان دونوں ماں بیٹے (مریمؑ و ابن مریمؑ) کو پاکباز اور ولی سی سمجھنے لگے تھے۔ مگر جب بڑے ہو کر مسیح علیہ السلام نے پیغمبرانہ اصلاح کا کام شروع کیا اور یہودیوں کو ان کے غلط عقائد اور خراب اعمال پر تنبیہ کی تو یہ لوگ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اس وقت یہ لوگ دوبارہ مسیح علیہ السلام کے ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہونے پر طنز کرنے لگے اور ان کی والدہ پر بھی (نعوذ باللہ)

Marfat.com

بدکاری کا الزام لگانے لگے۔ آج تک یہودیوں کی کتابوں میں اس نیک سرشت و پاکباز خاتون کی بابت نہایت گندی اور ناقابل بیان خرافات موجود ہیں ـــــــ یہودیوں کی اس بہتان طرازی کا اصل مقصد مسیح علیہ السلام کو بدنام کر کے خدا کے دین کا راستہ روک دینا تھا۔ اس لیے قرآن کریم نے ان کی اس الزام تراشی کو بہتانِ عظیم کے علاوہ کفر بھی کہا ہے۔

(۳) ہمارے زمانے کے بعض مسلمانوں نے کچھ سائنس سے مرعوب ہو کر اور کچھ عیسائی مشنریوں کو "دندان شکن" جواب دینے کے لیے مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا انکار کیا اور یہ کہا ہے کہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ماں اور باپ کے اتصال سے ہی پیدا ہوئے تھے ـــــــ مگر قرآن کریم کے ولادتِ مسیح عؑ کے بیان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نظریہ نہ صرف مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے شعوری یا غیر شعوری طور پر قرآن میں یہ عیب تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ دو ٹوک اور صاف بات کرنے کی بجائے خواہ مخواہ پیچیدہ اور الجھا ہوا اندازِ بیان اختیار کرتا ہے۔ آخر یہودیوں کے اس بہتانِ عظیم کی سیدھی طرح تردید کیوں نہ کر دی گئی؟ اس موضوع پر زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات (۴۲ تا ۴۸) کے ماتحت کتاب "علم و عرفان" میں لکھا جا چکا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ :۔

(۱) یہودیوں نے بزعمِ خویش حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اپنے رومی حاکموں کی عدالت سے سزائے موت دلوا کر سولی پر چڑھا دیا تھا۔ یہودی اب تک فخریہ، اور عیسائیوں پر طعن کرنے کے لیے، یہ دعوی کرتے ہیں کہ "ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰی کو مروا ڈالا جو مسیح اور رسول خدا ہونے کا مدعی تھا۔ اگر وہ واقعی مسیح عؑ یا رسولِ خدا ہوتا تو ہمارے ہاتھوں کیوں مارا جاتا؟"

(۲) آیت میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اَلْمَسِيحَ اور رَسُولَ اللَّهِ

Marfat.com

کی جو وہ صفات بیان ہوئی ہیں یہ یہودیوں کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ وہ تو حضرت عیسیٰؑ کے انہی دو دعووں (مسیحؑ ہونا اور اللہ کا رسول ہونا) کے ہی منکر تھے۔ قرآن کریم نے اصل واقعہ کے لحاظ سے اور یہودیوں کے جرم کی سنگینی واضح کرنے کے لیے ان (مسیحؑ) کا صحیح منصب بیان کر دیا ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ الفاظ یہودیوں ہی کے مانے جائیں تو، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے، ان کا مقصد محض طعن و تشنیع ہی تھا۔

(۳) یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہودیوں پر دلائل سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام واقعی خدا کے سچے رسول بلکہ وہی مسیح تھے جن کی یہودی صدیوں سے انتظار کرتے چلے آ رہے تھے[1]۔ مگر اس کے باوجود وہ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ در اصل قتلِ انبیاء اور مصلحین سے عداوت اس بگڑی ہوئی قوم کی خصوصیت بن چکے تھے۔ بعینہٖ جس طرح کوئی بدمعاش اپنی راہ میں حائل ہونے والے شریف آدمی کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔

(۴) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سزائے موت کا فیصلہ اگرچہ رومی عدالت نے کیا اور رومی حکام ہی اس سزا کے نفاذ کا اختیار رکھتے تھے۔ مگر اس میں ہاتھ تمام تر یہودیوں ہی کا تھا۔ انہوں نے ہی مسیح علیہ السلام کے خلاف ایک جھوٹا الزام گھڑا، پھر جھوٹی گواہیاں فراہم کیں اور رومی گورنر کو بطور احتجاج بلوہ و فساد کی دھمکی دے کر سزائے موت کا حکم سنانے پر مجبور کر دیا۔ ہرگز آپ کو سزا نہیں دینا چاہتا تھا۔ مسیحی کتابوں میں تو خون مسیح کا تاوان یہودیوں کی گردن پر ڈالا ہی گیا ہے[2]۔ خود یہودیوں کی کتابوں میں اس واقعہ کو فخر کے

---

[1] یہودی اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کے مطابق اب تک ایک آنے والے مسیح کے منتظر ہیں۔ [2] دیکھئے صفحہ ۵۰۸

ساتھ اپنی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآنِ کریم نے بالکل صحیح طور پر حضرت عیسیٰ کے قتل یا اقدامِ قتل کی ذمہ داری یہودیوں پر رکھی ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ :-

(۱) اگرچہ یہودیوں نے اپنی طرف سے مسیح علیہ السلام کو مروا ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ بلکہ انہوں نے تو بزعمِ خود انہیں سزائے موت دلوا بھی ڈالی، مگر حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کا کام تمام کر دینا تو الگ رہا، یہودی تو سرے سے اس بات میں بھی کامیاب نہیں ہوئے کہ اس زمانے میں اس ملک کے اندر جو طریقہ سزائے موت کا مقرر تھا، اسی تک پہنچ جاتے ——— سولی دینا اور سولی پر مارنا تو درکنار وہ تو آپؑ کو سولی پر چڑھا تک نہ سکے۔

(۲) صلیب یا سولی سے مراد پھانسی نہیں ہے۔ پھانسی (Gallows) میں تو آدمی کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے لٹکا دیا جاتا ہے۔ صلیب (Cross) اس شکل (+) کی دو لکڑیاں ہوتی تھیں۔ ان میں سے سیدھا ستون نما حصہ تو سولی گھر کے اندر زمین میں گڑا ہوا ہوتا تھا جو لکڑی اوپر آڑی پڑتی تھی وہ ہر مجرم کے لیے الگ استعمال ہوتی تھی۔ مجرم کو صلیب پر اس طرح چڑھایا جاتا کہ اس کا بدن سیدھے ستون کے ساتھ اور اس کے بازو آڑی لکڑی کے ساتھ باندھ دیئے جاتے۔ بعض دفعہ مجرم کے ہاتھ

(بقیہ صفحہ ۵۰۷) ؎ اسی جرم کی پاداش میں یہودی ہمیشہ مسیحی مذہب اور مسیحی سوسائٹی میں ملعون اور قابلِ نفرت سمجھے جاتے رہے ہیں۔ مگر اب امریکہ اور دوسرے مغربی (عیسائی) ممالک کی "اسرائیل نواز" پالیسی کے پیشِ نظر خود پوپ نے بھی یہودیوں کو یہ گناہ "معاف" کر دیا ہے۔ اور اپنے خاص روحانی اختیارات سے کام لیتے ہوئے انہیں اس کے "وبال" سے محفوظ کر دیا ہے۔

Marfat.com

پاؤں میں میخیں گاڑ دی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اسے اس وقت تک سولی پر رہنے دیا جاتا جب تک نہ وہ مر نہ جائے۔ مسیح علیہ السلام کے زمانے میں رومیوں نے، جو اس وقت فلسطین کے حکمران تھے، مجرموں کو سزائے موت دینے کا یہی طریق رائج کر رکھا تھا۔

(۳) یہودی اور عیسائی، دونوں ہی اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے اسی طرح صلیب پر وفات پائی، گو اس نظریاتی اشتراک میں نتیجے دونوں کے بالکل الگ الگ ہیں۔ یہودی اسے حضرت عیسیٰ ؑ کی تحقیر و اہانت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور مسیحی ٹھیک اسی واقعہ سے ان ؑ کی عظمت کی دلیل نکالتے ہیں ——— قرآن کریم نے دو ٹوک لفظوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس عقیدۂ وفات مسیح ؑ کی تردید کر دی ہے اور سرے سے اس واقعہ کو ہی غلط قرار دے کر مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کی ان گمراہیوں اور غلط فہمیوں کی جڑ کاٹ دی ہے، جو دراصل عقیدۂ وفات مسیح ؑ ہی کی من گھڑت تاویلوں پر مبنی ہیں۔

(۴) اس وقت کم و بیش تمام عیسائی مسیح علیہ السلام کے یہودیوں کے ہاتھوں صلیب پر مارے جانے کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پولوس[1] (St. Paul) کے زیر اثر جو مسیحیت پھیلی اور جسے بعد میں رومن کیتھولک اور

---

[1] اصل نام ساؤل تھا، مذہباً و نسلاً یہودی تھے۔ مسیح ؑ کے جانی دشمن تھے اور ان کو سزا دلوانے میں پیش پیش رہے تھے ——— واقعہ صلیب کے کچھ عرصہ بعد مسیحیت قبول کرنے کا اعلان کیا۔ مسیح ؑ کے شاگردوں اور حواریوں نے ان سے ملنا [illegible] ان کو مشکوک سمجھا تا آنکہ ان سے [illegible] برنباس (Barnabas) [illegible] کی [illegible] ایشیائے کوچک کے [illegible] میں تبلیغ عیسائیت کرتے رہے [illegible] ان کے [illegible] انجیل میں لکھنا پڑا۔ پولوس نے مسیح ؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیا ہے۔ [illegible] وہ عیسائی برنباس کی انجیل کو جعلی کہتے ہیں ——— یہ سینٹ پال ہی پاپائیت اور رومن کیتھولک مسیحیت کے بانی تھے۔

Marfat.com

ان سے نکلنے والے مسیحی فرقے شامل ہیں، اس کی بنیاد عقیدۂ کفارہ پر ہے حتیٰ کہ یہ عقیدۂ تثلیث پر بھی مقدم ہے یعنی موجودہ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ "خدا کے بیٹے نے یا خود خدا نے مجسم ہو کر صلیب پر جان کنی کی تکلیف اٹھائی اور اس طرح دکھ کے ساتھ اپنی جان دے کر سب مخلوق کی طرف سے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اور اس کی ضرورت خدا کو اس لیے لاحق ہوئی کہ بندوں کو گناہوں کی سزا دینے یا انہیں معاف کر دینے کے بارے میں خدا کی صفت عدل و رحم میں تصادم ہو تا تھا۔ خدا نے اس "پریشانی" کا "حل" یہ نکالا کہ نہایت "بے رحمی" کے ساتھ اپنے ہی اکلوتے اور بے گناہ بیٹے مسیح کو (جو دراصل خود خدا ہی تھا؟) مروا ڈالا —— اور یوں نہایت "غیر عادلانہ" طریقے پر سب نیک و بد کو یکساں معافی دے دی وغیرہ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا اللہ اس قسم کی باتوں سے پاک اور بلند تر ہے اصاف ظاہر ہے کہ مسیحیت کی یہ "قسم" تو مسیح ؑ کو مردہ اور مصلوب ماننے یا فرض کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لیے مسیح ؑ کا کم از کم تین دن تک کے لیے مرنا اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر چلے جانا تسلیم کیا گیا۔ گویا دراصل تو مسیحیت کی بنیاد عقیدۂ وفاتِ مسیح پر ہی قائم ہے، کیونکہ وفاتِ مسیح تسلیم کیے بغیر کفارہ (Atonement) کا عقیدہ کوئی معنی ہی نہیں رکھتا اور عقیدۂ کفارہ کے بغیر مسیحیت کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس پولوسی یا کلیسائی مسیحیت نے تمام صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو "بدعتی" اور "خارج از دین" قرار دے دیا۔ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ کے

---

[1] تاریخ مذاہب کی یہ ایک عجیب و غریب حقیقت ہے کہ عموماً جب بھی کوئی اُمت بگڑی تو اصل دین کے باغی اور گمراہ طبقے ہی عوام میں مقبول ہوئے اور غلط اور منحرف مذہب ہی مذہب "جمہور" قرار پایا۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا (باقی برصفحہ ۵۱۱)

Marfat.com

پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تک بھی ایسے مسیحی علماء اور ان کے متبع فرقے موجود تھے جو اس بات کے قائل تھے کہ مصلوب حضرت مسیح نہیں ہوئے (بلکہ کوئی اور آدمی ہوا) — یوسٹینوس شہید ۱۶۵ھ (St. Justin, The Martyr) اور ان کے تلامذہ و اتباع، فرقہ باسلیدیہ کے بانی ۱۴۰ء (Bosiledius) اور متعدد دیگر مسیحی فرقوں کا یہی عقیدہ تھا بلکہ فوتیوس م ۸۹۱ء (Photius) جو قسطنطنیہ کا ایک مشہور بطریک (Patriarch) تھا، نے بڑی حوالے سے مسیح کی سیرت پر ایسی کتابیں پڑھنے کا ذکر کیا ہے جن میں مسیح کے سولی پر چڑھنے سے بچ جانے اور ان کی بجائے کسی اور کے سولی دیئے جانے پر زور دیا گیا تھا — قرآن کریم نے اسی عقیدے کے درست ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے (جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے)

(۵) وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کی بنیادی غلطی کو واضح کر دیا ہے مگر اس کا مطلب یہودیوں کو قتل مسیح کے الزام سے بری کرنا نہیں ہے اور نہ ہی ان کا جرم اس سے کچھ کم ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے جس شخص کو کانٹوں کا تاج پہنا کر، اس کے منہ پر تھوکتے ہوئے، ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا وہ اس کو عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) ہی سمجھ رہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ مسیح کے

(بقیہ صفحہ ۵۱۰) بلکہ اس کی وجہ یہی بتا دی ہے وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (اگر تم اہلِ زمین کی اکثریت کے کہنے پر چلو تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ سب کے وہ اکثر محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام ۱۱۶)۔

یہودیوں کو ستائے اور جھٹلائے گئے ہیں ہے شیخی سے یہ بھی کہنے لگے کہ ہم نے عیسیٰ ؑ کو شریعتِ موسوی کے مطابق سنگسار بھی کیا اور سولی پر بھی لٹکا دیا۔[1] اور اپنے اس ادّعا کو وہ کذبِ مسیح ؑ کی دلیل قرار دیتے تھے۔ قرآنِ کریم نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے اس زعمِ باطل کی واضح الفاظ میں اور قطعیت کے ساتھ تردید کردی ہے۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ :-

(۱) مسیح علیہ السلام کا یہودیوں کے ہاتھوں صلیب پر مرنے کا عقیدہ ہی، یہودیوں اور عیسائیوں، دونوں کی گمراہی کا سبب بنا، اس لیے قرآنِ کریم نے اس کی تو صاف تردید کردی۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے بطور عبارۃ النص یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودی نہ صرف مسیح علیہ السلام کو مار ڈالنے میں ناکام رہے بلکہ وہ انہیں سرے سے سولی پر چڑھا بھی نہیں سکے تھے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہرحال ایک آدمی کو مسیح ؑ سمجھ کر سولی دی ضرور گئی تھی۔ یہودی دعویٰ کرتے ہیں (اور موجودہ مسیحی اسے تسلیم کرتے ہیں) کہ یہ مصلوب عیسیٰ ابنِ مریم (علیہما السلام) ہی تھے (اور پھر دونوں اس سے

---

[1] شریعتِ موسوی کے مطابق الحاد یا ارتداد کی سزا سنگسار کرنا تھی۔ اور یہی سزا یہودیوں کی مذہبی عدالت مسیح ؑ کو دلوانا چاہتی تھی۔ مگر رومی حکومت میں سزائے موت بذریعہ سولی نافذ ہوتی تھی۔ یہودی عیسائیوں کو یہ کہتے تھے کہ ہم نے سولی گھڑ ہیں، پہلے عیسیٰ (ؑ) کو سنگسار کیا تھا پھر صلیب پر بھی لٹکا دیا تھا۔ اور اس طرح مرنے والا، توریت کے مطابق، ایک ملعون کی موت مرا۔ ظاہر ہے کہ یہودیوں کے اس دعویٰ کا پہلا نصف تو سفید جھوٹ تھا اور دوسرا نصف بھی غلط فہمی پر مبنی تھا۔ مگر تعجب ہے کہ بہت جلد عیسائیوں نے یہودیوں کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ تاویل یہ کرلی کہ مسیح علیہ السلام لوگوں کا کفارہ بننے کے لیے (نعوذ باللہ) لعنتی کی موت مرے۔

Marfat.com

الگ الگ نتائج نکالتے ہیں)۔۔۔۔ مگر قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اس معاملے میں مسیحؑ کے دشمنوں (یہودیوں) پر اصل بات ہی مشتبہ ہوگئی تھی۔ ہوا کچھ اَور، اور وہ سمجھے کچھ اَور۔ وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ انہوں نے مسیحؑ کو سولی پر چڑھا دیا ہے، لیکن حقیقت یہ نہیں تھی ۔۔۔۔ دراصل انہیں دھوکا ہی ہوا تھا۔

(۲) وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے (اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے) کہ مسیح علیہ السلام کو سولی دینے کے بارے میں یہود کو دھوکا ضرور ہوا۔ مگر وہ کس طرح شبہ میں پڑ گئے؟ اور ان کے ساتھ دھوکے کی صورت کیا ہوئی؟ اس کا صاف اور صریح جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ صحیح حدیثوں میں ۔۔۔۔ اور قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس لیے کہ:۔۔۔۔ اوّل تو یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہی کا باعث یہ سوال نہیں تھا کہ صلیب پر کون مرا تھا؟ یا یہ کہ مسیحؑ واقعی صلیب پر مرے بھی تھے یا نہیں؟ یہودی تو پہلے دن سے فخر، بلکہ مبالغہ کے ساتھ یہی کہتے تھے (العیاذ باللہ) مسیحی بھی ان کے ساتھ متفق ہو گئے کہ مصلوب و مقتول مسیحؑ ہی تھے۔ اور ان کی موت صلیب پر ہی واقع ہوئی تھی۔ دونوں کی گمراہی کا سبب مسیحؑ کے سولی پر چڑھنے اور مرنے کا یہ "متفق علیہ" عقیدہ ہی تھا۔ اسی لیے قرآن کریم نے صرف اسی کی تردید کی ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا اصل مقصد تاریخی حقائق اور تفصیلات بیان کرنا نہیں، بلکہ گمراہی کو دور کرنا ہے۔ قرآن کریم صرف اتنا ہی واقعہ یا قصہ بیان کرتا ہے جو ہدایت وموعظت کے لیے یا کسی غلط عقیدے کی تردید کے لیے ضروری ہو ۔۔۔۔ تیسرے یہ کہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہہ کر قرآن حکیم نے ان تمام متضاد و مختلف روایات اور واقعہ کی ان جزئیات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہودیوں اور مسیحیوں میں شائع رہی ہیں یا رہی ہیں اور جو بیانات خود اس معاملے میں التباس واشتباہ کے تمام امکانات کا ثبوت ہیں ابھی آگے ان کا

Marfat.com

مختصراً ذکر کیا جائے گا۔ ان تمام امکانات کے ہوتے ہوئے واقعہ کی ایک غیر یقینی صورت کو تاریخی حقیقت مان کر اسے دین وعقیدہ کی بنیاد بنانا کونسی عقل مندی ہے؟

(۳) قرآن مجید اور حدیث صحیح کے علاوہ اور کوئی ایسا یقینی ذریعہ معلومات ہمارے پاس نہیں ہے جس کی بنا پر اس "شبہ" کی حقیقت کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔ تاہم مندرجہ ذیل تاریخی واقعات وقرائن کو سامنے رکھنے سے اس "شبہ" کی نوعیت اور امکان کے بارے میں کچھ سوچا ضرور جا سکتا ہے:۔

○ حضرت مسیح علیہ السلام یروشلم میں (جو فلسطین کے رومی گورنر کا صدر مقام اور یہودیوں کا مذہبی مرکز تھا اور جہاں کے کاہن اور علماء آپ کے دشمن جان ہو گئے تھے) نووارد تھے۔ آپ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے۔ یہودی علماء کی مخالفت کی وجہ سے یروشلم میں آپ کا نام تو بہت مشہور ہو گیا تھا مگر یروشلم کے بہت کم لوگ آپ کی شناخت کر سکتے تھے۔

○ بقول یہود آپ کو تبدیل ہیئت کا خاص ملکہ تھا اور انجیلوں میں اسی بات کو آپ کے معجزہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ کئی دفعہ آپ کی شکل اور لباس اچانک بدل گیا۔

○ اس وقت فلسطین کے یہودی سیاسی طور پر رومیوں کے محکوم تھے۔ ان کو اپنے شخصی معاملات میں اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات کا اپنی مذہبی عدالتوں میں فیصلہ کرتے تھے مگر سزاؤں کے نفاذ کا اختیار صرف رومی حاکموں (عدالتوں) کو حاصل تھا۔ یہودی اپنی مذہبی عدالت میں کسی ہم مذہب کے خلاف جرم الحاد وارتداد میں قتل کا "فتویٰ" دے سکتے تھے مگر

ؔ یہودی آپ کو یسوع ناصری کے نام سے جانتے تھے۔ ناصرہ آپ کے آبائی وطن کا نام تھا۔

Marfat.com

عملاً سزائے موت کا نفاذ صرف ملکی (رومی) عدالت کے قبضے میں تھا اور مجرم کو گرفتار بھی صرف رومی پولیس یا فوج ہی کر سکتی تھی۔

○ فلسطین کے تمام اسرائیلی صرف دین و عقیدہ میں ہی نہیں بلکہ شکل و صورت لباس، وضع اور زبان و معاشرت وغیرہ میں بھی اپنے رومی حاکموں سے بالکل الگ تھے۔ رومی "ولایتی صاحبوں" کی نظر میں سب یہودی اور اسرائیلی بظاہر ایک جیسے ہی تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی ایک اسرائیلی ہی تھے یہودیوں نے پہلے اپنی مذہبی عدالت میں مسیح علیہ السلام کے خلاف سزائے موت کا فتویٰ صادر کیا اس کے بعد رومی گارد ساتھ لے کر آپ کو گرفتار کرنے چلے۔ اس پارٹی کے ہمراہ بعض بڑے یہودی عالم اور اسرائیلی عوام کا ایک ہجوم بھی تھا مگر موقع پر آپ کو شناخت کرنے کے لیے آپ ہی کے ایک غدار ساتھی پر اعتماد کیا گیا۔ رومی سپاہی تو خیر بدیسی ہی تھے۔ اسرائیلیوں میں سے بھی بہت کم ہی آپ کو پہچان سکتے تھے۔

○ رومی حاکم کو مسیح علیہ السلام کا کوئی جرم نظر نہیں آتا تھا۔ مگر یہودی علماء نے اپنے فتویٰ کے عدم نفاذ کو مداخلت فی الدین قرار دیا اور بالآخر بحث و تمحیص کے بعد اس سے مسیح کے لیے سزائے موت کا حکم حاصل کر لیا

○ یہ حکم جمعہ کے دن بعد دوپہر سنایا گیا تھا۔ یہودیوں کا یوم السبت جمعہ کی شام سے شروع ہو جاتا ہے۔ سبت کی عادت میں مجرم کی سزا دینی بھی یہودی شریعت میں ممنوع ہے۔ ادھر یہودیوں کا قومی تہوار عید الفصح (Passover) شروع ہو رہا تھا جو ایک ہفتہ جاری رہتا ہے اس لیے یہودیوں کو بڑی جلدی تھی کہ کسی طرح ان کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پا کر شام سے پہلے دفن ہو جائے تاکہ وہ ہر طرح فراغت پا کر آغاز سبت سے پہلے پہلے شام والے تمام گھروں میں پہنچ جائیں۔

○ جس جگہ رومی عدالت تھی وہاں سے سولی گھر کافی فاصلے پر تھا — قاعدہ

Marfat.com

یہ تھا کہ صلیب کے اوپر آڑی آنے والی لکڑی ہر مجرم کو عدالت سے سولی گھر تک اپنے اوپر لاد کر لانی پڑتی تھی (صلیب کا ستون نما حصہ مستقل طور پر سولی گھر کے اندر زمین میں گڑا ہوتا تھا)۔

○ مسیح علیہ السلام جسمانی لحاظ سے بڑے لاغر و ناتواں تھے ان کے لیے اتنی بڑی وزنی لکڑی کو اٹھا کر سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے چلنا ممکن نہ تھا ادھر یہودیوں کا جو ہجوم ہمراہ تھا ان میں سے اکثر غنڈے اور شریر لڑکے راستے میں قدم قدم پر آپ کو چھیڑتے تھے۔ مسیحؑ کے ساتھ سولی کے لیے دو اور مجرم بھی تھے۔ رومی سپاہی جلد ڈیوٹی سے فارغ ہونا چاہتے تھے (ان کا کام صرف مجرموں کو صرف سولی گھر تک پہنچا دینا تھا۔ اس سے اگلا کام سولی گھر کے عملہ کا ہوتا تھا)۔ پولیس اور خصوصاً غیر ملکی حاکموں کی طرح انہوں نے مجمع میں سے ایک گنوار یہودی کو، جو دیہات سے آیا تھا اور غالباً راستہ چلتے تماشائیوں میں شامل ہو گیا تھا، بیگار میں پکڑ لیا اور صلیب کی لکڑی اس پر لاد دی (اناجیل میں اس شخص کا نام شمعون کرینی دیا ہے) اور اسے مسیحؑ کے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا۔

○ اس حالت میں یہ غیر منظم ہجوم سولی گھر کے دروازے تک پہنچا تو پولیس گارڈ نے "مجرم" جیل کے حکام کے حوالے کیے۔ قاعدے کے مطابق سولی گھر کے سنتری اسی کو مجرم سمجھتے تھے جس پر صلیب کی لکڑی لدی ہو۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ مجمع کے شور و ہنگامہ، جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلی زبان سے ناواقفیت اور مجرموں کو سولی پر لٹکانے کی جلدی میں شمعون کے واویلا پر کسی نے کان بھی نہ دھرا ہو اور افراتفری کے عالم میں غالباً سپاہیوں نے اسی کو پکڑ کر مسیحؑ کی جگہ سولی پر چڑھا دیا۔ اور مسیحؑ اس ہڑبونگ میں دشمن کے ہاتھوں رہا ہو گئے۔ مسیحیوں کا ایک بہت قدیم فرقہ "باسیدیہ" یہی عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیحؑ کی بجائے شمعون مصلوب ہوا۔ تفسیر المنار، تفسیر المراغی اور

Marfat.com

تفسیر ماجدی میں بھی اسی نظریہ کو ترجیح دی گئی ہے۔

- واقعات کی یہ ترتیب، بتقاضائے حال، یہودیوں اور جیل کے سنتریوں کے مسیح علیہ السلام کے بارے میں دھوکا کھا جانے کے امکان کو عقلاً و نقلاً ثابت کر سکتی ہے —— قانون کی کتابوں میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں ایک دو نہیں درجنوں افراد کو کسی ایک شخص کی شناخت میں غلطی لگی —— تاہم اس نظریہ کو، بعض دوسرے شبہات کے علاوہ، اس بنا پر بھی رد کیا جا سکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام (جنہوں نے اپنے گرفتار کرنے والوں کو خود بتایا کہ اگر تم یسوع ناصری کو پکڑنا چاہتے ہو تو وہ میں ہی ہوں) سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک بے گناہ کو اپنی جگہ سولی پر چڑھتے دیکھتے رہے، اور محض سپاہیوں کی غفلت یا غلطی کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے کھسک گئے۔

- تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب ان تین آدمیوں (مسیح، اور دو چور جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) کو سولی پر لٹکایا گیا تو دن کا بالکل آخری حصہ تھا۔ ادھر البتہ اتفاق ہوا کہ ٹھیک اسی وقت آسمان پر گہرا بادل چھا گیا اور آندھی چلنے لگی۔ یہودیوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں سورج غروب ہو کر سبت کا آغاز ہی نہ ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے خود ہی سولی گھر کے افسروں سے یہ درخواست کی کہ تینوں مجرموں کو جلد سولی سے اتار کر وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور سرکاری قاعدے کے مطابق تینوں "لاشوں" کا طبی معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دوسرے دو مجرموں میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ چنانچہ معمول کے مطابق ان کی ہڈیاں توڑی گئیں —— مگر مسیح ؑ یا جسے کم از کم وہ لوگ یسوع ناصری سمجھ رہے تھے مر چکے تھے۔ افسروں کو ان کے صلیب پر اتنی جلدی مر جانے پر تعجب بھی ہوا تاہم انہوں نے مسیح ؑ کو مردہ قرار دے کر ان کی ہڈیاں نہیں توڑیں اور "لاش" ان کے شاگردوں کے حوالے کر دی۔ جنہوں نے اس زمانے کے رواج

Marfat.com

کے مطابق انہیں شہر سے باہر لے جا کر ایک غار میں رکھ کر اس کا دروازہ پتھر سے بند کر دیا۔ دوسرے یا تیسرے دن غار کا یہ پتھر ہٹا ہوا اور اندر سے لاش غائب پائی گئی۔ یہودی یہ کہنے لگے کہ یسوع ناصری (مسیحؑ) کی لاش کو بھی دفن ہونا نصیب نہ ہوا اور اس کے دشمن یہودیوں نے ہی اسے وہاں سے نکال کر کہیں پھینک دیا۔ مسیحی یہ کہنے لگے کہ نہیں مسیح دوبارہ زندہ ہو گیا تھا بلکہ اپنے بعض شاگردوں کو دکھائی بھی دیا مگر پھر آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ —— مسیح علیہ السلام کے صلیب پر "مرنے" اور اس طرح "دفن" اور پھر غائب ہونے کے اس بیان کو سامنے رکھتے ہوئے (اور بعض دوسرے عوامل کو ساتھ ملا کر)، برصغیر میں سب سے پہلے سر سید احمد خان نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے ضرور گئے مگر وہ درحقیقت مرے نہیں تھے بلکہ صرف بے ہوش ہو گئے۔ انہیں زندہ ہی صلیب سے اتار لیا گیا تھا۔ اس لیے ان کے زخموں سے صحت یاب ہو کر کسی اور طرف چلے جانے کے امکانات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی نے سر سید کے اسی نظریہ کو اپنا کر اپنے بہت سے دعوؤں کی بنیاد اسی پر رکھی[1] —— یہ نظریہ حقائق کی بجائے قیاس آرائیوں پر مبنی ہونے کے علاوہ، اس بنا پر بھی رد کیا جا سکتا ہے کہ یہ نص قرآنی "وَمَا صَلَبُوْهُ" کے خلاف ہے۔ سولی کا عذاب سہنے کے بعد اتفاقاً مرنے سے بچ رہنا، صلیب سے بچانا کیا ہوا؟ یہ تو الٹا دوہری موت ہوئی —— اس طرح تو گویا یہودی، مسیحؑ کو ایک لعنتی کی موت مارنے کے منصوبے میں، تقریباً کامیاب ہی ہو گئے —— قرآن کریم کا، یہودیوں کے دعویٰ "اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ" کے انکار میں "وَمَا قَتَلُوْهُ" پر اکتفا نہ کرنا بلکہ ساتھ وَمَا صَلَبُوْهُ بھی کہنا اس بات کی دلیل

---

[1] خود سر سید نے یہ نظریہ یورپ ہی کے بعض عقلیت پسند اور آزاد خیال یا ملحد قسم کے مسیحی مفکرین کی کتابوں سے اخذ کیا تھا۔ فافهموا وتدبروا!

Marfat.com

ہے کہ مسیح علیہ السلام سرے سے صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے تھے۔

○ مسیحیوں کے بعض قدیم فرقے، جو مسیح علیہ السلام کے صلیب پر مرنے کے منکر تھے، اس بات کے قائل تھے اور انجیل برناباؔ[1] میں بھی لکھا ہے کہ دراصل مسیح علیہ السلام کو تو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا مگر خدا کی قدرت سے ان کو گرفتار کروانے والے شاگرد یہودا اسخریوطی کی شکل و شباہت حضرت مسیح علیہ السلام جیسی ہوگئی ——— اور وہی پکڑ کر مصلوب کر دیا گیا۔

جیسا کہ ابھی آگے ذکر آئے گا، قرآن مجید کے بظاہر اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ائمہ مفسرین نے شُبِّهَ لَهُمْ کی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ دراصل کسی یہودی یا منافق کی شکل بدل کر حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسی ہوگئی اور یہودیوں نے اسے ہی غلطی سے مسیح سمجھ کر صلیب پر دے ڈالا ——— اس نظریہ کو انکارِ معجزات کی بنا پر، اور خلافِ عقل قرار دے کر رد کیا جا سکتا ہے۔

(۴) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کا بیان وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ یہودی اس معاملے میں شبہ میں ضرور پڑ گئے۔ چاہے مسیح کی شناخت میں دھوکا کھا گئے یا مصلوب کو غلطی سے مردہ سمجھ بیٹھے۔ اور خواہ یہ غلط فہمی خواہ حالات و واقعات کی وجہ سے پیدا ہوئی یا کسی خارق عادت طریقے پر ——— ان میں سے کسی احتمال کو بھی قطعیت کے ساتھ رد نہیں کیا جا سکتا ——— تاریخی واقعات کی روشنی میں یہودیوں کو وفات مسیح کے بارے میں شبہ ہونا محض امکان نہیں بلکہ قیاس غالب ...... ہے۔ اور قرآن کریم اس پر مہر تصدیق

---

[1] یہ برناباؔ (BARNABAS) عیسائیوں کے متفقہ "ولی" اور مسیح کے حواری ہیں۔ مگر ان کی لکھی ہوئی انجیل کو موجودہ عیسائی "جعلی" کہتے ہیں۔ انہی برناباؔ کی تصدیق پر مسیح کے ماننے والوں نے پولوس کے تبولِ مسیحیت کو تسلیم کیا تھا۔ نیز دیکھئے حاشیہ ۵۰۹ پر)

Marfat.com

لگتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ۔

(۱) مسیح علیہ السلام ایک بہت ہی متنازع فیہ شخصیت ہیں اور لوگ آپؑ کے بارے میں سخت افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ یہودی تو خیر آپ کے بدترین مخالف تھے اور اس لیے انہوں نے آپ پر اور آپ کی پاکباز والدہ پر گندے الزامات لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی مگر آپ کے ماننے والوں —— عیسائیوں —— نے بھی آپؑ کے بارے میں سند و دلیل کی بجائے وہم و گمان اور قیاس آرائیوں سے ہی کام لیا ہے۔

(۲) مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں میں جو اتنا بڑا اختلاف ہے کہ ایک گروہ تو آپ کو ایک عام شریف انسان کے درجے سے بھی نیچے گراتا اور (نعوذ باللہ) شعبدہ باز قرار دیتا ہے اور دوسرا فریق آپؑ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچاتا اور (عیاذاً باللہ) آپؑ کی خدائی کا کلمہ پڑھتا ہے۔ یہ تمام اختلافی نظریات، محض شکوک اور اوہام پر مبنی ہیں۔ اور دونوں گروہ قولِ بلا دلیل کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں

(۳) اس واقعۂ صلیب کی وجہ سے خود مسیحی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مسیحؑ کی بجائے کوئی اور شخص مصلوب ہوا لیکن وہ شخص کون تھا اور اس غلط فہمی کا سبب کیا تھا؟ اس کے بارے میں بھی متعدد نظریات اور روایات ہیں) دوسرا قول یہ ہے کہ مصلوب مسیحؑ ہی تھے مگر وہ صلیب پر مرے نہیں بلکہ اُتارے جانے کے بعد بھی ان میں جان باقی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسیح عؑ نے صلیب پر ہی جان دی مگر پھر وہ جی اُٹھے اور کئی مرتبہ اپنے حواریوں سے ملے بلکہ ان سے باتیں بھی کیں چوتھا قول یہ ہے کہ مسیح عؑ کا صرف جسم ہی تو انسانی تھا۔ صلیب کی موت اسی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا —— مگر مسیح کے اندر جو الوہیت کی روح تھی (ان کے نزدیک مسیحؑ خدا کے اوتار تھے یعنی دراصل خدا ہی ایک انسان کی شکل میں ظاہر ہوا) وہ اٹھالی گئی —— پانچواں قول

Marfat.com

یہ ہے کہ صلیب پر مرنے کے بعد مسیح ع جسم سمیت ہی آسمان پر اُٹھا لیے گئے ——یہ اور اس قسم کے دیگر اقوال اس بات کا ثبوت ہیں کہ پیروان مسیح بھی مسئلے کے اس پہلو کے متعلق کسی واضح اور یقینی نتیجہ پر پہنچنے کی بجائے شک و شبہ میں ہی مبتلا ہو گئے تھے۔ مسیح ع کے بارے میں ان تمام اختلافات اور عجیب و متضاد روایات کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ خود مسیحی دنیا میں بعض لوگوں نے مسیح ع کو سرے سے ایک تاریخی شخصیت ماننے سے ہی انکار کر دیا اور وہ ان کے سارے قصے کو ہی فرضی کہانی قرار دینے لگے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ :۔

(۱) یہودی ہوں یا عیسائی مسیح علیہ السلام کے بارے میں علم صحیح ثابت بالدلیل سے محروم ہیں اور ان کے تمام مفروضات کی بنیاد ہی اٹکل اور گمان ہے۔ یہودیوں نے تو خیر مخالفت کی وجہ سے حقیقت پر پردے ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر حیرت تو مسیحیوں پر ہے کہ انہوں نے اپنے پورے مذہب یعنی کفارۂ مسیح، الوہیت مسیح، وفات مسیح ع اور حیات مسیح ع وغیرہ کی بنیاد ہی بے سر و پا باتوں اور تمام تر قیاس آرائیوں پر رکھی ہے۔

(۲) ان اللہ مسلمانوں کا معاملہ بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں جو قرآن کریم کو کتاب برحق مانتے ہوئے بھی مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتے یا شرماتے ہیں اور سائنس و فلسفہ کے نت بدلنے والے نظریات سے گھبرا کر، ولادت مسیح ع، معجزات مسیح ع اور وفات مسیح کے متعلق "عقلی توجیہات" تلاش کرتے کرتے ظن و قیاس کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا :۔

(۱) مسیح علیہ السلام کے یہودیوں کے ہاتھوں مصلوب و مقتول ہونے کا عقیدہ چونکہ بہت بڑی گمراہی اور غلط فہمی کا باعث بنا ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں ——

Marfat.com

یہودی اور مسیحی —— اس غلطی میں مبتلا ہیں، اس لیے قرآن کریم نے اس کی تردید بھی نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ کی ہے —— قرآن کریم نے دوٹوک اور صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے معاملے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہودی انہیں قتل کرنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہوئے۔

(۲) یہودیوں کے پاس اس بات کا کوئی یقینی ثبوت نہیں تھا کہ جسے وہ قتل کر رہے تھے وہ واقعی مسیح ہی تھے، اس کے برعکس ان کے اس زعم کو غلط ثابت کرنے والے متعدد قرائن موجود تھے۔

(۳) عربی میں قَتَلَ الشَّیْءَ خُبْرًا وَعِلْمًا کے معنی "اس چیز کے بارے میں پوری اور صحیح معلومات رکھتا" ہوتے ہیں۔ اس بنا پر وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وفاتِ مسیح ع کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نظریات کسی علم و تحقیق کا نتیجہ نہیں ہیں، اور نہ ہی یہ لوگ واقعۂ صلیب کی اصل حقیقت تک پہنچ سکے ہیں۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

(۱) قتلِ مسیح ع کی اس تردید کو تسلیم کیا جائے تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر صلیب پر مرنے والا آدمی مسیح ع نہیں تھا تو آخر وہ کون تھا؟ دوسرے یہ کہ مسیح یہودیوں کے ہاتھوں سے کیسے بچ گئے؟ اور پھر کہاں چلے گئے؟ کیونکہ واقعہ صلیب کے بعد تاریخی طور پر ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا[1]

(۲) قرآنِ کریم نے پہلے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ

---

[1] قادیانی حضرات سرینگر (کشمیر) میں مسیح کی قبر کے بارے میں جو الہامات اور تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ آپ دنیا کے کسی خطے میں چلے جائیے جاہل مسلمان اپنے علاقے میں کسی نہ کسی صحابیٔ رسول ؐ کی قبر کا پتا آپ کو بتا دیں گے حتیٰ کہ ایسی فرضی قبریں چین میں بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

اوّل تو جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہی کا باعث یہ سوال نہیں تھا۔ (بلکہ وہ دونوں تو مصلوب کو مسیحؑ ہی جانتے تھے) نیز تاریخی واقعات اور روایات بھی اس سلسلے میں ایک دو آدمیوں کا تعین کرتے ہیں مثلاً شمعون کرینی یا یہودا اسخر یوطی یا کوئی اور ہم شکل یہودی۔

(۳) دوسرے سوال کا جواب قرآن کریم نے یہ دیا ہے کہ "مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ مگر یہ "رفع" (اٹھا لینا) کیسے اور کیوں کر واقع ہوا؟ اس کے متعلق قرآن مجید میں کوئی تفصیل نہیں اور نہ ہی صحیح حدیثوں میں اس کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔

(۴) دوسری طرف بہت سی احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے[1] کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے اور پھر مر کر یہیں دفن ہوں گے ——— نزولِ مسیحؑ کی ان حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے تقریباً سب ہی مفسرین نے "رفع" کے معنی "جسم اور روح سمیت اُٹھا لیا جانا" مراد لیے ہیں اس طرح رفعِ مسیحؑ، حیاتِ مسیحؑ اور نزولِ مسیحؑ کا عقیدہ اسلامی عقائد کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں نے ہمیشہ اجماعی طور پر اسے تسلیم کیا ہے کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے وہ اب تک زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں دوبارہ اتریں گے۔

(۵) ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے[2] ولادتِ مسیحؑ اور معجزاتِ مسیحؑ کی طرح۔

---

[1] ان میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور محدثین کی تعداد بعض کے نزدیک تواتر کی حد تک پہنچتی ہے

[2] جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ان خیالات کو سب سے پہلے سرسید احمد خان نے ہی پیش کیا۔ ان کے ماخذ آزاد خیال مسیحی مفکرین تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے ہم خیال لوگ اس معاملے میں سرسید ہی کے پیروکار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سرسید نے اپنی تحقیقات سے کچھ لیا نہیں۔ مگر بعد والوں نے اسے اپنا "راس المال" بنایا ہے۔

Marfat.com

رفع مسیح ؑ کے متعلق بھی قرآن مجید کے ظاہر معنوں اور مسلمانوں کے عام عقیدے کو خلافِ عقل اور ناممکن قرار دے کر "رفع" کے معنی "بلندیٔ درجات" لیے ہیں۔

(۶) رفع کے اصلی معنی تو رفع جسمانی یا رفعِ مادّی ہی کے ہیں یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے اوپر کر دینا یا بلند کر دینا، اس کے مجازی معنی، یعنی رفع مراتب اور بلندیٔ درجات، بھی جائز ہیں۔ لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کے لئے کوئی قوی وجہ اور مضبوط قرینہ ہونا چاہیئے، جو یہاں موجود نہیں ہے —— محض "ناممکن" کہہ دینا تو کوئی قرینہ نہیں ہے —— اور یہ استدلال، کہ چونکہ یہاں رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا) کہا گیا ہے۔ اس لیے رفعِ جسمانی تو مراد ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کسی خاص جگہ پر نہیں رہتا پس لازماً یہاں رفع مجازی یعنی قدر و منزلت ہی مراد ہوگی، —— یہ استدلال بھی —— قرآن فہمی سے کورا ہونے کی دلیل ہے اللہ کے ساتھ اِلیٰ لگا دینے سے اللہ کے لیے لازماً مکان یا جگہ ثابت نہیں ہو جاتی۔ کیا آیت وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النسآء: ۱۰۰) میں ہجرت الی اللہ سے مدینہ منورہ یا اسلامی ریاست کی طرف ہجرت مراد نہیں ہے؟ اسی طرح قرآن مجید میں ہی حضرت ابراہیم ؑ کے متعلق یہ بتایا گیا ہے۔ وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ (اس نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں۔ الصّٰفّٰت: ۹۹) کیا یہاں رب کی طرف جانے کا مطلب ملک شام کی طرف جانا نہیں ہے؟ اسی طرح آیت زیر مطالعہ میں بھی اِلَيْهِ سے "آسمان کی طرف" مراد لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کم و بیش دنیا کی ہر زبان میں خدا کے لیے "اوپر" ہونے کا تصوّر اور محاورہ موجود ہے۔ اور اس سے خدا کے "رہنے کی جگہ" کا تعین مقصود نہیں ہوتا۔

(۷) نہ صرف یہ کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جس کی بنا پر یہاں رفع حقیقی (جسمانی) کی بجائے رفعِ مجازی (روحانی) مراد لینا ضروری ہو۔ بلکہ اس کے برعکس

Marfat.com

قرآن کریم نے اس واقعہ کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس میں رفعِ جسمانی ہی مراد لینے کے قرائن زیادہ موجود ہیں۔ مثلاً:۔

ایک تو یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے شرف و عظمت کے بیان میں یہاں رفع الی اللہ کا ذکر خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص شے ہے۔ اور اس سے محض آخرت کی وہ نعمتیں یا اللہ کے ہاں وہ درجات مراد نہیں جن کا وعدہ اللہ نے اپنے تمام نیک بندوں سے کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید میں رَفَعَ یَرْفَعُ اور اس کے مشتقات کل ۲۹ مقامات پر استعمال ہوئے ہیں ان میں سے آٹھ مقامات پر یہ "رفع درجات" کے معنوں میں آیا ہے مگر کہیں بھی اس کے ساتھ اِلیٰ کا استعمال نہیں ہوا۔ پورے قرآن میں یہ لفظ صرف دو دفعہ اِلیٰ کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی کے متعلق (دوسرا مقام سورہ آل عمران: ۵۵ ہے) جس سے خود بخود ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس "رفع" کی کیفیت چاہے کچھ ہو مگر یہ ضرور کوئی غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا۔ جو صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوا۔ اور یہ بات رفع جسمانی میں ہی ہو سکتی ہے رفع روحانی میں نہیں۔

تیسرے یہ کہ آیت کے آخر پر اللہ کی زبردست طاقت اور حکمت کا ذکر (وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا) یونہی بلا وجہ نہیں بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ "رفع" ضرور کوئی ایسا واقعہ تھا جس میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا غیر معمولی ظہور ہوا۔ مسیح ؑ کے سولی پر چڑھنے مگر مرنے سے "اٹھا لئے" جانے کے ذکر کے ساتھ خدائی قوت و حکمت کے ذکر میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ البتہ رفع جسمانی کے ساتھ یہ فقرہ بالکل موزوں ہے۔

چوتھے یہ کہ عیسائیوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا[1] بلکہ یہی عقیدہ ان کے ہاں الوہیت مسیح کے

---

[1] بعض قدیم مسیحی فرقے تو حضرت عیسیٰؑ کے سولی کے واقعہ سے بھی پہلے آسمان پر چلے جانے

(باقی صفحہ ۵۲۶ پر)

Marfat.com

فاسد عقیدے کی بنیاد تھا۔ اگر یہ (رفع) بالکل بے اصل بات تھی تو قرآن مجید کو ضرور اس کی صاف تردید کرنی چاہیے تھی تاکہ گمراہی کی جڑ کٹ جاتی — اس کے برعکس قرآن مجید نے اُلٹا ٹھیک وہی لفظ "رفع" استعمال کیا ہے، جو مسیحیت میں اس واقعہ کے لئے[1] مستعمل ہے یعنی (Ascension) (دیکھئے Acts1:9) اور جس سے اس خیال کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ اگر "رفع" سے مراد مرنے کے بعد "اللہ کے ہاں بلندئ درجات"[2] ہوتی تو "قتل مسیح کی تردید" اور "رفع مسیح ع کی تاکید" کے درمیان مسیح کی طبعی موت کا ذکر ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اس سے مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں، دونوں کے فاسد اعتقادات کی تردید ہو جاتی — مگر عجیب بات ہے کہ قرآن مجید نے مسیح ع کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بارے میں بھی موت کا صریح لفظ استعمال کرنے کی بجائے "توفّی" کا محتمل المعنیین لفظ منتخب کیا ہے۔ جو بہرحال لغوی طور پر موت کے علاوہ دوسرے معنوں (مثلاً "قبض روح وجسم") پر دلالت کرنے کی گنجائش بھی رکھتا ہے — مسیح ع کی موت (طبعی یا غیر طبعی) کی تصریح کیے بغیر (اور سورہ النساء کی زیرمطالعہ آیات میں اس کا بہترین موقع

(بقیہ صفحہ ۵۲۶) کے قائل تھے۔ مگر موجودہ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح ع صلیب پر مرنے کے بعد تیسرے روز اسی جسم کے ساتھ زندہ ہو گئے اور پھر آسمان پر چلے گئے۔ اس طرح بھی گویا قرآن نے ان کے عقیدے کے ایک حصے (وفات مسیح ع) کی صاف تردید کر دی۔ مگر دوسرے حصے کی تردید کی بجائے ایک طرح سے تائید ہی کر دی ہے۔

[1] عہد نامہ جدید کی پانچویں کتاب جس کا پورا نام (Acts of Apostles) ہے۔

[2] دیکھئے سورہ آل عمران: ۵۵ اور سورہ المائدہ: ۱۱۷۔ اس سلسلے میں مزید تشریح کے لیے اسی مصنف کی کتاب "علم و عرفان" صفحہ ۹۸ تا ۱۱۲ ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

تھا) رفع کا لفظ استعمال کر کے، قرآن کریم نے ان قرائن میں ایک اور قرینہ کا اضافہ کر دیا ہے جن سے رفع جسمانی کے عقیدے کو الٹی مدد ملتی ہے۔

(۸) ان تمام امور کو پیش نظر رکھنے سے یوں نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ بہر حال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے ——— تاہم چونکہ یہ عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام نہیں ہے اور تاویل کا احتمال بھی موجود ہے اس لیے قرآن حکیم کی روح سے زیادہ قریب طرز عمل یہی ہے کہ مسیحؑ کے بارے میں رفع جسمانی کی تصریح پر بھی اصرار نہ کیا جائے اور ان کی موت کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے ——— بلا دلیل تاویل کے پیچھے پڑنے کی بجائے سواء السبیل یہی ہے کہ رفع مسیح کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی تفصیلات اور کیفیت کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے ——— واللہ اعلم بالصواب۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

اس فقرے میں بِہٖ کی ضمیر "ہ" تو بالاتفاق مسیح علیہ السلام کے لیے ہے البتہ مَوْتِهٖ کی ضمیر "ہ" کے مرجع میں دو احتمال ہونے کی وجہ سے اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔ مگر اس ... معنی یعنی یہودی، اور عیسائی دونوں بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

(۱) اگر مَوْتِهٖ کی ضمیر "ہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے سمجھی جا... کا ذکر اوپر کی دو آیات سے چل رہا ہے) تو اس عبارت کا مفہوم ... کہ جب مسیح علیہ السلام کی طبعی موت واقع ہو گی اس وقت ... جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے۔ وہ سب آپ کی رسالت ... میں ایمان لا چکے ہوں گے یعنی آپ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے۔ (آپ کے متعلق اہل کتاب افراط و تفریط میں مبتلا ہیں) وہ اسے جان جائیں گے ... کا اعتراف اقرار کریں گے ——— ان معنوں کے ساتھ یہ عبارت مسیح علیہ السلام

Marfat.com

کے بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لیے جانے، اب تک زندہ موجود ہونے اور دوبارہ زمین پر واپس آنے کی ایک اور دلیل بنتی ہے۔ متفق علیہ روایت کے مطابق[1] ابوہریرہ رض جب نزولِ مسیحؑ کے بارے میں حدیثِ رسولؐ بیان کرتے تو استدلال کے طور پر ساتھ ہی آیت تلاوت کرتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ و تابعین و مفسرین سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمۂ قرآن میں انہی معنوں کو اختیار کیا ہے۔

(۲) اگر مَوْتِہٖ میں ضمیر "ہ" سے مراد "ہر ایک اہلِ کتاب" لیا جائے تو اس فقرے کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اہلِ کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح عؑ پر ایمان نہ لائے۔ یعنی حضرت عیسے علیہ السلام کے بارے میں افراط کرنے والے (مسیحی) اور آپؑ کے منصب و مقام کے متعلق تفریط کرنے والے (یہودی)، دونوں، پر موت کے وقت مسیح علیہ السلام کا صحیح مقام اور ان کی رسالت کی حقیقت منکشف کر دی جاتی ہے۔ اس وقت وہ مسیح عؑ پر صحیح معنوں میں ایمان لے آتے ہیں مگر اس وقت کا ایمان لانا مفید نہیں ہو سکتا۔ تفسیر المنار میں ان معنوں کو ترجیح دی گئی ہے ——

اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ پھر اسے "ایمان لانا" کہنے کا کیا مطلب؟ اس لیے کہ اول تو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مرتے وقت ہر شخص پر اصل حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس کا جو انجام ہونے والا ہے۔ وہ اسے صاف نظر آ جاتا ہے۔ مگر اس وقت کی توبہ یا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ اسی سورت النساء کی آیت ۱۸ میں توبہ بوقتِ موت کے غیر مقبول ہونے کا ذکر گزر چکا ہے۔ سورہ یونس آیت ۹۰ میں مذکور ہے کہ فرعون نے ڈوبتے

---

[1] یہی مضمون سورہ المومن ۴۰: ۸۴-۸۵ میں بھی موجود ہے اور بہت سی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

Marfat.com

کا ذکر گزر چکا ہے سورہ یونس آیت ۹۰ میں مذکور ہے کہ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا "اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ - مگر اس کا اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔

دوسرے قرآن مجید کا سمجھانے کا یہ بھی ایک عام انداز ہے کہ موت کے وقت واقع ہونے والی یقینی اور قطعی بات کا اس طرح ذکر کرتا ہے تاکہ آدمی اس وقت سے پہلے سنبھل جائے۔ اس طرح اس آیت میں مسیح علیہ السلام کے بارے میں افراط و تفریط کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ اپنی گمراہی اور غلط فہمی کو مرنے سے پہلے سمجھ کر سیدھا راستہ اختیار کر لو۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا :-

(۱) اور قیامت کے دن مسیح ع، دوسرے انبیاء کی طرح، اپنی تصدیق کرنے والوں کے حق میں اور اپنے مکذبین کے خلاف گواہی دیں گے۔ انبیاء کا اس طرح اپنی امتوں پر گواہ بننے کا ذکر قرآن کریم میں متعدد جگہ ہے اسی سورت النساء کی آیت ۴۱ میں بھی یہی مضمون گزر چکا ہے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز، اپنے غلط کار پیروؤں کے خلاف بھی گواہی دیں گے جیسا کہ سورہ المائدہ کی آیات ۱۱۶ تا ۱۱۸ میں مذکور ہوا ہے کہ آپ ع ان لوگوں سے برات کا اظہار کریں گے۔ جنہوں نے آپ ع کو اور آپ ع کی والدہ ع کو معبود سمجھ رکھا ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا	غرض ان یہودیوں وہ اہل کتاب یہودی جو آپ سے مطالبے کرتے ہیں اور ان کی خود بدولی کی زیر ذہنوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ہم نے بہت سی
بسبب بوجہ گناہ کرنے ان لوگوں کے جو یہودی نسل میں سے ہوئے تھے	
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ	
ہم نے حرام کر دیں ان پر کئی ایسی پاک چیزیں جو ان پر حلال کی گئی تھیں	

Marfat.com

لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ

ان کے لیے اور بسبب ان کے روک دینے کے اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ لا وَّ

کی راہ سے بکثرت / بہتوں کو اور

اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا

(بوجہ) لینے ان کے سود کو حالانکہ ان کو منع کیا گیا (تھا)

عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ

اس سے اور (بسبب) ان کے کھا جانے مال

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا

لوگوں کے ناحق اور ہم نے تیار کر رکھا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا

کافروں کے لیے ان میں سے ایک دردناک

اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ

عذاب لیکن جو لوگ پختہ ہیں

فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

علم میں ان میں سے اور جو ایمان والے ہیں (اس طرح)

سی ایسی پاک چیزیں (الطو
سزا) ان پر حرام قرار دے
دیں جو پہلے ان کے لیے
حلال تھیں اور (ان کو یہ
سزا جن جرائم کی پاداش
میں ملی ان میں) ان کا
اکثر (لوگوں کو (اللہ کے
دین کے) راستے سے روکنا
— اور باوجود ممانعت
کے سود لینا اور لوگوں
کے مال ناجائز طریقوں
سے خورد برد کرنا (بھی
شامل تھا) اور ان میں
سے جو لوگ کافر ہیں ان
کے لیے ہم نے دردناک
عذاب تیار کر رکھا ہے
البتہ ان میں سے جو لوگ
علم میں پائیگاہ رکھتے ہیں
اور ایماندار ہیں

Marfat.com

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	(وہ تو) اس (ساری تعلیم) پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی۔
کہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اتارا گیا تیری طرف	
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	
اور اس پر (بھی) جو اتارا گیا تجھ سے پہلے	
وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ	(مزید برآں وہ) نماز کے پابند، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور روز آخرت پر سچا ایمان رکھنے والے ہیں ایسے لوگوں کو تو ہم ضرور اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔
اور قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور	
الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	
دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور ایمان رکھنے والے ہیں	
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ	
اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ یہ سب وہ لوگ ہیں (کہ)	
سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾	
ہم دیں گے ان کو (ضرور) ثواب بڑا	

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَخْذِهِمُ اور اَكْلِهِمْ : بِصَدِّهِمْ پر معطوف ہیں اور یہ تینوں مصدر کے اپنے فاعل کی طرف مضاف ہونے کی مثالیں ہیں۔ وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ : میں واؤ حالیہ ہے۔ الرّٰسِخُوْنَ : مبتدا ہے اور اَلْمُؤْمِنُوْنَ بھی اس پر معطوف ہے اور ان کی خبر يُؤْمِنُوْنَ سے شروع ہوتی ہے۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ کے اعراب میں متعدد

Marfat.com

اقوال ہیں مگر زیادہ بہتر دو ہی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ منصوب علی المدح ہے اور اس سے پہلے اَعْنِیْ محذوف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ یُؤْمِنُوْنَ ہی کے متعلق ہے اور اس سے پہلے بِدِیْنِ مقدر ہے۔ گویا دراصل یُؤْمِنُوْنَ بِدِیْنِ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ تھا یعنی مسلمانوں کے دین پر ایمان رکھتے ہیں ——

اَلْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ:۔ میں اَلْمُؤْتُوْنَ کی رفع الرّٰسِخُوْنَ پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ایک مبتدا محذوف یعنی ھُمْ کی خبر قرار دیا جائے۔

تفہیم و تفسیر:۔

آیت ۱۵۳ (یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ) سے یہودیوں کے قومی جرائم اور ان کے اندر نسلاً بعد نسلٍ پائی جانے والی برائیوں کا ذکر چلا تھا —— یہ آیات اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ یہودیوں پر ان کی بداعمالیوں کے وبال کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اب ان کے لیے راہِ نجات صرف اسلام میں ہے —— یہودی بحیثیت ایک نسل اور قوم کے ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ نہیں ہو چکے بلکہ ان میں سے بھی جو اپنے اسلاف کی اندھی تقلید سے نکل کر علی وجہ البصیرت اپنی روش بدل لے گا۔ اسے اپنی محنت کا اجر عنقریب مل جائے گا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ:۔

(۱) یہودیوں کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بعض ایسی چیزیں حرام کر دیں جو دراصل پاک تھیں اور پہلے ان کے لیے حلال ہی تھیں قرآن مجید (سورہ الانعام: ۱۴۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں تمام ناخن والے جانور اور گائے اور بکری کی چربی بھی شامل تھے۔ غالباً اس تحریم کا مقصد اس سرکش

Marfat.com

قوم کی اصلاح بھی تھا کیونکہ بعض دفعہ کسی کو ان چیزوں سے محروم کر دینے سے بھی، جن کا وہ عادی ہو، اس کی برائیوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

(۲) بائیبل کی تیسری کتاب الاحبار (Leviticus) کے گیارہویں باب میں ان جانوروں کی فہرست دی ہوئی ہے جو یہودیوں کے نزدیک حرام ہیں اور ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ قرآن کریم (آل عمران، ۹۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل بنی اسرائیل کے لیے بہت سی اشیاء حلال تھیں مگر بعد میں انہوں نے خود ہی فقہی احکام میں تشدد برتتے ہوئے کئی ایسی چیزیں بھی حرام قرار دے دیں جو دراصل حرام نہیں تھیں۔ جس طرح حرام کو حلال سمجھنا گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی غلط ہے۔ قرآن مجید نے [illegible] دونوں چیزوں سے روکا ہے۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طیبات کی اس تحریم سے مراد [illegible] و اخلاقی زوال ہو۔ (شاہ ولی اللہ نے بھی اسی مفہوم [illegible] اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو جس طرح [illegible] اور جس طرح یہ اس کے نااہل ثابت ہوئے۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں [illegible] متعدد مقامات پر ہے ——— اور یہاں فَبِظُلْمٍ [illegible] زور دیا [illegible] کہ یہودیوں کی تاریخ کے یہ عبرتناک پہلو اور ان کی محرومیوں کی داستان [illegible] اپنی ہی زیادتیوں اور سرکشیوں کا نتیجہ تھی۔ یہودیوں کی پوری تاریخ [illegible] محرومیوں کی داستان ہے اور جو آدمی اس تاریخ سے واقف ہے وہ [illegible] ہے کہ قرآن کریم کا یہ مختصر فقرہ کس قدر جامع اور عبرت آموز تبصرہ ہے۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۔

(۱) یہودیوں کی گمراہیوں کا یہ پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان میں لوگوں کو راہِ حق سے روکنے اور گمراہ کرنے کی عادت محض چند افراد تک محدود نہیں تھی بلکہ ان کی قومی صفت (Characteristic) بن چکی تھی۔ انہوں نے

Marfat.com

بہت سے لوگوں کو راہِ حق سے روکا اور ایک طویل مدت تک۔ جو صدیوں پر ممتد ہے ــــــ یہی کام کرتے رہے کہ اصلاح کی ہر کوشش پر راستہ روک کر بیٹھ جاتے اور دین کے لیے کام کرنے والوں کی راہ میں روڑے ہی اٹکاتے رہے۔

(۲) یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی دنیا کو اخلاق و خدا پرستی سے منحرف کرنے والی تحریکوں اور انسانیت کو امن و سلامتی کی بجائے تباہی و بربادی کی طرف لے جانے والی پالیسیوں کے پس پردہ یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ کام کرتا نظر آتا ہے۔ ــــــ اشتراکیت جس کی بنیاد ہی خدا کے انکار، خدا پرستوں کے دشمنی اور دنیا سے خدا پرستی کو مٹا دینے کے عزم پر رکھی گئی ہے، ایک یہودی دماغ کی اختراع ہے ــــــ سیاست و معیشت سے "خدا کو باہر نکالنا" اگر کارل مارکس کا "کارنامہ" ہے تو عصر حاضر میں نظام اخلاق کی جڑیں کھودنے کا "سہرا" بھی، ایک دوسرے اسرائیلی، فرائڈ (اور اس کے فلسفہ) کے سر ہے۔ اور بین الاقوامی سیاست میں آج جو عوامل پوری انسانیت کو ایٹمی جہنم میں جھونک دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ ان میں بھی یہودی اثرات نمایاں ہیں۔

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ۔

(۱) توریت میں اب تک ممانعتِ سود کے احکام موجود ہیں (Leviticus:35 Exodus 22) مگر اسی توریت کے ماننے والے یہودی صرف آج کی دنیا ہی میں نہیں بلکہ غالباً تاریخ عالم کی سب سے زیادہ سود خور قوم ہیں ــــــ اور ان کی سود خورانہ سنگدلی اور تنگ نظری شائلاک کی صورت میں دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن چکی ہے۔ ــــــ

(۲) مسلمانوں کے لیے یہ ایک مقامِ عبرت و موعظت ہے۔ قرآن کریم میں سود کی قطعی حرمت، توریت کے احکام کی نسبت کہیں زیادہ واضح ہے اور اس پر سخت وعید موجود ہے۔

Marfat.com

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ :-

ظلم وزیادتی، حق دشمنی اور سود خوری کے ساتھ ساتھ یہودی ناجائز آمدنیوں سے بھی قطعاً تامل نہیں کرتے تھے۔ ان کی شریعت میں سود، رشوت وخیانت، فریب دہی، حق تلفی وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ انہی طریقوں کو اختیار کرنے کا نام انہوں نے "کامیاب دنیاداری" رکھا ہوا تھا۔ سورہ المائدہ: ۴۲، ۶۲، ۶۳ میں اس صفت "اَكْلِ سُحْت" (حرام مال کھانا) کو یہودیوں کی خصوصیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں بھی ہمارے لیے درس عبرت ہے۔ کیونکہ اس "معاشی سرطان" سے بچے رہنے کی تلقین بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ پر کی گئی ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا :-

(۱) یہودیوں میں کئی نیک لوگ، بہت کم سہی، رہے ضرور ہیں۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم نے ہی دوسری جگہ بیان کیا ہے، تمام یہودی اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم تو بہرحال بخشے جائیں گے (دیکھئے، البقرہ: ۸۰، آل عمران: ۲۴، الاعراف: ۱۶۹ اور المائدہ: ۱۸)۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہودیوں میں سے جو بھی خدا کے احکام سے کفر وانکار کا مرتکب ہوگا وہ ضرور سزا پائے گا۔ محض یہودی ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ کے ہاں معیار کفر وایمان ہے نہ کہ نسل وخاندان۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ :-

(۱) گزشتہ آٹھ آیات میں مسلسل یہودیوں کے قومی جرائم کا ذکر ہوا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب یہ لوگ بحیثیت "نسل" راندہ درگاہ ہو چکے ہیں اور اس قوم کے اندر پیدا ہونے والا ہر شخص نسلی اور موروثی طور پر عذاب کا

Marfat.com

مستحق ہوگا۔ جیسا کہ یہودی تمام غیر اسرائیلیوں کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں، اور کسی غیر اسرائیلی کو یہودی مذہب اختیار کرنے پر بھی اپنے اندر شامل نہیں کرتے۔
اسلام، پوری انسانیت کا دین ہے۔ یہودیت کی طرح یہ کسی خاص نسل تک محدود کر کے نہیں رکھ دیا گیا۔ جس طرح محض یہودی نسل سے ہونا باعثِ غفران نہیں اسی طرح محض یہودی النسل ہونا موجبِ حرمان بھی نہیں ——— یہودیوں میں سے بھی جو لوگ صحیح علمِ دین اور سچے ایمان سے متصف ہوں گے۔ (تو ان کو بھی اجر ملے گا۔ جیسا کہ آگے مذکور ہے)۔
(۴) یہودیوں میں سے بھی وہ لوگ جو آسمانی کتابوں کی صحیح تعلیم سے آگاہ ہیں اور جو ضد و تعصب سے آزاد ہو کر ان تمام باتوں کو سچے دل سے مانتے ہیں جن کا ثبوت آسمانی کتابوں سے ملتا ہے۔ ایسے لوگ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ قرآن بھی اسی دین کی تعلیم دے رہا ہے جو پچھلے انبیاء نے سکھایا تھا۔ (اس لیے وہ اس پر بھی ایمان لاتے اور اجر کے مستحق بنتے ہیں، جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے)۔

يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَوٰةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔

اس حصۂ آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزاء کا ذکر آ گیا ہے۔ یعنی اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، اگلی پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان، جو قرآن پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہے) ——— اور ساتھ ہی عبادت کے بھی اہم ترین عنوانات یعنی نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اسلامی فکر و عمل کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے یہاں سے آدمی کا رخ سیدھے راستے کی طرف ہو جاتا ہے اور اس کی منزل

Marfat.com

متعین ہو جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ؏

ایمان وعمل کے اس راستے کو اختیار کرنے والوں کو بہت جلد اپنی محنتوں کا اجرِ عظیم مل جائے گا ——— اور ان کا خاص نسل (مثلاً یہود) سے ہونا یا نہ ہونا ان کے خلاف نہ جائے گا۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا	(اے پیغمبر!) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسی طرح نوح ؑ اور ان کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور جس طرح ہم نے ابراہیم ؑ، اسمٰعیل ؑ، اسحاق ؑ، یعقوب ؑ اور اولادِ یعقوب (میں ہونے والے) دوسرے انبیاء اور عیسیٰ ؑ، ایوب ؑ، یونس ؑ، ہارون ؑ اور سلیمان ؑ کی طرف وحی بھیجی۔
بے شک ہم نے وحی بھیجی ہے تیری طرف جیسے کہ	
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ	
ہم نے وحی بھیجی تھی نوح ؑ کی طرف	
وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَ	
اور نبیوں کی طرف اس کے بعد اور جیسی کہ	
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ	
ہم نے وحی بھیجی ابراہیم ؑ کی طرف اور	
إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ	
اسمٰعیل ؑ اور اسحاق ؑ اور	
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَ	
یعقوب ؑ اور اولادِ (یعقوب) پر اور	

Marfat.com

عِيسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ	
عیسٰیؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ	
وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ	اور ہم نے (ہی) داؤدؑ کو زبور دی
اور ہارونؑ اور سلیمانؑ (کی طرف) اور	
اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾	
ہم نے دیا تھا داؤدؑ کو ایک صحیفہ / زبور	
وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ	اور (ہم نے) ان رسولوں کو بھی (یہی دین دے کر بھیجا) جن کا ذکر ہم اس سے پہلے آپ سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں کو بھی (یہی پیغام دے کر بھیجا) جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔ اور (ان بہو دیوں کے پیغمبر) موسٰیؑ سے (تو) اللہ نے (یہی) باتیں کیں جس طرح (باہم) گفتگو کی جاتی ہے۔
اور (بھیجے) کتنے ہی رسول کہ ہم سنا چکے ہیں ان کا حال	
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ	
تجھ کو اس سے پہلے اور	
رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ	
کتنے ہی ایسے رسول (بھی بھیجے) کہ ہم نے نہیں سنایا ان کا حال	
عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى	
تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسٰیؑ سے	
تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ	
بول کر کتنے ہی رسول (بھیجے) خوشخبری سنانے والے	

Marfat.com

وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ

اور ڈرانے والے (بناکر) تاکہ نہ رہ جائے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ

لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے الزام کی جگہ
بری عذر

بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

رسولوں کے (آنے کے) بعد اور اللہ (تو)

عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۶۵﴾

بڑا زبردست حکمت والا ہے ہی

(اور ہم نے یہ) سب رسول (نیکی پر انعام کی) خوشخبری دینے والے اور (برائی پر سزا سے) ڈرانے والے بناکر (بھیجے) تاکہ (ان پیغمبروں کے آجانے کے) بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور اللہ بہت غالب ہے زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے

لغوی ونحوی اشارات:۔

اَوۡحَيۡنَا:۔ وحی سے باب افعال کا صیغۂ ماضی ہے۔ وحی کے لغوی معنیٰ "دل میں کوئی بات ڈالنا، اشارہ کردینا، خفیہ طریقے سے کوئی بات کہنا یا پیغام بھیجنا" ہیں۔ اصطلاحِ شرعی میں وحی سے مراد خدا کا فرشتے کے ذریعے رسولوں کی طرف پیغام بھیجنا ہے۔ اَلنَّبِيّٖنَ: اس کا واحد نَبِيٌّ اور مادہ نَبَأٌ ہے ـــــ اِلٰی کی وجہ سے مجرور ہے۔ اِبۡرٰهِيۡمَ سے لے کر داؤد تک جتنے اسماء آئے ہیں یہ سب عجمی ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ یہ اَوۡحَيۡنَا اِلٰی کی وجہ سے سب مجرور ہیں۔ اَلۡاَسۡبَاط: اس کا واحد سِبۡطٌ ہے۔ اور یہ بیٹے یا بیٹی کی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وَرُسُلًا: دونوں جگہ ایک فعل محذوف کے مفعول کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مُبَشِّرِيۡنَ اور مُنۡذِرِيۡنَ:۔ دونوں حال ہیں۔ لِئَلَّا:۔ کا تعلق اَوۡحَيۡنَا

Marfat.com

سے بھی ہو سکتا ہے یعنی " ہم نے وحی کی تاکہ . . . . " اور اس کا تعلق مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ سے بھی ہو سکتا ہے یعنی " تاکہ اس تبشیر و انذار کے بعد . . . . . "
حُجَّةٌ :- اسم کان (یَکُوْنَ) ہو کر رفع میں ہے — تَکْلِیْمًا مفعول مطلق ہو کر نصب میں ہے۔

تفہیم و تفسیر :-

اہل کتاب کے طرز عمل پر تبصرہ و تنقید کرنے کے بعد ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی انوکھی چیز لے کر نہیں آئے، جو پہلے نہ آئی ہو — کم از کم اہل کتاب کے لیے تو کسی کا دعویٰ نبوت کوئی انہونی اور نئی بات نہیں ہے — ایک ہی صداقت ہے جسے دنیا کے مختلف گوشوں میں پیدا ہونے والے پیغمبر وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے۔ اور اصلاً ہر رسول کو یہی دین دیا گیا تھا۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ :-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام پیش کر رہے ہیں یہ ٹھیک وحی الٰہی ہے — یہ کلام اللہ نے فرشتے کے ذریعے، جیسا کہ انبیاء کے ساتھ اس کا طریقہ ہے، آپؐ تک پہنچایا ہے — نزول وحی کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں کا بیان قرآن کریم (الشوریٰ : ۵۱) اور احادیث میں ملتا ہے مگر یہاں اس کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے۔

كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ :-

— وحی الٰہی کا سلسلہ یوں تو حضرت آدمؑ کے ساتھ شروع ہو گیا تھا مگر سب سے پہلے نبی جنہیں شریعت اور احکام دیئے گئے وہ حضرت نوحؑ تھے۔ اس بات کی طرف قرآن کریم (الشوریٰ : ۱۳) میں اشارہ کیا گیا ہے — اس لیے انبیاء کی معلوم تاریخ کا آغاز حضرت نوحؑ کے ساتھ ہوتا ہے۔

Marfat.com

کم از کم اہلِ کتاب یہودی اور عیسائی (جو اس آیت کے اصل مخاطب ہیں) اس حد تک جانتے تھے۔ حضرت نوحؑ کو انگریزی میں (Noah) کہا جاتا ہے۔ ان کے حالات قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ سورۂ الاعراف: ۵۸-۶۴، یونس: ۷۱-۷۴، ھود: ۲۵-۵۰، المؤمنون: ۲۳-۳۱، الشعراء: ۱۰۵-۱۲۳، القمر: ۹-۱۷ اور نوحؑ: ۱-۲۸ میں بیان ہوئے ہیں۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ:۔

حضرت ابراہیمؑ ہی مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے انبیاء کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ ان کا زمانہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے کا ہے۔ دینِ اسلام انہیں کے شروع کیے ہوئے کام کی تکمیل اور آخری شکل ہے۔ عبرانی زبان میں ان کا نام (Abram) یا (Avraham) ہے جس کے معنی "بلند باپ یا" قوموں کا باپ" ہیں قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یوں توکئی جگہ ہے لیکن حسبِ ذیل مقامات پر ذرا تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ البقرہ: ۱۲۴-۱۳۳، ۲۵۸، ۲۶۲، الانعام: ۷۴-۸۵، ھود: ۶۹-۷۷، ابراھیم: ۳۵-۴۲، الحجر: ۵۱-۶۱، مریم: ۴۱-۵۱، الانبیاء: ۵۱-۷۳، الشعراء: ۷۰-۸۰، العنکبوت: ۱۶-۳۳، الصّٰفّٰت: ۸۳-۱۱۴، اور الذاریات: ۲۴-۲۸۔

وَاِسْمٰعِیْلَ:۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اکبر، خانہ کعبہ کے بانیٔ اول اپنے باپ کے ساتھ مل کر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ۔ قربانی و حج کے اکثر احکام ان کی زندگی کے واقعات کی یادگار ہیں ان کا اصل عبرانی نام (Yishmael) ہے جس کے معنی ہیں "خدا سنے گا"۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر سورۂ مریم: ۵۴-۵۶ اور الصافات: ۱۰۱-۱۰۷ میں موجود ہے

Marfat.com

وَاِسۡحٰقَ :۔

حضرت ابراہیم ؑ کے دوسرے بیٹے اور حضرت یعقوب ؑ کے باپ جن کی نسل سے بنی اسرائیل ہیں۔ حضرت اسمٰعیل ؑ اور حضرت اسحٰق ؑ کی مائیں الگ الگ تھیں۔ حضرت اسحٰق ؑ کا اصل عبرانی نام (Yitshaq) ہے جس کے معنی ہیں "وہ ہنستا ہے" قرآن کریم میں ان کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں آیا ہے۔

وَیَعۡقُوۡبَ :۔

حضرت اسحٰق ؑ کے فرزند اور حضرت یوسف ؑ کے باپ، ان کی اولاد ہی بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ اسرائیل ان کا لقب تھا جس کی اصل عبرانی نام (Yisrail), ہے جس کے معنی "شیر خدا" کے ہیں۔ یعقوب ——— (Yaaqob) کے معنی ہیں "وہ پیچھے آتا ہے" اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ اپنے بڑے بھائی عیص (Isau) کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں سورۂ یوسف میں ان کا واقعہ ذرا تفصیل کے ساتھ ہے اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں ان کا بھی ذکر آیا ہے۔

وَالۡاَسۡبَاطِ :۔

اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ حضرت یعقوب ؑ کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے ہر ایک کی اولاد کو سِبۡط کہا جاتا ہے اس طرح اَسۡبَاط سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ اسباط (قبیلے) ہیں۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء ان ہی مختلف قبیلوں میں سے تھے۔

وَعِیۡسٰی :۔

مسیح علیہ السلام کا ذاتی نام عیسٰی (علیہ السلام) ہے۔ یہ لفظ اصل عبرانی میں (Yehoshua) تھا جو بعد میں مخفف ہوکر (Yeshua)

Marfat.com

(اردو میں یسوع) ہوگیا۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ (Jesus) کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور ان کی پوری زندگی خدا کی قدرتوں کا غیر معمولی ظہور رہے۔ ان کے کچھ حالات تو اسی سورت (النساء) میں گزر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں آل عمران: ۳۳-۶۴، المائدہ: ۱۱۴-۱۲۲، مریم: ۱-۳۷ میں تفصیل موجود ہے۔

وَاَیُّوْبَ:۔

یہ بھی انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں عبرانی میں ان کا نام ——— (Iyyobh) ہے جس کے معنی "تائب" ہیں اور عہد نامہ عتیق میں ایک صحیفہ ان کے نام سے موجود ہے۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر ایک پیکر صبر وشکر کے طور پر ہوا ہے۔ دیکھئے سورہ الانبیاء: ۸۳-۵۸، اور ص: ۴۱-۴۵۔

وَیُوْنُسَ:۔

اہل نینویٰ (Ninive),) کے پیغمبر تھے جو عراق کا ایک قدیم شہر تھا۔ اور جس کے کھنڈرات آج کل موصل کے قریب ہیں——— حضرت یونسؑ کو مچھلی کے نگل جانے اور پھر اگل دینے کا قصہ تورات اور قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یونس کی اصل عبرانی نام (Yohanan) ہے جس کے معنی ہیں "یہوواہ (خدا) مہربان ہوا" قرآن مجید میں ان کا ذکر سورۂ یونس: ۹۸، الانبیاء: ۸۷-۸۹، الصافات: ۳۹-۴۹ اور القلم: ۴۸-۵۱ میں آیا ہے۔

وَھٰرُوْنَ:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور پیغمبر تھے۔ اصل (Aaron ہے جس کے معنی "بلند مرتبہ" یا "کوہ پیما" ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں متعدد مقامات پر ہوا

Marfat.com

ازاں جملہ الاعراف: ۱۴۲-۱۵۲، اور سورہ طٰہٰ: ۹۰-۹۵ ہیں۔

وَ سُلَیْمٰنَ :۔

داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور یہودیوں کے سب سے زیادہ عظیم الشان بادشاہ اور نبی تھے۔ خود یہودی انہیں پیغمبر نہیں مانتے۔ مگر قرآن کریم نے ان کا ذکر بطور پیغمبر ہی کیا ہے۔ اصل عبرانی نام (Shlomoh) ہے جس کے معنی "صلح جو" ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے حالات حسب ذیل مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ البقرہ: ۱۰۲، الانبیاء: ۷۸-۸۳، النمل: ۱۵-۴۵، سبا: ۱۲-۱۵ اور ص: ۳۰-۴۰ *

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا :۔

داؤد علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کے نبی اور بادشاہ تھے مگر یہودی انہیں بھی نبی تسلیم نہیں کرتے ان کو جو کتاب دی گئی اس کا نام قرآن کریم میں زبور آیا ہے۔ زبور کے اصل معنی صحیفہ یا لکھی ہوئی کتاب کے ہیں اس لیے اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ "ہم نے داؤدؑ کو ایک صحیفہ عطا فرمایا تھا" موجودہ بائبل میں حضرت داؤد کی طرف منسوب ایک صحیفہ (Book of Psalms) کے نام سے موجود ہے جس میں ڈیڑھ سو کے قریب گیت اور نظمیں ہیں جن کا موضوع زیادہ تر حمد و مناجات اور کچھ پیشین گوئیاں ہیں۔ داؤد کی اصل عبرانی نام Daweed ہے جس کے معنی "محبوب" ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت داؤدؑ کا ذکر مندرجہ ذیل جگہوں پر آیا ہے۔ الانبیاء: ۷۸-۸۱، النمل: ۱۵-۱۶، سبا: ۱۰-۱۲، اور ص: ۱۷-۲۷،

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ :۔

جن انبیاء کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کریم میں حسب ذیل انبیاء کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ،

Marfat.com

شعیبؑ ، یوسفؑ ، ادریسؑ ، ذوالکفلؑ ، الیاسؑ اور الیسع علیہم السلام۔ اس کے علاوہ بعض ایسے بزرگوں کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہوا ہے جن کے متعلق اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں مثلاً حضرت لقمان ، اور ذوالقرنین۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ :-

قرآن کریم نے زیادہ تر ان انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ جن سے عرب کے مشرک یا یہود و نصاریٰ واقف تھے کیونکہ قرآن کے مخاطب اولین یہی تھے لیکن قرآن کریم میں یہ بات صاف طور پر بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر ملک میں انبیاء بھیجے (مثلاً دیکھئے نحل: ۳۶ اور فاطر: ۲۴) اور قرآن مجید کا یہ وہ انکشاف حقیقت ہے جس سے تمام اہل کتاب اور دوسرے مذاہب والے قطعاً ناواقف تھے ، بلکہ اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف وحی و ہدایت کے قائل ہی نہ تھے۔ قرآن نے ہی سب سے پہلے یہ بتایا کہ نبوت عالمگیر رہی ہے اور اب نبوت محمدی ہی عالمگیر ہے۔ اس لحاظ سے یہ عین ممکن ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیشوا بھی دراصل رسول اور نبی ہی ہوں لیکن چونکہ اس کے متعلق قرآن میں تصریح نہیں ہے۔ لہذا عند الاحتیاط مناسب یہی ہے کہ اس قسم کے بزرگوں مثلاً مہاتما بدھ ، زرتشت ، کرشن ، رام چندر ، کنفیوشس وغیرہم کے بارے میں نہ تو رسول ہونے کی تصریح کی جائے اور نہ ہی اس کا انکار کیا جائے — یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ کل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہوتے ہیں یہ قول بلا دلیل ہے اور اس کی کوئی سند قرآن و سنت میں نہیں ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اپنا ایمان مجمل ہی رکھا جائے۔

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا :-

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سب سے زیادہ اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ ان کا اصل عبرانی نام (Mosheh) ہے جس کے معنی "نکالنے والا" یا "نکلنے والا" ہیں۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں تمام انبیاء کی نسبت زیادہ آیا

Marfat.com

ہے بعض اہم مقامات یہ ہیں۔ البقرہ: ۵۴ - ۶۷، المائدہ: ۲۲ - ۳۰، الاعراف: ۱۰۲ - ۱۶۰، یونس: ۷۵ - ۹۴، الکہف: ۶۱ - ۸۴، طٰہٰ: ۹ - ۱۰۰، الشعراء: ۱۰ - ۱۷۰، القصص: ۲ - ۴۴، المؤمن: ۲۳ - ۴۷۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوالاً جواباً گفتگو کرنے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا انہیں سامنے بیٹھا نظر آتا تھا بلکہ سورہ الشوریٰ: ۵۱ میں کسی بشر کے ساتھ خدا کے اس طرح کلام کی نفی کی گئی ہے۔ غالباً حضرت موسیٰ ع کے ساتھ اللہ کا کلام اکثر فرشتے کے واسطے کے بغیر ہوتا تھا (جسے شوریٰ: ۵۱ میں من وراءی حجاب کہا گیا ہے) مگر باقاعدہ گفتگو اور مکالمہ کی صورت میں بات چیت ضرور ہوتی تھی۔ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس خصوصیت کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے۔ سورہ المائدہ، الاعراف، یونس، طٰہٰ اور القصص میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے مذکور ہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ :-

جتنے بھی انبیاء بھیجے گئے جیسا ہے ان کا ذکر ہوا ہے یا نہیں ان سب کا اصل پیغام بھی ایک ہی تھا کیونکہ سب ہدایت کے ایک ہی سرچشمے سے احکام حاصل کرتے تھے ——— ان سب انبیاء کا طریق کار یا مقصد دعوت بھی ایک ہی ہوتا تھا اور وہ یہ کہ لوگوں کو غلط روی اور برائی کے برے انجام سے خبردار کرنا اور نیک اعمال اور بھلائیوں کے بارآور ہونے کا یقین دلانا ——— بالفاظ دیگر بدی کی حوصلہ شکنی کرنا اور نیکی کی حوصلہ افزائی کرنا ہی ان کا کام تھا ——— البتہ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو نیکی اور بدی کا صحیح تصور بھی دلاتے تھے۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا :-

Marfat.com

اوران انبیاء کے بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ آخری عدالت میں کوئی گمراہ مجرم اللہ کے سامنے یہ عذر نہ پیش کرسکے کہ ہم ناواقف تھے۔ یہی مضمون قرآن کریم سورۃ البقرۃ: ۳۸، ۳۹، الاعراف: ۳۵، ۳۶، ۱۷۲، ۱۷۳ میں اور دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیشمار انبیاء بھیجے اور ان کے ذریعے اور ان کی کتابوں کے ذریعے دوسرے انسانوں تک حقیقت کا علم پہنچا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی اُمتوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ اپنے نبی کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچائیں —— آیت صاف الفاظ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں پر دنیا کے گوشے گوشے تک اسلام کا پیغام پہنچاکر لوگوں پر حجت قائم کرنے کی ذمہ داری ڈال رہی ہے اور یہ حجت پوری طرح اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ لوگوں پر اپنے عمل سے بھی اسلام کی صداقت ثابت کردی جائے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ لیکن اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعے جو اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ اس نے تیری طرف نازل کی ہے کہ اس نے اسے اپنے بِعِلْمِهٖ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور فرشتے (بھی) يَشْهَدُوْنَ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ گواہی دیتے ہیں اور اللہ ہی کافی ہے	(اہلِ کتاب نہیں مانتے تو نہ مانیں) مگر اللہ خود اس (کتاب) کے ذریعہ جو اس نے تیری طرف نازل کی ہے، یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس نے اسے اپنے (کمال) علم سے نازل کیا ہے اور اس پر فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اگرچہ صرف اللہ کا گواہ ہونا ہی بالکل کافی ہے۔

Marfat.com

شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ

حق ظاہر کرنے والا بے شک جو لوگ

كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ

کافر ہوئے اور انہوں نے (دوسروں کو) روکا

سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا

اللہ کی راہ سے وہ تو گمراہی میں جا پڑے

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ

بہت دور کی گمراہی (میں) بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ

کفر کیا اور حق دبا رکھا تو اللہ ہرگز ایسا

اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا

نہیں (کرے گا) کہ انہیں بخش دے اور نہ یہ (ہوگا)

لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا

کہ وہ انہیں دکھا دے کوئی راستہ سوائے

طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ

راہ دوزخ کے وہ سدا رہنے والے ہوں گے

اب جو لوگ (اس کو) ماننے سے انکار کرتے ہیں اور (دوسروں کو بھی) خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقیناً بھٹک کر راہ راست سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ (اسی طرح) جن لوگوں نے کفر (انکار) کا راستہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر بھی اتر آئے تو اللہ ان کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور جہنم کے راستے کے سوا انہیں کوئی اور راستہ نہیں دکھائے گا۔

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ (پڑے) رہیں گے

Marfat.com

فِيهَآ أَبَدًا ط وَكَانَ ذٰلِكَ

اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو اور یہ بات

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا (١٦٩) يٰٓأَيُّهَا

اللہ پر بہت آسان ہے اے

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ

لوگو! آچکا ہے تمہارے پاس رسول

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا

ٹھیک بات لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے پس تم ایمان لاؤ

خَيْرًا لَّكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا

(کہ) بھلا ہو تمہارا اور اگر تم کفر کروگے

فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تو بے شک اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَالْأَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ

اور زمین (میں) اور اللہ

عَلِيمًا حَكِيمًا (١٧٠)

سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

اور اللہ کے لیے یہ بات بالکل آسان ہے

اے لوگو! (اب یہ) رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق و سچائی لے کر آگیا ہے (لہٰذا) ایمان لے آؤ (یہی) تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر انکار کرتے رہے تو (جان لو) کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ تو سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (بھی) ہے اور حکمت والا (بھی)۔

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ : اس کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے "جو کچھ اس نے تیری طرف نازل کیا ہے اس کے متعلق"۔ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ :۔ استثنا جنس ہے اور چونکہ پہلا کلام منفی ہے اس لیے یہ منصوب ہے۔ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ :۔ خَیْرًا مفعول بہ ہو سکتا ہے جب کہ فَاٰمِنُوْا بمعنی وَاْتُوْا سمجھا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر محذوف کی صفت ہو یعنی دراصل اِیْمَانًا خَیْرًا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خَیْرًا، اٰمِنُوْا کا حال ہو۔

تفہیم و تفسیر :۔

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ دلائل پہلے بیان کیے جا چکے ہیں اس لیے یہاں انکار کے نتائج سے خبردار بھی کر دیا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ :۔

(۱) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں کے سامنے پچھلی آیات (اِنَّآ اَوْحَیْنَآ . . .) پڑھ کر سنائی گئیں تو انہوں نے یہ کہا "ہم تو اس کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے دیکھیں کون دیتا ہے؟ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی اور اس سبب اس کا آغاز لٰكِنِ (لیکن، مگر) سے ہوتا ہے۔

(۲) اللہ کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس چیز کے متعلق کچھ کہتا ہے خود وہی چیز اس بیان کی صداقت پر گواہ ہوتی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ آپؐ کی طرف جو کچھ اتارا گیا ہے وہ اللہ کے علم سے نازل ہوا اور اس کا ثبوت خود وہ نازل شدہ کتاب (قرآن) ہے جس کا مطالعہ ہی اس کے مصنف کے مافوق البشر علم پہ دلالت کرتا ہے۔

(۳) آیت میں یہود کے اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ یہ وحی و نبوت کسی

اسرائیلی کو ہی ملنی چاہیئے تھی ۔۔۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے علم کامل سے جس کو
اس کا اہل سمجھا اسے ہی یہ شرف عطا فرمایا۔ اور خدا اس بات کی گواہی دیتا ہے
کہ اس نے یہ چناؤ اندھا دھند نہیں کیا بلکہ اپنے علم ازلی کی رو سے کیا ہے
اور حالات نے ثابت کر دیا کہ خدا کے علم نے (نعوذ باللہ) غلطی نہیں کی تھی"
اور جس کو یہ منصب ملا ۔۔۔ اس کی اہلیت اس شان کے ساتھ ظاہر ہوئی جس
کی تاریخ انسانیت میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔

(۱) اللہ نے خود قرآن میں اپنی وحدانیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت
کی گواہی دی ہے ۔۔۔ اور حقیقتاً اس کے بعد کسی اور گواہی کی ضرورت
ہی نہیں رہ جاتی ۔۔۔ مگر خدا کے فرشتے بھی اس حقیقت پر گواہ ہیں۔

(۲) اللہ کی گواہی تو قرآن سے ظاہر ہے مگر فرشتوں کی گواہی کیسے معلوم ہو
اس کا ایک جواب تو خالص روحانی نقطہ نظر سے ہے (اور مفسرین نے
یہی اختیار کیا ہے) اور وہ یہ کہ فرشتوں کی گواہی کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں
چاہے ہم کافر سمجھ سکتے ہوں۔ اور یہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن
کی صداقت پر گواہ ہیں۔ قرآن [illegible]
کہ اسلامی غزوات [illegible] فرشتوں کے
ذریعے سے سرانجام پاتا ہے۔ اس [illegible] رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو جو تائید و نصرت حاصل ہوئی وہ فرشتوں کی [illegible]
۔۔۔ گویا قرآن کریم نے اپنے [illegible] ثابت [illegible]
کتاب ہے۔ اور باوجود [illegible] رسول
کے سبب غلبہ و نصرت کے جو اسباب [illegible]
کی خارجی دلیل ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ؀

(۱) صداقت وحقانیت کے ان شواہد کے بعد بھی جو لوگ نہ صرف اس دین، اس کتاب اور اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کی اشاعت تبلیغ اور اس کے نفاذ و اقامت کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہوتے ہیں تو اس سے بڑھ کر گمراہی کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۲) دین کا انکار جب متعدی ہو جائے جب آدمی صرف بے دینی پر اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی دین سے باز رکھنے پر اپنی ساری قوتیں صرف کرنے لگے تو یہ گمراہی کی وہ صورت ہے جہاں سے واپس آنے کی امید بہت کم کی جا سکتی ہے۔ خدا کے راستے سے روکنے کے وسائل (چاہے وہ سیاسی ہوں یا معاشی، معاشرتی ہوں یا اخلاقی، تعلیمی ہوں یا تفریحی) کو پنپنے کی اجازت دینا اور ان کی سرپرستی یا حوصلہ افزائی کرنا بھی آدمی کو آہستہ آہستہ گمراہی و انکار کے اس مقام پر لاکھڑا کرتا ہے جہاں سے اس کا حق کی طرف واپس مڑنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا — اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا — وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ؀

(۱) دین سے انکار بذاتِ خود اپنی جان پر ظلم ہے۔ لیکن جو آدمی دوسروں کو دین سے روکنے کے لیے ظلم و ستم پر اتر آئے — دین کے راستے میں "پرامن" طریقوں سے رکاوٹ ڈالنا بھی جرم ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے طاقت اور اختیارات کے اندھا دھند استعمال پر اتر آنا بجا طور پر ناقابلِ معافی جرم ہے — ایسا شخص اپنے غیظ و غضب میں ہمیشہ غلط ہی

Marfat.com

انداز میں سوچتا اور غلط ہی طریقے پر عمل کرتا ہے۔ یہ طرزِ فکر و عمل اسے کشاں کشاں سیدھا جہنم میں لے جانے کا باعث بنتی ہے۔ طاقت کے نشے میں بعض دفعہ آدمی اپنے لیے کسی بُرے انجام کو ناممکن ہی تصور کرنے لگتا ہے اسے معلوم نہیں ہوتا یا وہ بھول جاتا ہے کہ خدا کا قانونِ مکافات کس خاموشی اور آسانی کے ساتھ اسے اپنی گرفت میں لے لے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ۔

(۱) پوری بنی نوعِ انسان کو یہ دعوت دی جارہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پروردگارِ عالم کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کا رسول ہونا صداقت ہے اور آپ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ بھی صداقت ہے اور ہر لحاظ سے حق و صداقت آپؐ کے ساتھ ہے اور آپ کی دعوت عالمگیر ہے۔

(۲) آیت کے مخاطب تمام انسان ہیں مگر اس میں خاص طور پر خطاب اہلِ کتاب سے ہے جو ایک آنے والے کے منتظر تھے (اور اب تک ہیں) جَاءَكُمْ کہہ کر انہیں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اب کس کے منتظر ہو آنے والا تو آچکا۔

(۳) اس دعوت میں دو اعلان قابلِ غور ہیں اور دراصل ان پر غور ہی سوچنے والے کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا قائل کر دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ پروردگارِ عالم کے فرستادہ ہیں۔ آپ کی زندگی کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ ایک انسانی دماغ کا کمال نہیں ہے بلکہ ہر میدان میں ایک مافوق البشر عنصر کام کرتا نظر آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہی حق و صداقت ہے حق و صداقت کو نمایاں کرنا ہی آپ کا نصب العین ہے اس لیے حق و صداقت کا مطالعہ کرنے کے بعد آدمی کو اس کے دعویٰ رسالت کی

تصدیق میں کوئی تذبذب باقی نہیں رہتا

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔

پس اے نوعِ انسان! تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پر ایمان لاؤ۔ سچے دعوے اور سچی دلیل کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مان لیا جائے۔ اس ایمان سے تمہارے سامنے ایک نصب العین متعین ہو جائے گا۔ اور جوں جوں تم اس نصب العین کی طرف چلو گے تمہیں محسوس ہوگا کہ تم نے واقعی خیر و بھلائی کا راستہ اختیار کیا ہے ——— لیکن اگر تم نے اس سے انکار کر دیا اور بدستور اپنے پہلے طریقے پر مصر رہے تو اس میں ضرر سراسر تمہارا ہی ہے اس لیے کہ خدا کی سلطنت میں رہتے ہوئے تمہاری حرکتیں اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہیں۔ البقرہ سزا اپنی حکمت سے مناسب موقع پر دیا کرتا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا	اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالو اور حق بات تو اتنی ہی ہے کہ ابن مریم
اے اہل کتاب! مبالغہ مت کرو	
فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى	
اپنے دین (کی بات) میں اور مت بولو اللہ	
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ	
پر سوائے سچ کے مسیح (یعنی)	

Marfat.com

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ

عیسیٰؑ ابن مریمؑ اللہ کا رسول ہے

اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقٰهَا

اور اس کا فیض / کلام جو اس نے ڈال دیا

إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ؗ

مریمؑ کی طرف اور ایک جان / روح ہے اس کی طرف سے

فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ؕ

اور (یہ) نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں

اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

اس سے باز آجاؤ (تو) بہتر ہے تمہارے حق میں

إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

اللہ جو ہے سو وہ تو ایک ہی معبود ہے

سُبْحٰنَهٗ أَنْ يَّكُونَ لَهٗ

وہ پاک ہے اس سے کہ ہو اس کا کوئی

عیسیٰ ابن مریمؑ بس اللہ کے ایک رسول تھے اور اس کا ایک فیض / فرمان تھے جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا۔

اور وہ (مسیحؑ) ایک روح تھے اس (اللہ) کی طرف سے (جس سے اس کی قدرت سے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی)

سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین ہیں — باز آجاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے وہ اس بات سے بالا تر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو

وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

بیٹا اس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى

اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ

اللہ کارساز ہرگز بُرا نہ مانے گا

الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا

مسیح ؑ اس (بات) سے کہ وہ ہے/ہو ایک بندہ

لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

اللہ کا اور نہ ہی (وہ) فرشتے (جو) مقرب (ہیں)

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ

اور جو کوئی عار کرے گا اس (اللہ)

عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

کی بندگی سے اور تکبر کرے گا

فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ

تو وہ (اللہ) جمع کرے گا ان کو اپنے پاس

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی ملک ہے اور اللہ ہی سب کی کارسازی اور خبرگیری کے لیے کافی ہے۔ مسیح ؑ نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا (اور نہ سمجھیں گے) کہ وہ اللہ کے ایک (غلام) ہوں۔ اور نہ ہی مقرب ترین فرشتے اس اعتراف عبودیت کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی اللہ کی بندگی میں ننگ و عار محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تو (پھر) ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب اللہ سب

Marfat.com

جَمِيْعًا (۱۷۲)	کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کر دے گا ۔
سب کے سب کو	

لغوی و نحوی اشارات :-

لَا تَغْلُوْا : غَلَا يَغْلُوْ غُلُوًّا ۔ حد اعتدال سے تجاوز کرنا ۔ اَلْمَسِيْحُ : مبتدا مرفوع ہے اور عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اس کا بدل یا عطف بیان ہے اور رسول اللّٰه اس کی خبر ہے ۔ كَلِمَتُهٗ : اس کا عطف رسول اللہ پر ہے ۔ رُوْحٌ مِّنْهُ بھی خبر یعنی رسول اللہ پر عطف ہے ۔ ثَلٰثَةٌ : خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے یعنی دراصل اٰلِهَتُنَا ثلاثة یا اَلْاِلٰهُ ثَلٰثَةٌ تھا ۔ اِنَّمَا اللّٰهُ : مبتدا اور اِلٰهٌ وَّاحِدٌ : خبر مرفوع ہے ۔ اَنْ يَّكُوْنَ : سے پہلے مِنْ یا عَنْ محذوف ہے ۔ يَسْتَنْكِفُ : اِسْتِنْكَافٌ کے معنی ہیں کسی بات کو ننگ و عار سمجھنا ، برا ماننا ۔

تفہیم و تفسیر :-

گزشتہ آیات میں خطاب زیادہ تر یہودیوں سے تھا ۔ اور انہیں برائیوں سے باز آنے اور مسیح علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دے کر ان پر حجت قائم کر دی گئی تھی — اب ان آیات میں مخاطب عیسائی ہیں — انہیں مسیح ع کے بارے میں غلط عقائد ترک کر کے اہل توحید اختیار کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے ۔ اور تثلیث کے باطل عقیدے کی تردید و مذمت کی گئی ہے ۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ :-

(۱) دین میں غلو اور مبالغہ یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ یا افراط کو دخل دیا جائے ۔ چاہے یہ اضافہ کسی نیت سے ہو کسی

Marfat.com

طرح دین میں سے کسی چیز میں کمی کرنا گمراہی ہے اسی طرح دین میں خود ساختہ اضافے بھی گمراہی اور غلط روی ہے۔

(۲) اس آیت کے مخاطب خاص طور پر عیسائی ہیں جنہوں نے یوں تو اپنے دین میں بہت سی باتوں میں افراط سے کام لیا۔ مثلاً شادی کے بعد طلاق کو مطلقاً ناجائز قرار دینا، تجرد و رہبانیت کی زندگی کو ترجیح دینا۔ شریعت میں حرام و حلال کی تمیز ختم کرنا وغیرہ۔ مگر سب سے زیادہ گمراہ کن غلو انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختیار کیا کہ انہیں مرتبۂ الوہیت دے دیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ :۔

(۱) مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا غلو نہ قطعی متواتر نصوص پر مبنی ہے نہ کسی قاطع عقلی دلیل پر ——— اور سچائی کا معیار یا عقل ہے یا نقل ———

(۲) دین کے بارے میں یوں تو کوئی بات بھی بغیر سند کے نہیں کہنی چاہیئے مگر عقیدے کے معاملے میں اور خصوصاً جہاں توحید و شرک کا سوال پیدا ہوتا ہو۔ وہاں تو خوب پرکھ کر حق ہی کے قبول کرنے پر اصرار کرنا چاہیئے۔

(۳) دین کے معاملے میں اکثر افراط اور مبالغہ ہی راہِ حق سے منحرف ہونے کا سبب بنتا ہے۔ غالباً اسی لیے اس آیت میں پہلے مطلق غلو سے منع کیا گیا ہے اور پھر غلو کی بدترین صورت یعنی "خدا کے متعلق بھی غلط عقائد و تصورات قائم کرنے" سے روکا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱) حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے ——— اور اللہ کا پیغمبر ہونا کچھ کم مرتبہ نہیں ہے بلکہ بشریت کا بلند ترین درجہ ہے۔

(۲) حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کو مسیح، ابنِ مریم اور رسول اللہ کہہ کر قرآن کریم

Marfat.com

نے ان کے متعلق یہودیوں کے تمام اعتراضات اور شبہات کا جواب دے دیا ہے ——— مسیح کہنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہودی جن مسیح کے اب تک منتظر ہیں وہ تو یہی عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ ابن مریم کہنے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ قدرتِ الٰہی سے بغیر باپ کے صرف ماں سے ہی پیدا ہوئے تھے اور مریم علیہا پر یہودیوں کے تمام الزامات بالکل غلط اور جھوٹ تھے۔ ——— رسول اللہ کہہ کر ان کا مقام و منصب متعین کر دیا گیا ہے۔ کسی بھی رسول کی رسالت سے انکار کفر ہے اور اسے رسالت سے اوپر الوہیت کی طرف لے جانا شرک ہے ———

(۳) عیسائی اور یہودی صدیوں سے مسیح علیہ السلام کے متعلق اختلاف میں مبتلا رہے (اور اب تک ہیں) اور دونوں ہی فریق غلطی کا شکار رہے۔ قرآن کریم کا ان دونوں قوموں پر احسان ہے کہ اس نے دونوں پر ان کی غلطی واضح کر دی ہے۔ مسیحیوں اور یہودیوں، دونوں نے مسیح علیہ السلام کو عقلاً و نقلاً ایک ناقابلِ قبول شخصیت بنا رکھا ہے۔ قرآن کریم نے ان کی صحیح پوزیشن بتادی جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور جو عقلاً و نقلاً ہر طرح قابلِ قبول ہے۔

وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ :-

(۱) چونکہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو و افراط کا بڑا سبب یہ بھی تھا کہ آپ بغیر باپ کے ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوئے اس لیے مسیح مذکور رسول اللہ قرار دینے کے بعد ان کی ولادت کی اصل کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش اللہ ہی کے ایک کلمہ یا حکم کا نتیجہ تھی۔ خدا کا حکم کائنات کی ہر شے پر چھایا ہے اور کائنات کی اشیاء کو خدا کا حکم جس طرح پہنچتا ہے اسے قرآن نے کلمہ "کن" سے تعبیر کیا ہے۔ کائنات میں جو کچھ واقع ہوتا ہے، وہ معمول کے مطابق ہو یا غیر معمولی

Marfat.com

طریقے پر، سب اسی "کن" کا نتیجہ ہوتا ہے ـــــ اس طرح کلمہ "کن" کے مریمؑ کی طرف ڈالے جانے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے مریم علیہا السلام کے رحم کو یہ حکم دیا[1] کہ وہ کسی بیرونی مدد کے بغیر خود بخود ہی استقرارِ حمل کو قبول کرلے یعنی اس میں کوئی ایسی غیر معمولی تبدیلی پیدا کر دی کہ باہر سے آئے ہوئے (Sperm cell) کے بغیر ہی کسی اندرونی عمل کی وجہ سے ، ایک (Ovum cell) بارآور ہوگیا[2]

(۲) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مسیحیوں کو بھی حضرت مسیح ؑ کی معجزانہ پیدائش کا راز "کَلِمَۃ" یا "کُن" سے ملتے جلتے الفاظ میں سمجھایا گیا تھا مگر بعد میں انہوں نے غالباً یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر پہلے تو اس لفظ کلمہ یا حکم "کن" کو یونانی لفظ Logos بمعنی کلام یا "نطق" کا مترادف سمجھا۔ پھر اسے فلسفیانہ انداز میں اللہ کی صفتِ کلام قرار دیا اور پھر بے قیاس دوڑایا کہ اللہ کی صفت نے مریم ؑ کے بطن میں داخل ہو کر مسیح ؑ کی جسمانی صورت اختیار کی۔ مشرکوں میں خدا کی مختلف صفات کے لیے الگ الگ دیوتاؤں اور اوتاروں کے وجود کا عقیدہ عام ہے۔ اس طرح رومی و یونانی شرک، عیسائیوں کے اندر، الوہیتِ مسیح ؑ کے فاسد عقیدہ کا باعث بنا۔

---

[1] قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو زندہ آگ میں ڈالا گیا تو خدا نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے (قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا) یعنی اس میں یہ تبدیلی پیدا کر دی۔ اسی طرح جب مریم ؑ نے فرشتے کی خوشخبری پر اپنے پیٹ سے بچہ پیدا ہونے پر تعجب کا اظہار کیا تو انہیں یہی کہا گیا تھا کہ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ "کُنْ" فَیَکُوْنُ۔

[2] خیال رہے کہ اب سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ حیاتیاتی طور پر ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔

Marfat.com

اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی صفات میں سے
ایک صفت "کلام" کو مسیح ع کی شکل میں ظاہر کیا۔ یہ عیسائیوں کا پہلا غلو تھا
جو ایک فاسد تاویل سے پیدا ہوا —— قرآن کریم نے لفظ "کلمۃ" اور
"کلمات" کو ہم مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال کر کے اس قسم کی تاویل
فاسد کا سد باب کر دیا ہے۔

وَرُوحٌ مِّنْهُ :-

(۱) اور مسیح علیہ السلام اللہ ہی کی بنائی ہوئی ایک روح ہیں اور ان کو زندگی
دینے والا بھی خدا ہی ہے —— قرآن کریم میں "زندگی عطا کرنا" کے لیے
"نفخ روح" (روح پھونکنا۔ بلکہ خدا کا اپنی روح پھونکنا) کا لفظ متعدد جگہ استعمال
ہوا ہے مثلاً سورہ السجدہ : میں انسان کی پیدائش کے مختلف مدارج بیان کرتے
ہوئے وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ (پھر اس نے اس میں جان ڈال
دی) کہا گیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا آغاز بھی رحم مادر میں اللہ
کے حکم سے ہی ہوا۔ چونکہ عام طور پر کسی بھی رحم میں ایک نئی زندگی کا آغاز مرد
وعورت کے ملاپ سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت
میں ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے بطنِ مریم ع کے اندر اس خلاف عادت طریقے پر ایک
نئی جان کے ظہور یا وجود کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے "نفخ روح" سے تعبیر
کیا ہے۔ حضرت مریم ع کے متعلق کہا گیا ہے وَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا
(اور ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی (الانبیاء: ۹۱) بعینہ یہی
الفاظ یعنی نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي (الحجر: ۲۹ اور ص: ۷۲) میں
حضرت آدم ع کو زندگی عطا ہونے کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ اسی
طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے "اللہ کی طرف سے ایک روح" ہونے
کا مطلب یہی ہے کہ باقی ساری مخلوق کی طرح زندگی تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ
نے ہی عطا فرمائی البتہ اس کا آغاز ضرور ایک غیر معمولی طریقے پر ہوا ——

Marfat.com

(۲) قرآن کریم ہیں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح القدس (پاکیزگی کی روح) کے ذریعے ان کی مدد کی (البقرہ : ۸۷، ۲۵۳، المائدہ : ۱۱۰) - اس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے "روح" یا "مؤید بروح القدس" ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی پاکیزہ روح عطا فرمائی جو بدی سے نا آشنا تھی اور جو سراسر حقانیت وراست بازی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپ پر بچپن سے ہی روحانیت کا غلبہ تھا - اور روحانی طور پر آپ بہت بلند مقام پر فائز ہوئے -

(۳) انبیاء اور مومنین کو اللہ کی روحانی مخلوق یعنی فرشتوں کی تائید وامداد حاصل ہونا بھی قرآن کریم ہیں مذکور ہوا ہے - مثلاً سورہ المجادلہ : ۲۲ میں مخلص مسلمانوں کے بارے میں بھی کہا گیا ہے - وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (اور اللہ نے اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی مدد کی) نیز قرآن مجید ہیں روح اور روح القدس کے الفاظ جبرئیل علیہ السلام کے لیے بھی آتے ہیں جن کا انبیاء سے ساتھ گہرا تعلق ہے - اسی تائید اور تعلق کا ذکر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ہوا ہے -

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مسیحیوں کو بھی مسیح علیہ السلام کی تعریف، قرآن کریم کے ان الفاظ ـــــ رُوحٌ مِّنْهُ ـــــ سے ملتے جلتے الفاظ میں بتائی گئی تھی ـــــ جس کا مطلب انہوں نے آگے چل کر یہ لے لیا کہ یہ خدا ہی کی روح یا اس کا کچھ حصہ تھا جس نے مسیح ؑ کی شکل میں انسانی روپ دھارا ـــــ یہ عیسائیوں کا دوسرا بڑا غلو تھا، جس کی وجہ سے وہ الوہیت مسیح کے فاسد عقیدے میں گرفتار ہوئے، اور یہ بھی غلط تاویل کا نتیجہ تھا - یا یہ کہ عقیدۂ حلول (INCARNATION) تو باہر سے لیا مگر اپنے دین کی تاویل اس کے مطابق کر لی - لطف کی بات یہ ہے کہ بعض عیسائی قرآن کے ان الفاظ

Marfat.com

— رُوحٌ مِّنْهُ — میں مِنْهُ کا ترجمہ "کی طرف سے" کی بجائے "میں سے" کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن بھی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ ہی کا ایک جزء قرار دیتا ہے — بعض مفسرین نے اس سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید کے ایک درباری طبیب نے، جو مسیحی تھا، اس زمانے کے ایک عالم علی بن حسین المروزی سے بحث کرتے ہوئے بعینہٖ یہی استدلال کیا، تو انہوں نے جواب میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور یہ سب اس کی طرف سے ہی ہیں۔ الجاثیہ: ۱۳) اور کہا۔ "اگر مِنْهُ سے تمہارے معنی مراد لیے جائیں تو پھر زمین و آسمان کی ہر شے ہی خدا کا جزء ثابت ہو گئی۔ اس میں مسیحؑ کی کیا خصوصیت رہ گئی" — اس پر وہ عیسائی طبیب اپنے غلط عقیدے سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ ہارون کو اس کے قبول اسلام پر بہت خوشی ہوئی اور اس نے اس مسلمان عالم کی بھی عزت افزائی کی۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ :-

پس اب مسیح کا صحیح منصب و مقام معلوم ہو جانے اور ان کے کلمہ اور روح ہونے کی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد، واجب ہے کہ اپنے خود ساختہ عقائد کو چھوڑ کر صحیح معنوں میں اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ۔ مسیحؑ بھی ایک رسول ہی تھے۔ یہی ان کی اصل تعلیم تھی جسے ہر سچے مسیحی کو تسلیم کرنا چاہیے — اور خدا کے اس راستباز رسول مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بھی تصدیق کرو کیونکہ یہ وہی روح الحق یا PARAKLETOS[1] ہیں جن کے آنے

[1] آنے والے نبی کا نام جو انجیل یوحنا (۱۶: ۱۳، ۱۴) میں مسیح کی زبانی بتایا گیا ہے [باقی صفحہ]

Marfat.com

کی بشارت تمہیں مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ:-

اور تثلیث کے باطل عقیدے کو چھوڑ دو چاہے وہ کسی شکل میں بھی ہو خواہ وہ ایک "ناقابل تقسیم ہستی" کے تین "الگ الگ اور مستقل" اقنوم (HYPOSTASIS) ہوں یا وہ "تین الگ الگ مستقل بالذات ہستیوں" پر مشتمل ایک "ناقابل تقسیم ذات" ——— کیونکہ یہ عقلاً ناقابل قبول عقیدہ بھی محض تمہارے غلو کا نتیجہ ہے اور اس کا حل یہی ہے کہ اس غلو سے باز آجاؤ ——— اللہ کو واحد معبود تسلیم کرو اور مسیح علیہ السلام کو اس کا پیغمبر مانو ——— تثلیث کے گورکھ دھندے سے نکلے بغیر تم کسی طرح بھی انبیاء ——— اور خود مسیحؑ ——— کے بتائے ہوئے دینِ توحید پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔

(۲) یہ ایک حقیقت ہے کہ مسیحی نہ صرف خدا کے وجود کے قائل (THEIST) ہیں بلکہ توحید کو بھی مانتے (MONOTHEIST) ہیں مگر اس توحید کے ساتھ بیک وقت تثلیث پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ نہ صرف عہد نامہ عتیق (OLD TESTAMENT) بنیادی طور پر ایک اور صرف ایک خدا کے تصور پر مبنی ہے، بلکہ خود انجیلوں میں مسیح علیہ السلام کے بھی ایسے صریح اقوال موجود ہیں جن کی بنا پر یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ توحید ہی اصلِ دین ہے ——— لیکن مشرک

(بقیہ صفحہ ۵۶۳) عیسائیوں نے انجیلوں کے ترجمے کرتے وقت اسمائے اعلام تک کے بھی ترجمے کر دیئے (حتیٰ کہ مسیح ؑ و مریم ؑ کے موجودہ انگریزی نام ترجمے ہی ہیں) PARAKLETOS یونانی لفظ ہے جس کے معنی احمد بنتے ہیں مگر اردو عربی انجیلوں میں اس کا ترجمہ مختلف کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

رومیوں اور یونانیوں کے زیرِ اثر جب عیسائیوں نے مسیح کو خدا کے مجسم ہونے (INCARNATION) یا خدا کا جسم ہو جانے کا عقیدہ نکالا اور یہ تسلیم کر لیا کہ خدا کے کلام یا اس کی روح نے مسیح کی شکل میں ظہور کیا، تو ان کے لیے خدا (باپ) کے ساتھ مسیح (بیٹے) اور کلمہ یا روح القدس کی الوہیت کو ماننا بھی لازمی ہو گیا ــــ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ توحید حقیقی اور تثلیث حقیقی کو جمع کرنا ان کے لیے ایک لاینحل معمّا بن کر رہ گیا ــ ذرا سنیے! یہ لوگ اس عقیدۂ توحید فی التثلیث یا تثلیث فی التوحید سے کیا مراد لیتے ہیں: "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے، ان کا جلال برابر اور عظمت ازلی یکساں ہے۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود اور روح القدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی ــــ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی ہے۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر محدود اور ایک غیر مخلوق۔ یونہی باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق اور روح القدس قادرِ مطلق مگر یہ تین قادرِ مطلق نہیں بلکہ ایک قادرِ مطلق۔ جیسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس خدا مگر یہ تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے ــــ"

بتائیے کیا سمجھے؟ بس یہی ہے وہ "تثلیث" کا گورکھ دھندا جسے سمجھنے کے لیے تقریباً دو ہزار سال سے مسیحی علماء سرگرداں ہیں۔ اسی "تین میں ایک اور ایک میں تین" کی بیسیوں مختلف تعبیریں کی گئیں اور ہر تعبیر نے ایک نئے فرقے کو جنم دیا۔ اور ہر فرقے نے دوسرے فرقوں کو خارج از دین قرار دیا۔ مسیحی منطق اور فلسفہ کا سارا زور اسی مسئلے پر صرف ہوا مگر بات نہ بن سکی اور اس مشکل کا کوئی حل نہ مل سکا (اور نہ ہی ملنا ممکن ہے) کہ تین خدا مانے جائیں مگر توحید بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے ــــ اور یہی وجہ ہے کہ تینوں میں ایک

فرقے بھی پیدا ہوتے مثلاً (UNITARIANS) جو سرے سے تثلیث کا انکار کرتے ہیں۔

(۳) اب تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسیحیوں نے تثلیث کا عقیدہ رومی اور یونانی بت پرستوں سے لیا۔ زمانہ قدیم کی اکثر مشرک اور بُت پرست قوموں میں تثلیث (ایک وقت تین ہستیوں کو خدا ماننا) کا عقیدہ موجود تھا۔ ہندوؤں کی تری مورتی (برہما، وشنو اور شیوا) کی طرح قدیم ایرانیوں میں بھی اورمزد، متراث اور اہرمن، الوہیت کے اقانیم ثلاثہ تھے۔ اسی طرح قدیم کلدانیوں آشوریوں، مصریوں، یونانیوں، رومیوں اور بہت سی یورپین اقوام میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں میں بھی یہ عقیدہ اپنے انبیاء کی تعلیمات کو بھلا بیٹھنے اور اس کی غلط تاویل کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ :-

پس اے پیروانِ مسیح ع! تم ایسی باتوں سے اور ان عقائد سے باز آجاؤ جن کا حضرت مسیح ع کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اپنے عقائد میں جو مشرکانہ آمیزش تم نے کر رکھی ہے اسے الگ کردو۔ بھلائی کی راہ تم پر واضح ہو جائے گی۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ :-

اصل حقیقت بس یہ ہے کہ معبودِ برحق، اللہ ہر لحاظ سے ایک، بلکہ یکتا ہے۔ اس کے نہ اجزاء ہیں نہ اقانیم۔ نہ اس کی خدائی میں کوئی شرکا ہیں نہ اس کی الوہیت میں کوئی تقسیم۔ وہ ہر اعتبار سے، ہر پہلو سے اور ہر معنی میں واحد ہے ــــــ اور یہی اصل صحیح توحید ہے۔ باقی سب خرافات اور احمقانہ تقلید۔

سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ :-

Marfat.com

(۱) اور یہ جو صلیب پرستوں نے مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا مان رکھا ہے، یہ عقیدہ تو صرف غلط ہی نہیں بلکہ بنیادی طور پر لغو اور مہمل ہے۔ اس سے بڑھ کر تنزیہہ الوہیت کے لیے باعث توہین اور شان الوہیت کے بالکل منافی عقیدہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو خالق کا ہم جنس قرار دیا جائے۔

(۲) مسیح ع کو خدا کا اکلوتا قرار دینے کا عقیدہ بھی مسیحیوں کے غلو اور فاسد تخیلات کا نتیجہ ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ مسیح علیہ السلام کا کوئی قول تک پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے متعلق انجیلوں سے بس اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا اور بندوں کے تعلق کو باپ اور اولاد کے تعلق سے تشبیہ دیتے تھے اور خدا کے لیے بطور مجاز و استعارہ "آسمانی باپ" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ وہ خدا کو صرف اپنا باپ ہی نہیں بلکہ سب انسانوں کا باپ کہتے تھے اور اس لفظ "باپ" کا یہ مجازی استعمال صرف مسیح علیہ السلام کی خصوصیت نہیں ان سے پہلے بنی اسرائیل میں قدیم زمانے سے خدا کے لیے "باپ" کا لفظ مجازاً مستعمل تھا اور بائبل کے عہد نامہ عتیق میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ مسیح علیہ السلام نے بھی یہ لفظ اپنی قوم کے محاورے کے مطابق ہی استعمال کیا جس طرح حدیث نبوی "اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہ" میں تمام مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے ـــــ لیکن عیسائیوں نے مشرک و بت پرست رومیوں اور یونانیوں سے متاثر ہو کر یا مسیح کو ان مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں پر فوقیت دینے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے دیوی دیوتاؤں کی عظمت اور صفات کے بارے میں ان قوموں کے اندر جو تخیلات پائے جاتے تھے وہ سب مسیح علیہ السلام میں بھی تسلیم کیے جائیں۔ ان مشرکوں میں مختلف دیوتاؤں کے متعلق "خدا کا سب سے بڑا بیٹا" ہونے کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔ پولس مسیحیوں نے ان کی تقلید یا ان کے جواب میں مسیح ع کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دے لیا۔[1]

---

[1] کفارہ اور ترک حلال و حرام کا نظریہ بھی انہی مشرک قوموں کے زیر اثر یہاں کے اندر مسیحیت کی
(باقی برصفحہ ۵۶۸)

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔

صرف انسانوں کا ہی نہیں زمین و آسمان کی تمام موجودات اور ہر شے کا اللہ کے ساتھ صرف مالک و مملوک کا تعلق ہے ـــــ اور خدا اپنے بندوں کی حاجت روائی اور کارسازی کے لیے کسی کی اعانت کا محتاج بھی نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کرے۔ خدا کا مملوک ہونے میں سب مخلوق برابر ہے اور سب کی کارسازی کے لیے وہی مالک کافی ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ:۔

(۱) اور مشرکوں کا یہ عقیدہ بھی باطل ہے کہ وہ کسی مخلوق کو معبود کا درجہ دے کر دراصل اس "مخلوق" کا احترام کر رہے ہیں یا صرف اس کے منصب بلند کا اعتراف کر رہے ہیں ـــــ خدا کی مخلوق میں، باہم فرقِ مراتب کے باوجود، کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ خدا کا بندہ کہلانے میں ننگ و عار محسوس کرتا ہو ـــــ اللہ کے سامنے مقامِ عبودیت، مقامِ توہین نہیں بلکہ مقامِ فخر ہے ـــــ اور بیشتر اسی فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے دنیا میں شرک پھیلا ہے۔

(۲) دنیا میں غالباً سب سے زیادہ مسیح؊ اور ملائکہ مقربین ہی کی پوجا ہوئی ہے تمام مشرک قوموں نے فرشتوں کو دیوی دیوتاؤں کے نام دے کر الوہیت میں شریک ٹھہرایا اور عیسائیوں نے مسیح؊ کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ـــــ

(بقیہ صفحہ ۵٦۷) تبلیغ و اشاعت کو موثر اور آسان بنانے کے لیے اختیار کیا گیا۔ اور اس سارے غلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے دین کی شکل ہی مسخ کر کے رکھ دی۔ خیال رہے کہ مسیحیت پہلے تین سو سال تک جن علاقوں میں پھیلی وہ سب مشرک رومیوں کی سلطنت میں شامل تھے۔ اور موحد و مومن مسیحیوں کو ان لوگوں نے سنگ دلانہ مظالم کا شکار بنایا۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی مسیحی فرشتوں کی فضیلت کے بھی قائل ہیں بلکہ روح القدس کو تثلیث کا ایک جزء قرار دیتے ہیں —— اس لیے قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ ملائکہ اور مسیح ؑ کی الوہیت کی نفی کی ہے —— اور بتایا ہے کہ جنہیں تم خدا بنا رہے ہو وہ تو خود خدا کی بندگی میں اپنے لیے کوئی عار محسوس نہیں کرتے

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا :-

خدا کے مقرب بندوں میں سے تو کوئی اس کی بندگی اختیار کرنے کو ذلت نہیں سمجھتا۔ البتہ اگر کوئی اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر احکامِ الٰہی کی تعمیل اور قوانینِ ربانی کی پابندی میں اپنی ہتک تصور کرتا ہو۔ تو اسے بہت جلد اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ آخر خدا نے سب کو گھیر کر اپنے سامنے اکٹھے کر دینا ہے۔ اور ہر ایک کو اپنا اپنا حساب دینا ہی پڑے گا۔

اس وقت وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہوں گے اور انہوں نے اچھے عمل کیے ہوں گے انہیں خدا ان کے اعمال کا پورا پورا اجر دے گا	فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
	پھر جو لوگ (تو) ایمان لائے اور انہوں نے کیے
	الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ
	اچھے کام سو وہ پورا پورا دے گا ان کو
	اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ
	ان کے اجر (بلکہ) اور زیادہ دے گا ان کو

Marfat.com

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

(خاص) اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے

اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا

(خدا کی بندگی کو) عار سمجھا اور تکبّر کیا

فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ

سو وہ سزا دے گا ان کو نہایت دردناک سزا اور

لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ ہی

نَصِيْرًا (۱۷۳)

کوئی مددگار

اور اللہ اپنے فضل سے ان کو (ان کی توقعات سے) زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔

اور جن لوگوں نے اللہ کا بندہ بن کر رہنے نہیں عار محسوس کی اور اپنے آپ کو خدا کی اطاعت سے بلند سمجھا۔ تو اللہ ان کو دردناک سزا دے گا اور (اس وقت) وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ کو (جن پر وہ بھروسہ کرتے تھے) نہ دوست پائیں گے نہ مددگار۔

لغوی ونحوی اشارات:۔

عَذَابًا اَلِيْمًا: ۔ (مرکب توصیفی) مفعول مطلق ہو کر نصب میں ہے
وَلِيًّا اور نَصِيْرًا: ۔ لَا يَجِدُوْنَ کا مفعول ہو کر منصوب ہیں۔ اُجُوْرَهُمْ: اُجُوْر کا واحد اَجْر ہے۔ فَيُوَفِّيْهِمْ: ۔ وفی سے باب تفعیل کا صیغۂ مضارع ہے۔

Marfat.com

تفہیم وتفسیر:-

ان آیات کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اس زندگی میں خدا پر صحیح ایمان لائیں گے۔ اور اپنے آپ کو اللہ کا عبد ومحکوم سمجھ کر اس کے احکام کے مطابق عمل کریں گے۔ اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کریں گے یعنی عقیدہ وعمل دونوں کے اعتبار سے "بندۂ خدا" بن کر رہیں گے انہیں ان کے حسن عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا بلکہ خدا اپنے فضل سے ان کی توقعات سے بھی کہیں زیادہ انعام عطا فرمائے گا۔

اور جو لوگ اس زندگی میں خدا کا محکوم بن کر رہنے میں کسی قسم کی عار محسوس کریں گے جو غیر خدائی قوانین اور نظریات کو تو فخریہ اپنائیں گے مگر خدا کے قانون اور اس کے فرمانوں کی "غیر موزونیت" سے شرمائیں گے --- یا اپنے آپ کو زندگی کے کسی شعبہ میں خدا کی اطاعت کی پابندی سے بالاتر خیال کرتے رہے ہوں گے ---- انہیں اپنی اس روش کے دردناک انجام سے دوچار ہونا ہی پڑے گا اور اس وقت ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ خدا کے نیک بندوں کو ازراہ غلو حدِ عبدیت سے بلند تر قرار دینا (یعنی صحیح ایمان نہ ہونا) یا ازراہِ سرکشی احکام الٰہی کو ٹھکرانا ---- دونوں ہی جہنم کے راستے تھے---- اور نفع ونقصان کے جو تصورات اس قسم کے عقیدہ وعمل سے وابستہ کر رکھے تھے وہ سب وہم باطل تھا

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ	لوگو! تمہارے پاس
اے لوگو !	تمہارے پروردگار کی

جَآءَكُم بُرْهَانٌ مِّن	طرف سے ایک (روشن) دلیل پہنچ چکی ہے اور (مزید برآں) ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی روشنی بھیجی ہے جو صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔
آ گئی ہے تمہارے پاس ایک دلیل / سند	
رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ	
تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف	
نُورًا مُّبِينًا (۱۷۴) فَأَمَّا	
ایک روشنی (راستہ) واضح کر دینے والی تو جو	سو اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے اور مضبوطی سے اس پر عمل پیرا اور ہمیشہ اس کے ساتھ وابستہ رہیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں جگہ دے گا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا
الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ	
لوگ تو ایمان لائے اللہ پر	
وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ	
اور انہوں نے مضبوط پکڑا اس کو تو وہ ضرور داخل کرے گا ان کو	
فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ	
اپنی رحمت میں اور فضل میں	
وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا	
اور دکھائے گا ان کو اپنی طرف سیدھا	
مُّسْتَقِيمًا (۱۷۵)	
راستہ	

Marfat.com

لغوی ونحوی اشارات :-

بُرْهَانٌ : جَآءَ کا فاعل ہوکر رفع میں ہے۔ بُرْهَان کے معنی ہیں واضح کردینے والی چیز۔ اس کی جمع براھین ہے۔ نُوْرًا مُّبِیْنًا :- اَنْزَلْنَا کا مفعول بہ ہوکر منصوب ہے۔ مُبِیْن۔ اَبَانَ یُبِیْنُ - ظاہر کردینا سے اسم فاعل ہے۔ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا :- یَهْدِیْ کا مفعول ثانی ہے۔ پہلا مفعول ضمیر هُمْ ہے۔

تفہیم وتفسیر :-

ان آیات میں ایک دفعہ پھر تمام بنی نوع انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کا لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف یوں پکار پکار کر بلانا مسلمانوں پر فریضہ تبلیغ کی اہمیت اور اس کی نوعیت بھی واضح کرتا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ :-

اس برہان سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جن کی سیرت پاک اور جن کی تعلیمات کی جامعیت خود ان کی صداقت کی دلیل بھی ہے اور زندگی کے ہر مشکل مسئلہ کا حل بھی۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس پہلو سے دیکھئے اور جتنا زیادہ دیکھئے۔ دل ودماغ پر آپ صلعم کے "بُرْهَانِ رَبّ" ہونے کی صداقت وعظمت کا نقش گہرے سے گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا :-

یہاں اس نور مبین سے مراد قرآن مجید ہے جس کے اندر انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے ـــــ قرآن کریم نے عقیدہ وعمل کی راہوں پر پڑے ہوئے سب اندھیرے دور کردیئے۔ آپ تمام زمانہ۔۔

Marfat.com

عالم کی تاریخ پڑھیے اور دیکھئے کہ انسانوں نے عقائد و اعمال میں کہاں کہاں ٹھوکر کھائی اور کس کس افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے۔ جُوں جُوں آپ کا علم انسانی فکر و کردار کی تاریخ کے متعلق زیادہ ہوتا جائے گا۔ اتنا ہی آپ پر اس روشن و تابناک ضابطۂ ہدایت کے "نور مبین" ہونے کی حقیقت کھلتی چلی جائے گی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ :-

سو جو لوگ اللہ کو ہی اپنا مالک و معبود اور آقا، حاکم مانیں گے اور اس کا دامن مضبوطی سے پکڑیں گے، ہر معاملے میں اس کی پناہ ڈھونڈیں گے اور اپنے عقیدہ و عمل کو محکم طور پر اس کی کتاب کے ساتھ وابستہ رکھیں گے۔ اور اس کے دین پر مضبوطی سے جمے رہیں گے۔

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ :-

تو خدا ان پر دنیا و آخرت میں اپنی رحمت و خوشنودی کے دروازے کھول دے گا۔ ان کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

وَيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا :-

اور وہ ان کے لیے دین کی راہیں آسان کر دے گا ـــــ جب وہ عقیدہ و عمل سے متعلق ہر مسئلے میں خدا کے دین کی طرف رجوع کریں گے تو وہ کبھی غلط راہ پر نہیں پڑیں گے اور نہ ہی کبھی وہ دین کو کسی معاملے میں درست رہنمائی سے قاصر پائیں گے ـــــ خدا کا دین اور خدا کی کتاب زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتی ہے اور درست رہنمائی کرتی ہے، اور صرف اسی کی رہنمائی درست ہے۔

Marfat.com

يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ

وہ دریافت کرتے ہیں تجھ سے - تو کہہ اللہ

يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ط

حکم دیتا ہے تم کو کلالہ (کی میراث) کے بارے میں

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ

اگر کوئی مرد مر جائے نہ ہو

لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ اُخْتٌ

جس کی کوئی اولاد در آنحالیکہ / اور اس کی (صرف) ایک بہن ہو

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ط

تو اس (بہن) کو (ملے گا) نصف اس کا جو وہ چھوڑ مرا۔

وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَّمْ

اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن) کے کل ترکے کا اگر نہ

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ

ہو اس (بہن) کی کوئی اولاد پھر اگر

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

ہوں (کلالہ کی وارث بہنیں) دو تو ان دونوں کو (ملے گا)

(اے پیغمبرؐ) یہ لوگ آپ سے (کلالہ کی میراث) کے بارے میں کچھ مزید دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں (اس) کلالہ کے بارے میں (یوں) حکم دیتا ہے کہ:- اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے (اور اس کے والدین بھی نہ ہوں، کیونکہ کلالہ ایسے ہی آدمی کو کہتے ہیں) اور اس کی صرف ایک ہی بہن (موجود) ہو تو وہ اس کے ترکے میں نصف پائے گی۔ اور اگر وہ بہن (اسی طرح) بے اولاد مر جائے (اور والدین بھی نہ ہوں) تو وہ بھائی ہی اس بہن کے پورے ترکے کا وارث

Marfat.com

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ

دو تہائی اس (ترکہ) میں سے جو وہ چھوڑ مرا۔

وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا

اور اگر ہوں (کلالہ کے ورثاء) کئی بھائی بہن کچھ مرد (بھائی)

وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ

اور کچھ عورتیں (بہنیں) تو (ایک) مرد کو (دیا جائے گا) برابر

حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ

حصہ دو عورتوں کے۔ کھول کر بیان کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

اللہ تمہارے لیے (احکام) تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو۔

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہر ایک چیز سے بخوبی آگاہ ہے۔

ہو گا۔ پھر اگر کلالہ کی وارث ایک کی بجائے دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکے میں سے دو تہائی دیا جائے گا اور اگر یہ صورت ہو کہ کئی بھائی بہنیں (وارث ہو رہے) ہوں تو (ترکہ) ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ (کے اصول پر تقسیم) ہو گا۔ اللہ تمہیں (اپنے) احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ تم (کبھی) غلطی میں نہ پڑو اور اللہ ہر چیز (اور ہر بات) کا صحیح صحیح علم رکھتا ہے۔

لغوی ونحوی اشارات:۔

اِسْتِفْتَاءٌ:۔ فتو سے استفعال کے معنی "حکم دریافت کرنا یا طلب کرنا" ہوتے ہیں۔ اور اِفْتَآء (افعال) کے معنی "حکم بیان کرنا" یا "سنانا" ہیں۔ کَلَالَۃ کی تشریح آیت ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ:۔ یہ جملہ

Marfat.com

فعل هَلَكَ کی ضمیر فاعل کا حال ہے اور وَلَهٗ اُخْتٌ بھی اسی ضمیر کے لیے جملہ حالیہ ہے۔ کَانَتَا کی ضمیر تثنیہ اختین کے لیے ہے جو پہلے جملہ وَلَهٗ اُخْتٌ سے سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کَانُوا کی ضمیر بھی ورثاء کے لیے ہے اَنْ تَضِلُّوْا: یہاں اَنْ بمعنی لِئَلَّا ہے۔ یا اَنْ سے پہلے مَخَافَةَ مقدر ہے۔

تفہیم وتفسیر:۔

سورہ النساء کی اس آخری آیت کا تعلق آیت ۱۱ - ۱۲ میں بیان کردہ احکام میراث کے ساتھ ہے ــــ کلالہ پر مفصل بحث وہاں گزر چکی ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس سوال کی وجہ کیا تھی؟ جس کی طرف یَسْتَفْتُوْنَكَ میں اشارہ کیا گیا ہے ــــ آیت ۱۲ میں کلالہ کے اخیافی بھائی بہنوں کی میراث کا ذکر تھا۔ یہاں بطور تتمہ علاتی اور حقیقی بھائی بہنوں کی وراثت کا حکم بیان ہوا ہے (اخیافی وعلاتی کی تعریف آیت ۱۲ کے تحت گزر چکی ہے) کلالہ کے ان احکام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ اسے پڑھنے سے پہلے کلالہ کے گزشتہ احکام (آیت ۱۲) اور اس سے متعلق مباحث کی طرف رجوع کر لینا بہتر ہو گا۔

اگر کوئی شخص (مرد یا عورت) بےاولاد مر جائے

اور اس کے والدین میں سے بھی کوئی زندہ نہ ہو البتہ اس کے بہن بھائیوں میں سے کچھ موجود ہوں تو ترکہ یوں تقسیم ہو گا:۔

(ا) اگر مرنے والا مرد ہے تو:۔

(۱) اگر اس کی وارث صرف ایک بہن ہو تو ترکہ میں سے نصف اس کو

حصہ اس بہن کو ملے گا ـــــــ باقی نصف رشتے کے دوسرے مستحق وارثوں (عصبات) میں تقسیم ہوگا۔

(۲) اگر ایک کی بجائے دو بہنیں وارث ہوں ـــــــ تو انہیں کل ترکہ کا دو تہائی (⅔) ملے گا ـــــــ باقی ⅓ دوسرے عصبات میں تقسیم ہوگا۔

(۳) اگر وارث متعدد بھائی بہن ملے جلے ہوں تو متوفی کا پورا ترکہ ان سب میں "مرد کو عورت سے دگنا" کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں کسی دور کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

(ب) اگر مرنے والی عورت ہے تو:-

(۱) اگر اس کا وارث صرف ایک ہی بھائی ہو تو وہ متوفیہ کے پورے ترکے کا حقدار ہوگا۔

(۲) اگر وارث بہت سے بھائی بہن ہوں تو ورثہ سب میں "مرد کو عورت سے دوگنا" کے اصول پر تقسیم ہوگا۔

کلالہ کے ورثہ کی یہ صورتیں تو اس آیت سے ظاہر ہیں۔ مزید تفصیلات کتب فرائض سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

سورۃ النساء کی اس آخری آیت کے بارے میں کتب تفسیر و روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر نازل ہونے والی آیت یہی ہے۔ اگرچہ روایات میں اختلاف بھی ہے بعض نے آیت الربا (البقرہ: ۲۷۸) کو آخری آیت قرار دیا ہے۔ یہ بھی مشہور روایت ہے کہ قرآن کی آخری آیت آیت اکمال (المائدہ: ۳) ہے جس کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸۱ دن زندہ رہے ـــــــ مگر بعض روایات

Marfat.com

میں اس آیت کلالہ (سورۃ النساء کی آخری آیت) کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ۹ دن پہلے نازل ہونے کا ذکر بھی ہے —— بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ آیت بلحاظ نزول قرآن کی آخری آیتوں میں سے ضرور ہے اور ممکن ہے آخری ہی ہو —— اور صحابہؓ میں اس مسئلے کے مشکل مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی جیسا کہ ہم آیت ۱۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

—— : تمت : ——

Marfat.com